ایم اے راحت

مجھے حیرت ہے کہ ادیب' شاعر' کہانی کار کسی داستان کا آغاز کتنی آسانی سے کر لیتے ہیں' داستانیں شعر میں بھی کہی جاتی ہیں بلکہ اشعار میں تو بڑی بڑی خوبصورت کہانیاں کہہ دی جاتی ہیں۔ چند الفاظ میں داستان دل بیان کر دینا نثر سے زیادہ مشکل کام ہے۔ خیر وہ تو ماہر فن ہوتے ہیں۔ میں آپ کو بتا دوں کہ میں کوئی باقاعدہ کہانی کار نہیں بلکہ ہر انسان کے دل میں کبھی کبھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اسے جانا جائے' سمجھا جائے۔ بات یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تنہا ہو' اس کے اطراف بے شمار محبت اور نفرت کرنے والے پھیلے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی یہ انوکھی آرزو دل میں پروان چڑھتی ہے کہ وہ اپنی خود نوشت لکھے۔ اب اس سلسلے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جو کہوں گا سچ کہوں گا' سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔ اس پراسرار' ہیبت ناک اور سنسنی خیز داستان کا آغاز کرتے ہوئے میں یہ سوچتا ہوں کہ اسے کہاں سے شروع کروں۔ ویسے ایک بات آپ کو بتا دوں کہ اس کا سب سے زیادہ اور سب سے گہرا تعلق خود مجھ سے ہے۔ داستان کا آغاز اپنے پردادا "راؤ حیدر شاہ" سے کرتا ہوں ـــــ کیونکہ جس حویلی کا میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں وہ آج تک راؤ حیدر شاہ کے نام سے مشہور ہے۔

"راؤ حیدر شاہ" کے بارے میں اگر آپ مغلیہ تاریخ اٹھا کر دیکھیں اور اس کے آخری ایام تک آ جائیں تو جنرل بخت خاں کے نام کے ساتھ آپ کو راؤ حیدر شاہ کا نام ضرور ملے گا ـــــ انگریز فوجوں نے دلی گھیر رکھی تھی۔ جنرل بخت خاں کو آنے میں دیر ہو گئی تھی لیکن آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے وہ تیور نہ دکھائے جو مغلوں کے تیور تھے اور جنہوں نے ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے

بارے میں کچھ کہتے ہوئے بس آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی سی آ جاتی ہے اور میں یہ نمی اس کہانی میں شامل نہیں کرنا چاہتا۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ راؤ حیدر شاہ جنرل بخت خاں کے خاص آدمیوں میں سے تھے اور نہایت زیرک اور سمجھدار آدمی تھے یہ ہمارے خاندان کی خوش قسمتی تھی یا انگریزوں کی بدقسمتی کہ راؤ حیدر شاہ کا نام جنرل بخت خاں کے نام کے ساتھ عام نہیں ہو سکا اور انگریز یہ بات نہیں جان سکے کہ سنگل پور کا حیدر شاہ کون ہے۔

ہماری آبائی زمین سنگل پور ہی ہے۔ ایک دور دراز سی بستی' سرسبز و شاداب علاقے میں واقع' جس کے پس منظر میں بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیاں آسمان کی سرحد کرتی ہیں' وہی ہمارا گاؤں ہے۔ اب اس گاؤں کو ہم گاؤں نہیں کہہ سکتے۔ زمانہ قدیم میں یقینی طور پر کبھی وہ گاؤں ہو گا--- ویسے سنگل پور میں ہمارے سات گھر تھے--- یعنی خاندان کے کچھ افراد حویلی کے قرب و جوار میں رہتے تھے اور اب یہ ساتوں گھر اینٹوں کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکے ہیں--- لیکن وہ مضبوط حویلی جو آج بھی سر اٹھائے ہوئے کھڑی ہے۔ ہمارے خاندان کی لاتعداد داستانوں کی امین ہے۔ اب یہ کہتے ہوئے تو بڑا دکھ ہوتا ہے کہ اب وہ حویلی انسان کے قبضے میں نہیں بلکہ وہاں آسیبی حکومت ہے۔

تو بات راؤ حیدر شاہ کی ہو رہی تھی۔ خاص طور سے میں اس واقعے کو ضرور سنانا پسند کروں گا جو ہمارے سینوں پر آج تک تمغوں کی شکل میں سجا ہوا ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ جما لیا۔ ان کی حکومت قائم ہو گئی لیکن انہیں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ جنرل بخت خاں کے ساتھ راؤ حیدر شاہ کا نام بھی ایک اچھے اور تجربے کار جرنیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی نے انہیں راؤ حیدر شاہ کے بارے میں بتایا ہو' لیکن خوش قسمتی سے سنگل پور کا نام کبھی نہیں آیا تھا۔

بہادر شاہ ظفر' ہندوستان انگریزوں کے ہاتھوں ہار گیا' لیکن حیدر شاہ نے ہار نہیں مانی تھی۔ ان کے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور اس آگ کو انہوں نے وائسرائے دہلی جنرل میکلینو اور اس کے بیس ساتھیوں کے خون سے بجھایا۔ جنرل میکلینو کو شکار کا بہت شوق تھا اور راؤ حیدر شان ان شکاریوں میں تھے جو آواز پر نشانہ

لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندگی میں کبھی ان کا نشانہ خالی نہیں گیا۔ اس کا اعتراف اس وقت کے عظیم ترین شکاری جم کاربٹ نے بھی کیا جم کاربٹ نے اپنا نام بڑا مشہور کر لیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے جو کچھ لکھا زیادہ تر اپنے ہی بارے میں لکھا۔ ان لوگوں کا اس نے کوئی تذکرہ نہیں کیا جنہوں نے اسے بندوق پکڑنا سکھایا تھا۔

خیر راؤ حیدر شاہ جم کاربٹ کے استاد تو نہیں تھے لیکن ایک دوبار جم کاربٹ نے بھی پہاڑوں کی ترائیوں میں حیدر شاہ کے ساتھ شکار کھیلا اور دانتوں میں انگلی دبا کر رہ گیا۔ رات کی تاریکیوں میں' اندھیروں میں صرف درندوں کی سانسوں کی آواز سے انہیں شکار کرنا حیدر شاہ کا کام ہی تھا لیکن اصل میں حیدر شاہ وائسرائے میکلینو کو دانہ ڈال رہے تھے۔ ان کے دل میں انتقام کی آگ تھی--- حویلی کے تہہ خانے میں ایک زبردست بندوبست کیا گیا تھا۔ ٹیکنیکی لحاظ سے اس بندوبست کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ حویلی دریائے سنگل کے کنارے سے جڑی ہوئی تھی۔ اگر آپ نے تاج محل دیکھا ہے تو دریائے جمنا کے کنارے تاج محل چاندنی راتوں میں جو بہار دکھاتا ہے یوں سمجھ لیجئے ہماری یہ حویلی بالکل اسی کیفیت کا شکار تھی۔ اسے زمانہ قدیم کے ماہرین نے سرخ پہاڑی پتھروں کی سلوں سے بنایا تھا۔ اہرامین مصر میں پتھروں کی جو سلیں لگی ہوئی ہیں وہ تو خیر ناقابل یقین حد تک بڑی ہیں لیکن حویلی راؤ حیدر شاہ میں بڑے بڑے پہاڑوں کی یہ چٹانیں اپنی بہار دکھاتی ہیں اور اہرامین مصر کی یاد دلاتی ہیں۔

دریائے سنگل کے کنارے اس حویلی کو خود راؤ شاہ نے بنوایا تھا اور یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اس کے بنانے کا مقصد بھی ان کے دل میں چھپی ہوئی آگ تھی--- جنرل میکلینو کو شکار کی دعوت دی گئی۔ وہ تو راؤ حیدر شاہ کا دیوانہ تھا۔ لندن سے کچھ شکاری آئے ہوئے تھے اور باقی جنرل میکلینو کے وہ اہم ترین ساتھی تھے جنہوں نے بڑے بڑے عہدے سنبھالے ہوئے تھے۔ کوئی ایسی چال چلی راؤ حیدر شاہ نے کہ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ جنرل میکلینو سنگل پور کی طرف آیا ہے' راؤ حیدر شاہ نے حویلی کے انتہائی گہرائیوں میں ایک بڑا تہہ خانہ بنوایا تھا اور اس تہہ خانے میں ایک ایسے انجینئرنگ کا کارنامہ سرانجام دیا تھا جسے ناقابل یقین کہا جائے تو غلط نہیں ہو

گا۔ یعنی وہاں دو سوراخ بنائے گئے تھے۔ یہ سوراخ دریائے سنگل کے نیچے تھے اور ایسا انتظام رکھا گیا تھا کہ اگر اوپر والا سوراخ کھول دیا جائے تو سنگل کا سارا پانی اس سوراخ سے اندر داخل ہو جائے اور نیچے والا سوراخ کھول کر وہ پانی باہر نکالا جا سکتا تھا اور اس کے لئے بڑے بڑے پمپ اس زمانے میں لگائے گئے تھے جو عام قسم کے بجلی کے پمپ نہیں تھے بلکہ وہ دیسی ساخت کے کچھ اس انداز کے بنائے گئے تھے جنہیں حویلی کے اوپر کے حصے سے کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔

میں ظاہر ہے اس داستان کو رنگ آمیزی بھی دے رہا ہوں کیونکہ میرے فرشتے بھی یہ بات نہیں جانتے کہ حیدر شاہ نے جنرل میکلینو کو کس طرح وہاں تک لے جانے پر راضی کیا ہو گا لیکن میں اپنی طرف سے کچھ رنگ آمیزی کر دوں تو آپ برا نہ مانیں چونکہ یہ اس داستان میں زیب داستان کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ جنرل میکلینو کو راؤ حیدر شاہ نے اپنی حویلی میں خوش آمدید کہا۔ جنرل میکلینو آگے بڑھتا ہو بولا۔

"دنیا کے سب سے بڑے شکاری! تمہاری حویلی تو بہت خوبصورت ہے اور تمہارے ذوق کی مظہر' میں واقعی اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"اگر یہ تمہیں پسند ہے جنرل میکلینو! تو میں تحفتاً" یہ حویلی تمہیں دے سکتا ہوں۔" جنرل میکلینو نے فخریہ انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا' خاص طور سے انگلینڈ سے آنے والوں کو اور کہا۔

"اصل میں ہندوستان میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں نے سازشوں اور خفیہ کارروائیوں سے قبضہ جمایا ہے لیکن تم لوگ دیکھ لو۔۔۔ دلوں پر حکومت ایسے ہی نہیں کی جاتی۔۔۔ راؤ حیدر شاہ نے جس محبت سے یہ حویلی مجھے دینے کی پیشکش کر دی ہے اس محبت کا جواب میں اتنی محبت سے نہیں دے سکتا۔۔۔ لیکن نہیں راؤ حیدر شاہ میں یہ حویلی تم سے نہیں لوں گا کیونکہ تمہارے بغیر سنگل پور کے اطراف ویران ہو جائیں گے اور یہاں درندوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔"

"آئیے میں آپ کو اس حویلی کی سیر کراؤں۔" راؤ حیدر شاہ نے کہا اور اس کے بعد اکیس آدمیوں کا یہ گروہ لے کر وہ حویلی کے مختلف گوشوں کی نشاندہی کرانے لگے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس حویلی کی تعمیر میں انجینئرنگ کے بہترین ثبوت

دیئے گئے تھے' اور اس کی ٹیکنیک کچھ ایسی تھی کہ انگریز بھی حیران رہ گئے تھے۔۔۔ یہاں تک کہ راؤ حیدر شاہ انہیں اس تہہ خانے میں لے گئے جو خاص طور سے انہی کے لئے بنایا گیا تھا۔۔۔ تہہ خانے میں ایک عظیم الشان میز پڑی ہوئی تھی اور اس کے گرد کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ راؤ حیدر شاہ اب تک ان انگریزوں کو حیران کرتے چلے آئے تھے' یہاں آ کر بھی وہ حیران ہوئے اور راؤ حیدر شاہ نے کہا۔

"بات یہی نہیں ہے جنرل میکلینو! بلکہ اس تہہ خانے میں میں نے جو ایک شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور۔۔۔" لندن سے آئے ہوئے ایک شخص نے کہا جس کا نام کربی فاسٹ تھا۔

"آپ لوگ مجھے کچھ لمحوں کی اجازت دیں۔" راؤ حیدر شاہ نے کہا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گئے۔ پھر اس دروازے سے باہر نکل گئے جو اس تہہ خانے کا واحد دروازہ تھا۔ یہ دروازہ بھی پتھر ہی سے بنا ہوا تھا۔ پتھر کا یہ دروازہ بند ہو گیا اور اس کے رخنے اس طرح ایک دوسرے سے چپک گئے کہ ہوا کی رمق تک اندر نہ آ سکے۔ پھر چھت کے قریب ایک چھوٹے سے روشن دان سے راؤ حیدر شاہ نے جھانکتے ہوئے کہا۔

"میرے معزز دشمنو! کیا میرے اس طرز تخاطب سے تم حیران نہیں ہو' میں نے تمہیں آج نئے نام سے مخاطب کیا ہے' حالانکہ یہ نام میری زبان پر نیا ہے میرے ذہن میں پرانا' میں نے تمہیں کبھی دوست نہیں سمجھا' تم جانتے ہو میں ایک مسلمان ہوں۔ ہاں اس میں تھوڑا سا اضافہ ضرور کر لو' میں ایک مسلمان جرنیل ہوں جو افسوس صحیح وقت پر دہلی نہیں پہنچ سکا اور تم لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دہلی آ کر میں تمام انگریزی فوجوں کو ختم کر دیتا لیکن خدا کی قسم! میں تمہارے قتل عام میں اپنا حصہ ضرور لیتا اور کم از کم تم میں سے بیس پچیس افراد کو ضرور قتل کرتا۔ یہ آرزو میرے دل کی دل ہی میں رہ گئی لیکن ہندوستان پر قبضہ ہو جانے کے بعد بھی میں اس آرزو سے پیچھا نہیں چھڑا سکا۔۔۔ میں کئی سال تک گوشہ نشین رہا اور سوچتا رہا کہ کیا طریقہ کار اختیار کروں کہ میرے دل میں چھپی ہوئی یہ

آرزو تکمیل کو پہنچ جائے اور آخر کار میں نے اس کا حل دریافت کر ہی لیا--- جنرل میں نے تمہیں سنگل پور میں شکار کی راہ پر ڈال دیا اور تم پر اپنا ایسا رنگ جمایا کہ تم میرے دیوانے ہو کر رہ گئے لیکن دشمنوں سے دوستی نہیں کی جا سکتی۔ تمہاری قوم نے اور تم نے خود ایک جنرل کی حیثیت سے ہندوستان پر قبضہ کرنے میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور اس کے بعد بھی' مجھ سے زیادہ بھلا اور کون یہ جان سکتا ہے کہ تم نے معصوم انسانوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں--- جنرل میکلینو! میں اسی دن سے ان کوششوں میں مصروف ہو گیا تھا اور میں نے یہ حویلی خاص طور سے تمہارے لئے تعمیر کرائی ہے اور تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ یہی عظیم الشان حویلی تمہارے مقبرے کے لئے منتخب کی گئی ہے۔"

جنرل میکلینو اور اس کے ساتھی حیرت سے منہ کھولے یہ کہانی سن رہے تھے۔ میکلینو نے کہا۔

"حیدر شاہ! کیا تم ایک سنگین مذاق کر رہے ہو لیکن تم جانتے ہو کہ تمہیں مہربانی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہم نے دوستوں میں جگہ دی ہے' دوستی اپنی جگہ' لیکن کسی ایک انگریز کی شان میں بھی گستاخی کی سزا جو ہو سکتی ہے تمہیں اس کا احساس ہے۔"

"ہاں--- تم نے اپنے آپ کو اتنا ہی بڑا بنا رکھا ہے' لیکن اب کیا تم دشمنی کا مزہ بھی چکھنا چاہتے ہو---؟"

"مطلب کیا ہے تمہارا--- ؟"

"اس تہہ خانے سے باہر نکلنے کی کوشش کرو' اگر اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے تو پھر اپنے لئے ایک خوبصورت موت کا انتظار کرو---"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم---؟"

"چلو اب کھیل شروع ہوتا ہے---" اور اس کے بعد جنرل میکلینو اور ان کے ساتھیوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی--- چونکہ چھت کے قریب ایک چھوٹا سا سوراخ کھل گیا تھا اور اس سوراخ کے کھلتے ہی پانی کی ایک موٹی دھار سوراخ سے اندر آنے لگی تھی۔ اس کی دھڑ دھڑاہٹ بے پناہ خوفناک اور سنسنی خیز

تھی۔ جنرل میکلینو کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے ساتھی وحشت زدہ ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"بھاگو!" بھاگتے کہاں' دوڑ کر سیڑھیاں چڑھے اور اس واحد دروازے تک پہنچے' لیکن وہ دروازہ کہاں تھا--- اب تو وہ رخنے بھی غائب ہو چکے تھے جن میں دروازہ کھلتا تھا۔ وہ لوگ سر پھوڑتے رہے--- پانی کے گرنے کی آواز اتنی خوفناک تھی کہ ان کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے--- لیکن وہ چیختے چلاتے بچنے کی کوشش کر رہے تھے--- پانی کی موٹی دھار نے وسیع و عریض تہہ خانے میں اونچائی اختیار کرنی شروع کر دی اور وہ لوگ اس ہولناک موت کا انتظار کرنے لگے جو ان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ اوپر چھت کے قریب سے جنرل حیدر شاہ کے قہقہے گونج رہے تھے۔ جنرل میکلینو اور اس کے ساتھی حلق پھاڑ پھاڑ کر گالیاں بک رہے تھے لیکن گالیوں سے دروازے نہیں کھل جاتے' جان نہیں بچ جاتی' پانی بھرتا جا رہا تھا اور تہہ خانہ اس طرح بنایا گیا تھا کہ پانی اس سے باہر نہ جا سکے۔ پانی ان کے گھٹنوں تک پہنچا وہ اس میں دوڑنے لگے اور راؤ حیدر شاہ کے قہقہے گونجتے رہے۔ یہ قہقہے انہیں بے حد ہولناک لگ رہے تھے۔ پھر پانی ان کی کمر' سینے گردن تک پہنچا اور اس کے بعد وہ گڑگڑا گڑگڑا کر رحم مانگنے لگے لیکن حیدر شاہ اس وقت خون کی آواز میں بول رہا تھا--- وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں سفید چہرے والو! کالے دل والو' تم نے جو مظالم کئے ہیں ان کے نتیجے میں تم پر رحم نہیں کیا جا سکتا---"

یہاں تک کہ پانی ان کے سروں سے بلند ہو گیا اور وہ آخری لمحات میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ شاید کہیں سے زندگی ان کے قریب آ جائے لیکن موت ان کے سر سے بلند ہوتی چلی گئی اور چھت تک پہنچ گئی اب ان کی لاشیں پانی میں تیر رہی تھیں--- اکیس لاشیں' پوری اکیس لاشیں اس تہہ خانے میں تیر رہی تھیں اور پھر یہ پانی چار دن تک وہاں بھرا رہا--- جنرل حیدر شاہ وہاں سے چلا گیا تھا--- پانچویں دن زمین کے نچلے سوراخ سے وہ سارا پانی باہر نکال دیا گیا لیکن حیدر شاہ نے دوبارہ وہ تہہ خانہ نہیں کھولا تھا۔

○

یہ تو بہت عرصے کی بات ہے کہ جس کی تفصیل آئندہ تحریر میں آپ کو بتاؤں گا کہ کسی نے حویلی کے نقشے میں اس تہہ خانے کے نشانات بھی پائے اور انہیں تلاش کرنے نکل پڑا۔۔۔ تب وہ تہہ خانہ پا لیا گیا اور اس میں سے اکیس انسانی ڈھانچے برآمد ہوئے جن کے لباس ان کے جسموں پر موجود تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہوا کے پہلے جھونکے سے وہ ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔

بہرحال راؤ حیدر شاہ کا انتقام پورا ہو چکا تھا اور وہ اپنی کامیاب سازش کے تحت خود کو بھی صاف بچا گئے تھے یعنی انگریزوں نے جنرل میکلینو کی تلاش میں ہندوستان کا چپہ چپہ چھان لیا' لیکن انہوں کوئی سراغ نہیں ملا سکا تھا۔۔۔ اور انگریزوں کے ریکارڈ میں جنرل میکلینو آخری بار اپنی رہائش گاہ پر دیکھے گئے تھے۔۔۔ وہاں سے کہیں جانے کے لئے نکلے اور پھر ان کا کہیں سراغ نہیں ملا تھا۔۔۔

راؤ حیدر شاہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے لیکن اب ان کی باقاعدہ رہائش شہر ہی میں تھی۔۔۔ اور اس حویلی کو یونہی رہنے دیا گیا تھا۔۔۔ راؤ حیدر شاہ کبھی کبھی حویلی آ جاتے تھے اور کئی کئی دن یہاں گزارتے تھے لیکن پھر آہستہ آہستہ راؤ صاحب کا آنا جانا کم ہوتا گیا اور بعض دفعہ کافی عرصے تک حویلی ویران پڑی رہتی تھی۔ راؤ صاحب نے حویلی کی صفائی ستھرائی کے لئے دو ملازمین مخصوص کر دیئے تھے لیکن وہ ملازمین راؤ صاحب کی غیر موجودگی میں یہاں صرف دن کی روشنی ہی میں آتے تھے ان میں سے کوئی بھی یہاں رات کے سناٹے میں آنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

ان ملازمین کا کہنا یہ تھا کہ انہوں نے حویلی میں مردے چکراتے ہوئے دیکھے ہیں۔ بعض دفعہ حویلی کے دروازے کھڑکیاں خود بخود بند ہو جاتے ہیں اور پھر خود ہی کھل جاتے ہیں۔۔۔ پہلے پہل تو ان کی اس بات کو وہم سمجھا گیا لیکن ایک رات پیش آنے والے واقعے نے سب کو دہلا دیا تھا۔

اس رات سردی میں کچھ شدت آ گئی تھی۔ حویلی کے دونوں ملازم فضلو اور

میرو اپنے اپنے کام ختم کرنے کے بعد سونے کی تیاری میں لگے ہوئے تھے پھر دونوں اپنے بستروں پر جا لیٹے جو ایک ہی کمرے میں تھے۔۔۔ بیچارے دن بھر کے مختلف کاموں سے تھکے ہوئے تھے اس لئے نیند نے جلد ہی انہیں آ لیا لیکن ابھی انہیں سوتے ہوئے گھنٹہ بھر ہی گزرا ہو گا کہ اچانک کسی چیز کی آواز سے فضلو کی آنکھ کھل گئی۔۔۔ فضلو اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے ہال کے زینے پر کوئی چڑھ رہا ہے۔ کھٹ کھٹ کی تیز آواز اسے واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ اس خیال کے تحت کہ اتنی رات کو پتہ نہیں کسی کو کیا ضرورت آ پڑی ہو' فضلو باہر نکل آیا۔۔۔ اس نے میرو کو جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

پھر اپنے کمرے سے نکل کر چلتا ہوا وہ زینے تک آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ زینے پر کوئی نہیں ہے' پھر اس نے نیچے جھانک کر دیکھا' ہال بھی خالی تھا' اب فضلو تھوڑا سا خوفزدہ ہوا' پھر وہ واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اسے پھر وہی کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔۔۔ اور فضلو تھر تھر کانپنے لگا اور اسی عالم میں اس نے مڑ کر دیکھا تو اسے وہاں جو کچھ نظر آیا وہ اس کے ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔

زینے کی درمیان والی سیڑھی پر ایک سر کٹا کھڑا ہوا تھا اور اس سے مزید خوفناک بات یہ کہ سر کٹے کے دائیں ہاتھ میں اس کا سر موجود تھا اور چہرے پر موجود آنکھیں فضلو کو گھور رہی تھیں۔ پھر ایک آواز ابھری۔

"ہوں! بہت دنوں کے بعد کوئی نقش ملا ہے۔" فضلو چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔۔۔ آواز پھر ابھری۔

"اے اندھے ادھر دیکھ! یہ میں ہوں تیرا پریتم۔۔۔" اور جب فضلو نے اس پر غور کیا تو شدت حیرت سے گنگ ہو کر رہ گیا' یہ آواز اسی سر سے آ رہی تھی جو اس کے دائیں ہاتھ میں تھا اور اب اس کی لپلپاتی ہوئی زبان بار بار باہر آ رہی تھی۔

فضلو خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔۔۔ جسم ساتھ نہیں دے رہا تھا ورنہ کب کا بھاگ کھڑا ہوتا۔۔۔ اس کی آواز پھر ابھری۔۔۔

"اور اب تیار ہو جا' تیرا پریتم آ رہا ہے۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے دایاں ہاتھ اوپر اٹھایا اور پھر اپنے سر کو ایک جھٹکا دے کر اسے فضلو کی طرف اچھال دیا۔۔۔ فضلو

کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی تھی اور اس چیخ کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر واپس
بھاگا تھا لیکن وہ سر فضا میں اڑتا ہوا فضلو کے پیچھے آ رہا تھا اور پھر وہ سر فضلو سے
آگے نکل آیا لیکن فضلو پر کچھ ایسی دہشت سوار تھی کہ وہ اپنی دھن میں بھاگتا ہی چلا
گیا تھا اور وہ سر اس کے آگے آگے فضا میں تیر رہا تھا اس طرح کہ اس کے چہرے کا
رخ فضلو کی جانب تھا۔ پھر وہ گردن فضلو کی طرف بڑھی اور فضلو کی گردن سے چپک
گئی۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ اس کے دانت فضلو کی گردن پر تھے، فضلو کے حلق
سے بھیانک چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ پوری قوت سے اس گردن سے پیچھا چھڑانے
کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔ اس نے مضبوطی سے دونوں ہاتھوں سے اس گردن کے سر
کے بالوں کو پکڑا ہوا تھا اور انہیں کھینچ کر اس سر کو خود سے الگ کرنے کی کوشش کر
رہا تھا۔ ساتھ ساتھ ہی وہ کمرے کی طرف بھی بھاگ رہا تھا لیکن اب اس کی رفتار
ست ہو گئی تھی۔

پھر فضلو اس گردن کو خود سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی رفتار تیز
کر دی لیکن کھوپڑی پھر اس کے آگے آگے فضا میں تیرتی جا رہی تھی البتہ اس کا دھڑ
وہیں زینے پر ہی تھا۔۔۔ فضلو کے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر تھے اور وہ پوری قوت سے
دوڑ کر کمرے تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ پھر دور سے اسے میرو آتا ہوا دکھائی دیا جو شاید
چیخوں کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ پھر اس نے بھی نیم خوابیدہ آنکھوں
سے یہ منظر دیکھا، پہلی نظر میں اسے یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ ماجرا کیا ہے؟ لیکن جب
آنکھیں پوری طرح کھل گئیں تو پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

فضلو اس کی طرف بھاگ رہا تھا اس کے حلق سے چیخیں برآمد ہو رہی تھیں
اور ایک انسانی کھوپڑی فضا میں تیر رہی تھی۔۔۔ پھر میرو سے فاصلہ کم ہی رہ گیا تھا کہ
فضلو نے چیخ کر کہا۔

"میرو یہ۔۔۔" لیکن ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کھوپڑی تیزی سے تیرتی
ہوئی میرو تک آئی اور گھوم گئی اب اس کا چہرہ میرو کی طرف تھا۔

"ہوں۔۔۔" اب دو ہو گئے۔"

"ک۔۔۔ کیا۔۔۔؟"

"نہیں جانے دوں گا آج، دونوں کو شکار کروں گا۔۔۔ یہ کہہ کر کھوپڑی میرو کی
طرف بڑھی تھی لیکن میرو نے ذرا سمجھداری سے کام لیا تھا۔۔۔ اس نے راہداری
میں موجود گلدان اٹھا کر پوری قوت سے کھوپڑی پر مارا تھا اور کھوپڑی ایک دیوار سے
ٹکرائی تھی۔ پھر وہ تیزی سے فضلو کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر زینے کی طرف
چل دیا تھا۔

پھر دونوں بھاگ کر زینے تک پہنچے تھے۔ وہاں پہنچ کر فضلو ایک دم رک گیا اور
ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہاں یہاں۔۔۔ وہ ۔۔۔ وہ سر کٹا۔" لیکن جہاں اس نے اشارہ کیا تھا اب
وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ حیرانی کی بات یہ بھی تھی کہ دیوار سے ٹکرانے کے بعد
اس کھوپڑی نے بھی ان کا پیچھا نہیں کیا تھا اور نجانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

بہرحال دونوں بھاگتے ہوئے صدر دروازے تک آئے تھے اور پھر باہر نکل کر
انہوں نے بستی کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ ان دونوں کے ذریعہ یہ کہانی باہر پہنچی تھی
اور پھر حویلی آسیب زدہ ہو گئی تھی۔

فضلو اور میرو نہ جانے کب کے مر کھپ گئے تھے۔ ان کی اولادیں بیشک ہوں
گی۔ شاید کسی نے اس حویلی کی طرف رخ نہیں کیا تھا۔ حیدر شاہ نے کسی کو پتہ نہیں
چلنے دیا تھا کہ اس عظیم الشان حویلی کو بنوانے کا مقصد کیا تھا لیکن بہرحال یہ حویلی قائم
تھی اور حیدر شاہ جیسا شخص ہی اسے انتقام لینے کے لئے ہی ایسی حویلی بنوا سکتا تھا۔

○

اگر ہم چاہیں تو حیدر شاہ کی داستان کو یہیں ختم کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے بعد
حیدر شاہ کا اس داستان میں براہ راست کوئی نام نہیں رہتا۔ وہ اپنا کردار ادا کر کے ختم
ہو جاتے ہیں۔۔۔ ان کی زندگی کا مقصد اس حویلی کیلئے یہ تھا کہ جنرل بخت کیسا تھا جو
کام وہ انگریزوں کے خلاف نہیں کر سکے تھے۔ وہ انہوں نے اس طرح کر ڈالا تھا اور
اپنا کام ختم کر لیا تھا۔ اصولی طور پر مجھے اپنے نام کا اعلان کر دینا چاہئے کہ میں کون
ہوں۔۔۔؟ کیا ہوں۔۔۔؟ لیکن کہانی لکھنے کی تیکنیک سے ناواقف ہونے کے باوجود

میں اس میں ایک اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ اضافہ یہ ہے کہ جیسے جیسے اس کہانی میں نئے نئے کردار شامل ہوتے جائیں ویسے میں آپ سے ان کا تعارف کراؤں۔ چونکہ ابھی میرا کردار شروع نہیں ہوا ہے اس لیے میں اپنے آپ کو پس پشت رکھتا ہوں چونکہ یہ داستان صدیوں کی داستانوں پر محیط ہے۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کہانی کو آگے بڑھنے کی تیکنیک کے ساتھ ساتھ آپ سے متعارف کراؤں۔ تو حیدر شاہ کے بعد تو ہم ان کے دو بیٹوں پر آتے ہیں۔ یعنی غلام شاہ اور صابر شاہ۔ میرے پردادا حیدر شاہ صاحب کے بس یہ دو ہی بیٹے تھے۔ دونوں شاہی مزاج کے مالک تھے۔ یعنی بڑی شاندار شخصیتیں رکھتے تھے۔ مگر دونوں کے مزاج بالکل مختلف تھے۔ غلام شاہ صاحب ذرا رنگین مزاج آدمی تھے۔ حیدر شاہ صاحب نے اپنی زندگی ہی میں ان دونوں کی شادیاں کر دی تھیں۔ لیکن غلام شاہ جیسا کہ میں نے کہا ذرا رنگین مزاج تھے۔ بیوی سے انہیں کوئی بہت زیادہ رغبت نہیں تھی حالانکہ ان کی بیگم نادرہ خاتون بڑی شاندار شخصیت کی مالک تھیں۔ خود بھی ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور بہت ہی نازک طبیعت کی مالک تھیں لیکن غلام شاہ صاحب کو کیسے سنبھالتیں جو نجانے کہاں کہاں اپنی ٹانگ پھنسائے ہوئے تھے۔۔۔؟ بڑی بڑی نامی گرامی طوائفیں ان کی دولت پر پل رہی تھیں۔ انہوں نے بے دریغ دولت لٹائی تھی۔ ان طوائفوں کو شاندار محل بنوا کر دیے تھے۔ دولت جس طرح جا سکتی تھی جا رہی تھی اور پھر حیدر شاہ صاحب کے انتقال کے بعد تو غلام شاہ کو روکنے والا کوئی نہ رہا۔ والدہ پہلے ہی مر چکی تھیں۔ غلام شاہ نے اپنے نام کا سکہ جمایا۔ کسی بھی طرف سے گزرتے تو لوگ کہتے دیکھو! غلام شاہ جا رہا ہے۔ بڑا رئیسوں کا رئیس ہے۔ فراخ دل اور شاہانہ مزاج کا مالک۔۔۔ لمحوں میں تقدیریں بدل دینے والا اور یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اگر۔۔۔ ایسا کوئی شخص مشہور ہو جائے تو اس کے گرد کتنے افراد پھیل جاتے ہیں۔ ان افراد میں رقابت چلتی ہے۔ اس شخص کو حاصل کر لینے کا تصور اس حد تک خوفناک ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی لینے والے کی جان کے لالے بھی پڑ جاتے ہیں۔ یہی کچھ ہو رہا تھا۔

آوارہ مزاج غلام شاہ اپنی رنگین مزاجیوں کی داستانوں میں کمال حاصل کر چکے

تھے کہ ان سے بھی زیادہ باکمال طوائف نے ایک دن ان کا تیا پانچا کر کے رکھ دیا یعنی یہ کہ غلام شاہ صاحب کو بڑی محبت کے ساتھ زہر دے دیا گیا اور وہ اپنا ہی کلیجہ اپنے منہ سے ٹکڑوں کی شکل میں تھوک تھوک کر اس دنیا سے رفوچکر ہو گئے۔ اپنے پیچھے وہ نادرہ بیگم اور ایک بیٹے کو چھوڑ گئے تھے۔ ایک بات کا خاص طور سے تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جب حیدر شاہ کا انتقال ہوا اور اس کے بعد سارے معاملات یعنی مصنوعی غم واندہ کے معاملات اصل میں مصنوعی کا یہ لفظ خاص طور سے میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ دولت محبت کی قاتل ہوتی ہے۔ اگر بے پناہ دولت درمیان میں ہو اور والدین صحیح وقت پر ان کی تقسیم کا انتظام نہ کر دیں تو بعد میں ان کی موت کے بعد بھی ان کی شامت آتی رہتی ہے۔ حیدر شاہ صاحب نے بھی ایک غلطی کی تھی۔ کہ اپنی بے پناہ دولت اپنی زندگی میں تقسیم نہیں کی تھی اور جب بھائیوں نے یہ دولت آپس میں تقسیم کی تو غلام شاہ صاحب نے بڑا بھائی ہونے کی حیثیت سے ذرا سخت مزاجی کا اظہار کیا۔ سنگل پور کی ساری زمینیں انہوں نے اپنے قبضے میں کر لیں اور یہ تاریخی حویلی بھلا وہ اسے کیوں چھوڑ دیتے۔۔۔؟ حالانکہ اس حویلی کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ خود غلام شاہ صاحب اس حویلی میں نہیں رہتے تھے لیکن سنگل پور میں ہمارا آبائی محل بھی تھا۔ غلام شاہ صاحب اس محل میں رہا کرتے تھے۔ ہم لوگ بھی یعنی ہم لوگ سے مراد ہمارے دادا صابری شاہ صاحب یہ بھی اسی محل میں رہا کرتے تھے لیکن بعد میں دونوں بھائیوں کی نہ بنی صابر شاہ صاحب ذرا مختلف مزاج کے انسان تھے۔ اپنے آپ کو بنانے کے شوقین چنانچہ غلام شاہ صاحب جسے طرح یہ سب کچھ اڑا رہے تھے۔ اس کے بعد صابر شاہ صاحب کیلئے یہ سارا معاملہ سنبھالنا بڑا مشکل ہو گیا اور نوبت بٹوارے تک آ گئی۔۔۔ بٹوارہ تو ہونا ہی تھا۔ بٹوارہ ہوا۔۔۔ صابر شاہ صاحب نے بڑے بھائی کا مان اس طرح رکھا تھا کہ جو کچھ انہوں نے مانگا وہ دے دیا۔ سنگل پور کی زمینیں۔۔۔ محل اور یہ حویلی' ساری چیزیں غلام شاہ صاحب کے قبضے میں آ گئیں۔ محل کو چھوڑ کر شاہ صاحب اپنی بیگم سلطانہ شاہ کے ساتھ شہر میں آ کر آباد ہو گئے۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ انہیں حصے میں سے کچھ نہ ملا ہو۔ خود چونکہ تین کے چار بنانا جانتے تھے اس لئے شہر میں انہوں نے آتے ہی اپنے کاروبار

پھیلا دیئے نتیجہ یہ ہوا۔۔۔ کہ دولت کی ریل پیل ہوتی چلی گئی اور سب ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔ ادھر غلام شاہ صاحب نے پہلے محل کو فروخت کیا۔ پھر زمینیں فروخت کیں اور آہستہ آہستہ اپنی دولت ختم کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سب کچھ ختم ہوگیا اور ساتھ ساتھ طوائف کی عنایتوں سے وہ خود بھی ختم ہو گئے۔ رہ گئیں۔۔۔ نادرہ بیگم تو یہ سارا مسئلہ ان کی ذات سے بھی گہرا تعلق رکھتا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ سلطانہ شاہ سے حسد کیا۔ جو صابر شاہ کی بیوی تھیں اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی گزار رہی تھیں۔ چنانچہ وہ بھی صابر شاہ کی طرف رجوع نہ ہوتیں بلکہ نفرت کرنے والوں میں اول حیثیت کی حامل رہیں۔ غلام شاہ کی موت کا صابر شاہ کو بے حد افسوس ہوا کچھ بھی تھا بھائی ہی تھے۔ نادرہ بیگم کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے۔

"بھابھی صاحبہ۔۔۔ آپ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھیں۔ آپ اور میرا بھتیجا میری سر آنکھوں پر ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ساری زندگی آپ کی خدمت کروں گا۔ بڑے بھائی کی بیوی ماں کی جگہ ہوتی ہے۔ آج تک نفرتوں کے جو پہاڑ کھڑے رہے آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں ان سب کو بھول چکا ہوں۔ میں آپ کی خدمت کر کے خوشی محسوس کروں گا۔"

"سنو صابر میاں۔۔۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے بھائی کی موت کے بعد میرا اس دنیا میں کوئی نہیں رہا تو بھول جاؤ اس بات کو میرے اپنے گھر کے بارے میں بھی تم جانتے ہو۔ میرے والدین ہیں۔۔۔ بہن بھائی ہیں۔ حیثیت ہے ہماری ہم لوگ بے حیثیت نہیں ہیں۔ میں ان کے پاس جاؤں گی اور عیش و آرام سے رہوں گی۔ نفرت کا جو پودا تم لوگوں نے ہمارے دلوں میں اگا دیا ہے۔ وہ درخت بن سکتا ہے مرجھا کر ختم نہیں ہو سکتا۔"

"بھابی صاحبہ۔۔۔ میں تو آپ کے سامنے سر جھکا رہا ہوں۔۔۔"

"اس میں بھی تمہاری کوئی چال ہو گی کیا چاہتے ہو۔۔۔؟ اب تو زمینیں بھی بک چکی ہیں۔ محل بھی بک چکا ہے۔ لے دے کر ایک وہی حویلی باقی رہ گئی ہے۔ کیا اسے ہتھیانے کے خواہش مند ہو۔۔۔؟"

"بھابی۔۔۔ میں تو آپ کو کچھ دینا چاہتا ہوں۔۔۔"

"بھول جاؤ صابر شاہ! اپنی دولت پر نہ اکڑو۔۔۔ ٹھیک ہے تمہارے عیاش بھائی نے سب کچھ ختم کر دیا لیکن میرے ماں باپ کے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ تم سے مجھے کچھ نہیں چاہئے۔۔۔"

"میں تو صرف اپنا فرض پورا کر رہا تھا۔ آپ جو کہہ رہی ہیں وہ سب مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔"

"ہم نے جو کچھ کہا تمہیں زندگی میں وہ کب اچھا لگا۔ تم تو ہمیشہ ہم سے اور اپنے بھائی سے سلگتے رہے۔"

صابر شاہ صاحب اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتے تھے چنانچہ واپس چلے آئے لیکن کچھ عرصے کے بعد انہوں نے سنا کہ۔۔۔ نادرہ بیگم حویلی نیلام کر رہی ہیں اور اس کے لئے مکمل انتظامات ہو چکے ہیں۔ محل چلا گیا تھا زمینیں چلی گئی تھیں۔ صابر شاہ کو کوئی دکھ نہیں ہوا تھا۔ یہ سب کچھ۔۔۔ بہرحال بھائی کی ملکیت تھا لیکن حویلی حیدر شاہ نے بنوائی تھی اور اس کا تعلق اس خاندان کی عظمتوں سے تھا۔ چنانچہ ایک بار پھر صابر شاہ نادرہ بیگم کی خدمت میں پہنچا اور دست بدستہ عرض کیا۔

"بھابی صاحبہ۔۔۔ سنا ہے آپ حویلی نیلام کر رہی ہیں۔"

"ٹھیک سنا ہے۔۔۔ کیوں۔۔۔؟ خیریت۔۔۔ کیا تمہیں اس پر اعتراض ہے۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ آپ نے اس کی جو قیمت مقرر کی ہو آپ مجھ سے لے لیجئے میں نہیں چاہتا کہ حویلی کے آگے بازار لگے۔ یہ حویلی حیدر شاہ کے نام سے منسوب ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ خریدنے والا اسے اپنے نام سے منسوب کرے۔"

"دیکھو میاں! یہ جذباتی باتیں اپنے تک ہی رہنے دو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حویلی نیلام ہو گی بازار لگے گا لوگوں کو پتا تو چلے کہ حیدر شاہ کے بیٹوں نے کس طرح حیدر شاہ کو نیلام کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ پھر وہی بات سامنے آ جاتی ہے یعنی بڑے بھائی کی حویلی بک رہی ہے اور چھوٹا بھائی خرید رہا ہے۔ میں بے شک غلام شاہ کیلئے دل میں بہت مشکلیں پیش رکھتی ہوں۔ چونکہ انہوں نے کبھی مجھے میرا حق نہیں دیا تھا لیکن میں جانتی ہوں کہ اگر حویلی تم نے خریدی تو غلام شاہ کی روح کو صدمہ ہو

گا۔ یہ حویلی نیلام ہو گی اور میں تمہیں نہیں دوں گی۔ صابر شاہ مایوس ہو کر چلا گیا تھا لیکن حویلی کو وہ کسی طور اپنے آپ سے نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک ترکیب سوچ لی بڑی آسان سی بات تھی۔ انہوں نے ایک شخص کو تیار کیا جو اس حویلی کو خریدنا چاہتا تھا۔ دولت صابر شاہ کی تھی اور صابر شاہ نے کہہ دیا تھا کہ حویلی ہاتھ سے نہیں نکلنی چاہئے۔ حویلی کے آگے نیلام گھر لگا۔ بڑی بڑی بولیاں دی گئیں۔ اصل میں بولیاں لگانے والے بچارے وہ لوگ تھے جو اس حویلی کی آسیبی حیثیت سے واقف نہیں تھے بلکہ سنگل پور کے حسین لوزامات اس کے ساتھ بہتے ہوئے دریا سنگل پور کے حسین نظارے تھے۔ ان تمام چیزوں نے انہیں محور کر دیا تھا لیکن وہ ایک شخص جو پراسرار حیثیت کا مالک تھا۔ حویلی کی قیمت پر بولی کے بعد بڑھا دیتا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ حویلی کی بولی اس کے نام چھوٹی اور اس نے یہ حویلی خرید لی۔ نادرہ بیگم بڑی گھاک تھیں۔ انہوں نے نگاہ رکھی کہ کہیں صابر شاہ نہ اس حویلی کو خرید لے لیکن جب حویلی کی بولی فیض علی کے نام چھوٹی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور بہت خوش ہوئیں کہ اب حویلی کا نام حیدر شاہ کے بجائے حویلی فیض ولی بن جائے گا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد انہوں نے ایک بری خبر سنی۔ خبر یہ تھی کہ۔۔۔ فیض علی نے وہ حویلی صابر شاہ کے ہاتھ فروخت کر دی اور صابر شاہ نے اسے دوبارہ خرید لیا اور کہا کہ اب حویلی کا نام حیدر شاہ ہی رہے گا۔ اس بدترین شکست پر نادرہ بیگم بہت تلملائی لیکن کیا کرتیں۔۔۔؟ اب حویلی سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ وہ ہاتھ پاؤں پیٹ کر خاموش ہو گئیں اور اس کے بعد انہوں نے سنگل پور چھوڑ دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہاں سے اس کہانی کا دوسرا پارٹ آدھا ختم ہو گیا ہے تو پھر کیوں نا تھوڑا سا انتظار کر کے آگے کے صفحے سے اس کہانی کا آغاز کیا جائے۔

○

پھر جناب اس کے بعد بات آتی ہے صابر شاہ صاحب پر۔ میں اتنی تعریفیں تو کر چکا ہوں صابر شاہ صاحب کی کہ بڑے نیک۔۔۔ فرمانبردار۔۔۔ اولی ظرف۔۔۔ بڑے صاحب عقل، دو کے چار اور چار کے آٹھ بنانے کے ماہر، لیکن ایمانداری کے ساتھ۔ بہت سی جائیدادوں اور کاروبار کے مالک۔ زمانے کے ساتھ چلنے والے، یہ خوبیاں تھیں ان کی۔ پتا نہیں کیوں انہیں اس حویلی سے بڑا لگاؤ سا ہو گیا تھا۔۔۔؟ باپ کی اس نشانی کو انہوں نے پوری طرح قائم رکھا تھا۔ بڑی باقاعدگی سے حویلی جایا کرتے تھے۔ خاص طور سے جمعرات کے دن۔ دوپہر سے ہی تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں اور جمعرات کی جمعرات وہ شہر سے اچھا خاصا فاصلہ طے کر کے حویلی تک جایا کرتے تھے۔ ہماری دادی صاحبہ یعنی سلطانہ شاہ نے کئی بار اس سلسلے میں اعتراف کیا تھا اور کہا تھا۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ نے زندگی کے ہر راز سے مجھے واقف رکھا ہے لیکن ایک بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟"

"حویلی حیدر شاہ صاحب میں آپ کے والد صاحب کی قبر تو نہیں ہے۔ لیکن جمعرات کی رات آپ حویلی حیدر شاہ میں کیوں گزارتے ہیں۔۔۔؟ یہ راز آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔"

"یہ کوئی میرا راز نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو آپ کو اس بات کا اندازہ تو ہے سلطانہ بیگم! کہ میں نے زندگی کا یہ راز آپ کو سونپ دیا ہے۔ اگر کوئی چھوٹی موٹی بات رہی ہے جو میں نے آپ کو نہیں بتائی تو آپ کو اتنا بھروسہ ضرور ہونا چاہئے کہ

آپ یہ سوچیں کہ اس بات کو نہ بتانے کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے——"

"بات اصل میں یہ ہے کہ جس دن سے میں آپ کے گھر میں آئی ہوں۔ آپ نے مجھے زندگی کا ہر اعتماد دیا ہے اور جب بھی میں کسی کے درمیان بیٹھی ہوں تو میں نے ہمیشہ یہ بات کہی ہے کہ میرا شوہر شاید واحد شوہر ہے۔ جس نے کبھی اپنی کوئی بات مجھ سے نہیں چھپائی۔ بڑا مان کرتی ہوں بڑا اعتماد کرتی ہوں میں آپ پر لیکن جب بھی اس بارے میں سوچتی ہوں تو ایک عجیب سی شرمندگی کا احساس ہو جاتا ہے۔ آخر کار ایسی کون سی بات ہے——؟ جو آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں——"

"دیکھو! خود کہہ چکی ہو کہ میں تمہارے حق میں برا انسان نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں زندگی کا ہر راز دیا ہے۔ اب اگر کوئی بات ایسی رہ جاتی ہے تو تم اسے میری کوئی مجبوری بھی سمجھ سکتی ہو——"

"میں آپ کی اس مجبوری میں شریک ہونا چاہتی ہوں——"

"اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ اس بات کو نہ مانیں لیکن آپ بھی یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہو گا۔ یہ بہت بڑی مجبوری ہے جس کے بارے میں نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔" سلطانہ صاحبہ خاموش ہو گئیں اور صابر شاہ نے ان کی خاموشی کو محسوس کیا اور محبت بھرے انداز میں بولے۔

"سلطانہ—— دیکھو ہر جمعرات کو میں وہاں جاتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرا وہاں جانا کچھ روحانیات سے تعلق رکھتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے سے کام کرتا ہوں۔ اصل میں اس حویلی سے ایسے پراسرار واقعات منسوب ہیں کہ میں ان کی تحقیق کر رہا ہوں کہ آخر وہ واقعات کیا نوعیت رکھتے ہیں——؟ اگر مجھے پتا چل جائے کہ اس حویلی کی اصل نوعیت کیا ہے——؟ تو تم یہ سمجھ لو کہ میں ان کا سارا انکشاف کر سکتا ہوں۔ سلطانہ تمہارے دل میں اور کوئی خیال تو نہیں ہے——"

"اور کوئی خیال سے آپ کی کیا مراد ہے——؟"

"کہیں تم یہ تو نہیں سمجھتیں کہ میں وہاں جا کر رقص و سرور کی محفلیں جماتا ہوں۔ یا وہاں عیاشی کرنے جاتا ہوں کوئی ایسی بات تو تمہارے دل میں نہیں ہے۔ اگر

تم چاہو تو اس سلسلے میں تحقیقات کرا لو" اور سلطانہ صاحبہ مسکرا دیں اور پھر بولی۔

"نہیں—— ایسی باتیں تو آپ نہ کریں۔ مجھے آپ کے کردار پر مکمل اعتماد ہے۔ بھلا ایسی احمقانہ بات میں سوچ سکتی ہوں۔ بالکل نہیں—— بالکل نہیں۔ آپ بھول کر بھی یہ تصور نہ کیجئے گا کہ میں بھلا کوئی ایسی بات سوچ سکتی ہوں۔ آپ نے تو مجھے شرمندہ کر دیا۔"

"نہیں سلطانہ—— کبھی سوچنا بھی نہیں۔ تم یقین کرو زندگی کے لاتعداد مسائل میں گھرے ہونے کے باوجود جمعرات کے دن جب میں اس حویلی میں جاتا ہوں اور ایک مخصوص جگہ بیٹھ جاتا ہوں تو مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔ اس آسیب زدہ حویلی کو سب لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سنگل پور کے لوگ اس حویلی کے راستے سے گزرتے ہی نہیں ہیں۔ میں تنہا اس حویلی میں جاتا ہوں اور وہاں بیٹھ کر کچھ کام کرتا ہوں برائے کرم کام کی نوعیت کے بارے میں نہ پوچھنا۔"

"ٹھیک ہے—— ٹھیک ہے—— لیکن ایک بات آپ سے ضرور کہنا چاہتی ہوں——"

"ہاں کہو——"

"آپ نے مجھے تمام حالات بتا کر خوفزدہ کر دیا ہے۔ میں آپ کی زندگی چاہتی ہوں——"

"مطلب——"

"ایسی خوفناک حویلی میں جسے آپ خود اتنا خوفناک کہتے ہیں۔ آپ تنہا جاتے ہیں اور وہ جگہ جسے سنگل پور والے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہاں آپ کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔"

"تو پھر——"

"خدا نخواستہ! کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے——؟"

"اب جو کچھ میں کہوں گا اسے سن کر تم ہنسو گی——"

"نہیں—— نہیں—— یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر میں تمہیں بتاؤں کہ حیدر شاہ کی روح اس حویلی میں منڈلاتی رہتی ہے۔ میں نے بار بار اس حویلی میں ان کی آوازیں سنیں ہیں۔ عجیب و غریب خوشبوئیں محسوس کی ہیں۔ مجھے ایسا لگا ہے کہ جیسے کوئی میرے پاس آتا ہو۔ میرے قریب کھڑا رہتا ہو۔ میری حفاظت کرتا ہو اور اس وقت میرے اردگرد خوشبوؤں کا بسیرا رہتا ہے۔ اصل میں سلطانہ میرا ایک روحانی رابطہ ہو گیا ہے اس حویلی سے اور میں اسی چکر میں وہاں جاتا ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے سلطانہ! جیسے وہاں کوئی خفیہ جنگ ہو رہی ہو۔"

"خفیہ جنگ---" سلطانہ شاہ نے وحشت سے منہ کھول کر کہا۔

"ہاں--- یقین کرو بھینچی بھینچی چیخوں کی آوازیں--- چیزیں گرنے کی آوازیں--- اس کے علاوہ ایسی کربناک آوازیں کوئی کہتا ہے دروازہ کھولو--- کوئی کچھ کہتا ہے--- کوئی کچھ کہتا ہے۔ پھر دوڑتے قدموں کی آوازیں اور فتح مندی کے قہقہے۔ ایسی آوازیں اللہ میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں۔"

"اور آپ کو ان سے ڈر نہیں لگتا---"

"یقین کرو نہیں لگتا---"

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

"اس کی وجہ ہے---"

"کیا وجہ ہے---؟"

"میں نے کہا نا مجھے لگتا ہے جیسے میرے باپ کی روح ہزار آنکھوں سے میری نگرانی کرتی ہو فتح مندی کے وہ قہقہے میں نے اپنے بچپن میں اپنے باپ کے حلق سے آزاد ہوتے ہوئے سنے ہیں---"

"آپ کا مطلب ہے کہ--- ابا جان۔"

"ہاں سلطانہ--- بس روح کا ہی تعلق مجھے اس حویلی تک لے جاتا ہے۔ تم نے ساری باتیں ایک ایک کر کے معلوم کر ہی لیں لیکن کوئی حرج نہیں ہے۔ میں خود ہی تمہیں سب کچھ بتا دیتا لیکن بتانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ البتہ ان ساری باتوں کے ساتھ تم ایک بات ذہن میں رکھنا کبھی مجھ سے جانے کیلئے نہ کہنا میرا مطلب--- یہ نہ

کہنا--- کہ تم بھی میرے ساتھ اس حویلی چلو گی---"

"باپ رے باپ--- اب تو آپ کہیں گے بھی تو میں وہاں جانے کیلئے تیار نہیں ہوں گی۔" سلطانہ نے کہا۔ پھر شوہر کو گھورتی ہوئی بولی۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ نے مجھے ڈرانے کیلئے یہ ساری کہانی سنائی ہو---"

"اور وہاں میں زلیخا بائی کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہوں۔"

"نہیں صابر--- اس کے علاوہ جو بھی بات کہیں میں یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں---"

"سلطانہ--- اس دنیا میں بڑے بڑے چالاک لوگ موجود ہیں۔ بیویوں پر یہ رعب ڈال دیتے ہیں کہ بڑے پاکباز اور پارسا ہیں اور دنیا کا کوئی برا کام کبھی نہیں کر سکتے۔ یہی تو ان کی کامیابی ہوتی ہے کہ بیویاں آسانی سے شیشے میں اتر آتی ہیں جبکہ وہ اپنے کردار کا دوسرا ہی روپ ہوتے ہیں---"

"آپ خود ہی اپنے بارے میں مجھے شبہات دلا رہے ہیں۔"

"شبہ کرو نا مجھ پر اور تحقیقات کراؤ میرے بارے میں۔"

"بالکل نہیں جناب--- بالکل نہیں--- آپ تو میری جان کے پیچھے ہی پڑ گئے۔ جایئے بابا جایئے--- خدا کے واسطے جایئے۔ آرام کے ساتھ تو جایئے میں بھلا کیوں منہ کروں گی---؟"

تو جناب یہ کہانی تھی اصل میں بات وہی ہے۔ اسی کہانی کو چار لائنوں میں تو ختم کیا جا سکتا ہے کہ اسے دیکھا اسے چاہا--- اسے بھول گئے--- یہ تو چار لائنیں بھی نہ ہوتیں اور افسانہ ختم ہو گیا۔ تو ہم اب صابر شاہ سے تھوڑا سا اور نیچے آتے ہیں۔ یعنی صابر شاہ صاحب کا کردار ایک پراسرار شخصیت کا حامل تھا۔ بیچارے غلام شاہ صاحب تو کہانی سے نکل ہی گئے تھے۔ حیدر علی شاہ صاحب بھی چل پڑے تھے۔ نادرہ بیگم کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔ اب بات صابر شاہ اور سلطانہ شاہ کی تھی۔ یعنی صابر شاہ اسی حویلی میں ہر جمعرات کو جا کر ایک پراسرار رات گزارتے تھے۔ اس رات

کی کہانی کیا ہے---؟ آپ لوگ یقین کیجئے کبھی منظر عام پر نہیں آ سکی۔ ہاں---
آگے کی کہانی سے اگر آپ خود اس کہانی کا کوئی رابطہ قائم کر سکتے ہیں تو کم از کم مجھے
اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ بلکہ ایسا کریں کہ اگر کوئی رابطہ قائم کر سکتے ہیں تو
مجھے بھی لکھ بھیجیں۔ تاکہ میں ان واقعات کو سمجھ لوں۔ کیا میں آپ سے کچھ زیادہ
فری نہیں ہو رہا---؟ ہاں ایک بات اور میں اس بات کو یعنی واقعات کو کہانی---
کہانی--- کہانی کہہ رہا ہوں اصل میں اس کے علاوہ اور کوئی لفظ ہے ہی نہیں---
اردو میں--- یعنی ہم اپنی داستان سنانے بیٹھتے ہیں تو اسے تین چار نام ہی دے سکتے
ہیں۔ مثلاً سچی آپ بیتی--- اپنی داستان یا اپنی کہانی۔ چنانچہ میں سادہ سا لفظ اس سلسلے
میں استعمال کر رہا ہوں لیکن اپ اسے کہانی نہ سمجھیں۔ یہ ایک ایسی ٹھوس حیقیقت
ہے کہ اگر آپ کبھی مجھ سے رابطہ قائم کریں۔ تو میں اس کے اتنے واضح ثبوت آپ
کو دے سکتا ہوں کہ پھر آپ اس کی تردید نہیں کر پائیں گے۔ بلکہ آپ یوں سمجھ لیجئے
کہ آپ کے بستر میں آپ کے تکیئے کے نیچے یا پھر آپ کی فائلوں کی الماری میں--- یا
پھر اس سے بھی زیادہ اگر آپ نے بات چیت کی تو آپ کی جیب میں سے نمودار ہو
سکتی ہے اور آپ--- لیکن نہیں--- ابھی نہیں--- اشارے تو دے دیئے ہیں میں
نے آپ کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں کس کی بات کر رہا ہوں---؟ ورنہ اس داستان کا
سسپنس ختم ہو جائے گا۔ چلتے ہیں صابر شاہ کی طرف بلکہ نہیں--- دو سیڑھیاں اتر
چکے ہیں۔ اب تیسری سیڑھی تک بھی آ جائیے۔ ورنہ آپ کہیں گے کہ کہانی کو خوامخوہ
طوالت دے رہا ہے یہ شخص یعنی میں--- فیروز شاہ--- سمجھ رہے ہیں نا آپ---
سوری--- اپنے ہی کہے ہوئے سے پیچھے ہٹ گیا اور وقت سے پہلے ہی آپ کو اپنا نام
بتا دیا۔ نہیں جناب--- فیروز شاہ سے پہلے آپ کو جانا پڑے گا۔ حیات علی شاہ
صاحب کے بارے میں اور حیات علی صاحب کو جانتے ہیں آپ--- کون تھے---؟
میرے والد' صابر شاہ صاحب نے زندگی میں بہت سے کام کئے اپنے باپ کی چھوڑی
ہوئی دولت کو بہت بڑھا دیا۔ بڑے بھائی کو حصہ دینے کے باوجود' لیکن شہدوں کے
جوڑوں کی طرح اس جوڑے نے بھی ایک نر پیدا کیا یعنی حیات علی شاہ بھی جو ان کی

حیات کا صرف آخر اور حرف اول تھا۔ یعنی ایک ہی بیٹا اور یہ حیات علی شاہ صاحب
میرے والد تھے۔ اب ان کے' کردار کی کہانی کیا سناؤں---؟ بس یوں سمجھ لیجئے کہ
انہوں نے زندگی بہت ہی معتدل گزاری۔ البتہ ان کی ذات کے ساتھ بھی ایک چھوٹی
سی کہانی وابستہ تھی۔ سلطانہ شاہ کا پہلے انتقال ہوا اور اس کے بعد حیات علی شاہ
صاحب کی شادی کر دی گئی اور حیات علی شاہ نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے سے
انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کے ہاں خاندان بڑھنا شروع ہوا۔ ہم چار بھائی اور دو بہنیں
اس دنیا میں آئے۔ یعنی حیات صاحب نے اس دنیا میں آدھے درجن افراد کا اضافہ کر
دیا اور باپ کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ حیات علی شاہ
صاحب نے اپنے والد بزرگوار--- یعنی صابر شاہ صاحب کیساتھ اور کچھ کیا ہو یا نہ کیا
ہو---؟ لیکن جمعراتوں کے پروگرام دونوں باپ بیٹوں کے ساتھ ساتھ ہوا کرتے تھے
اور صابر علی شاہ صاحب حیات علی کو بھی حویلی لے جایا کرتے تھے۔ اب سلطانہ بیگم تو
تھیں نہیں اس دنیا میں کہ بیٹے کو بتاتی کہ ابا جان وہاں کیا چکر چلائے ہوئے
ہیں---؟ لیکن شاید صابر شاہ نے اپنے بیٹے کو بھی منع کر دیا تھا کہ وہ کسی کو اس
بارے میں نہ بتائے۔ حیات علی شاہ صاحب بہت مختلف مزاج کے انسان تھے۔ صابر
شاہ صاحب کی موت واقع ہوئی تو حیات علی شاہ صاحب تقریباً" ایک ماہ تک اس حویلی
میں مقیم رہے۔ صابر شاہ صاحب کی تدفین تو یہیں شہر کے قبرستان میں ہوئی تھی لیکن
تدفین کے کچھ عرصے کے بعد حیات علی صاحب والدہ صاحب سے یہ کہہ کر چلے گئے
تھے کہ کچھ دن حویلی میں ہی گزاریں گے۔ نہ کسی کو اس طرف بھیجا جائے نہ ہم میں
سے کوئی وہاں جانے کی کوشش کرے۔ بہرحال--- میری والدہ صاحبہ بڑی شوہر پرست
خاتون تھیں۔ ایک نیک اور ایماندار خاندان کی فرد۔ ان کا تعلق کسی رئیس یا ابن
رئیس سے نہیں تھا بلکہ ادنی درجے خدمت گزار خاندان کی خاتون تھیں۔ ریحانہ بیگم
تھا ان کا نام' چنانچہ ریحانہ بیگم نے شوہر کی بات پر کوئی حیرت کی نہ اعتراض کیا---
نہ سوال--- اس طرح حیات علی صاحب کا بھی کوئی نہ کوئی تعلق اس پراسرار حیدر
شاہ حویلی سے ہو گیا تھا۔ اب ضروری ہے کہ میں اپنے بھائیوں کے بارے میں بھی

تفصیلات بتا دوں۔ سب سے بڑے بھائی جمال شاہ تھے۔ اس کے بعد علی شاہ پھر دونوں
بہنیں۔ ندیہ اور ثمینہ تھیں۔ پھر حسین شاہ--- والدین کی آخری کوشش میں تھا یعنی
فیروز شاہ اس کے بعد شاید قدرت کو اس خاندان پر رحم آ گیا تھا۔ ہم چھ بہن بھائیوں
کے سوا کوئی نہ رہا۔ جمال شاہ بہت ہی عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے والد
کے شانہ بشانہ سارا کاروبار سنبھال لیا اور بی۔ اے کرنے کے بعد پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا۔
بہنوں نے شاید میٹرک ہی کیا تھا کہ ایک ہی گھر سے دو اپنے رشتے ان لوگوں کیلئے آ
گئے۔ حیات علی شاہ صاحب اور ریحانہ بیگم نے فوری فیصلہ کیا اور دونوں بہنیں سسرال
کو پیاری ہو گئیں اس طرح حیات علی صاحب کے شانوں سے بیٹیوں کا بوجھ ہٹ گیا۔
جمال شاہ صاحب--- ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ ہمارے باپ
ہی کی طرح ہم سے شفقت رکھتے تھے۔ بڑے بھائی کی عمر میں حالانکہ بہت زیادہ فرق
نہیں تھا لیکن ان کا انداز ایسا شفقانہ تھا کہ بس--- ہم سب بھی ان پر جان دیتے
تھے۔ بیٹیوں کی شادی انہوں نے چھوٹی سی عمر میں ہونے کے باوجود اس عمدگی سے کی
تھی کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے تھے اور انہوں نے حیات علی شاہ صاحب کو
مبارکباد دی تھی کہ اتنا علی ظرف اور نیک بیٹا پایا ہے انہوں نے۔ ہمارا ابھی کوئی
کردار نہیں شروع ہوا تھا۔ والد صاحب کا جہاں تک معاملہ تھا ان میں کچھ درویشت
سی پیدا ہوتی جا رہی تھی لیکن بہرحال وقت گزر رہا تھا۔ پھر زندگی میں ایک بہت ہی
ہولناک تبدیلی آئی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی والد صاحب بیمار ہو گئے تھے ان
کے دونوں پیروں میں ایک عجیب سی گلاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ ٹخنوں کے پاس سے کالے
نشان بنے اور پھر یہ کالے نشان بڑھتے ہی چلے گئے۔ انہوں نے پنڈلیوں کو ڈھکا اور
اس کے بعد گھٹنوں تک پہنچ گئے والد صاحب کو چلنے پھرنے کی معذوری ہو گئی تھی۔
چنانچہ وہ گوشہ نشین ہو گئے لیکن ایک بار وہ جمال شاہ صاحب کے ساتھ حویلی گئے تھے
اور وہاں سے ایک صندوق لے آئے تھے۔ یہ لکڑی کا ایک قدیم ساخت کا بنا ہوا
صندوق تھا۔ جس پر چاندی کی پتریاں جڑی ہوئی تھیں اور دلچسپ بات یہ تھی کہ
چاندی ہی کا بنا ہو ایک بڑا وزنی تالا اس صندوق کے کنڈے میں پڑا ہوا تھا۔ یہ

صندوق انہوں نے اپنا سرمایہ حیات بنا کر ایک گوشے میں رکھ لیا تھا۔ ہمیشہ ہی الگ
کمرے میں سونے کے عادی تھے اور یہ کمرہ ہماری رہائش گاہ کے دور دراز حصے میں
تھا۔ راتوں کو جاگتے رہا کرتے تھے کہ ایک بار میں نے خود انہیں اپنی رہائش گاہ کے
بیرونی حصے میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے دیکھا تھا۔ پتا نہیں کیا بے چینی تھی
انہیں---؟ ایک دو بار ہم سارے بھائیوں نے اور بہنوں نے جو سسرال سے آئی
ہوئیں تھیں مل کر والدہ صاحب سے پوچھا کہ ہمیں ہر طرف کی فراغت حاصل ہے۔
پھر یہ بے چینی کیا ہے---؟ ابو اس طرح سے پریشان کیوں رہتے ہیں---؟ کاروبار
بھی ٹھیک چل رہا ہے۔ اس کی سند جمال شاہ صاحب نے پیش کی تھی اور انہوں نے
کہا تھا۔

"امی جان--- آپ یقین کیجئے سارے حسابات میں تیار رکھتا ہوں۔ اکاؤنٹینٹ
کو میں نے بالکل سیٹ کر کے رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زبردست
بنک بیلنس ہے ہمارا بہنیں بھی خوش ہیں۔ ہم لوگ بھی تندرست ہیں۔ پھر آخر---
ابو کو ایسی کیا پریشانی ہے---؟"

"پتا نہیں بیٹے--- میں خود نہیں جانتی۔ البتہ ایک بات میرے ذہن میں آتی
ہے۔ وہ ہو سکتی ہے بس--- اور کوئی بات نہیں ہو سکتی---"

"کیا--- امی جان---" جمال شاہ نے پوچھا ہم سب بھی امی جان کا چہرہ دیکھنے
لگے تھے۔ امی جانے نے پراسرار انداز میں کہا۔

"حویلی حیدر شاہ کے بارے میں تو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو---"

"ہاں--- کیوں نہیں--- ہماری خاندانی حویلی ہے۔ حالانکہ جس پر فضا مقام
پر وہ واقع ہے۔ لوگ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ سنگل پور جیسا حسین علاقہ دور دور تک
نہیں ہے۔ بلکہ امی میرے تو کئی دوست اس بات کی فرمائش کر چکے ہیں کہ حویلی حیدر
شاہ جیسی قدیم حویلی میں ہم انہیں لیکر جائیں اور وہاں کی سیر کرائیں لیکن جو ذمہ
داریاں ہمارے شانوں پر ڈال دی گئیں ہیں اور جس طرح ہمیں اس کے بارے میں
منع کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اپنے دوستوں کو حقیقت بتاتے ہوئے بڑی شرم محسوس ہوتی

ہے۔" علی شاہ نے کہا۔

"بیوقوفی کی بات کر رہے ہو تم۔ بزرگ جس بات سے منع کر دیں۔ علی شاہ—— اس پر شرمندگی کی تو کوئی بات نہیں ہوتی۔ بزرگ بہرحال—— بزرگ ہوتے ہیں۔" جمال شاہ نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"نہیں بھائی جان! وہ تو بس میں ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ میرا مقصد یہ نہیں تھا۔"

"پھر بھی—— کبھی ابا جان سے پوچھ لیں گے۔ اگر ابا جان نے اجازت دے دی تو تم وہاں چلے جانا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ایسا کریں گے علی شاہ—— ایک بار میں اور تم دونوں وہاں جائیں گے اور جا کر دیکھیں گے کہ کیا صورت حال ہے——؟ اگر کوئی دقت نہ محسوس ہوئی تو پھر ہم ایک باقاعدہ پروگرام بنائیں گے اور اپنے دوستوں کے گروپ کو لیکر حویلی چلیں گے۔"

"لیکن اس شرط پر جب ابا جان اس کی اجازت دے دیں۔" جمال شاہ نے کہا پھر ماں سے بولا۔

"جی امی—— آپ نے بتایا نہیں کہ وہ کیا بات تھی——؟"

"بیٹے—— بات میں خود بھی نہیں جانتی—— بس یوں سمجھ لو تمہارے ابو—— تمہارے دادا جان صابر شاہ کے ساتھ اس حویلی میں بڑی باقاعدگی سے جایا کرتے تھے لیکن مجھے، کبھی پتا نہیں چل سکا کہ وہ وہاں کیوں جاتے ہیں——؟ پھر جب وہ میرا مطلب ہے—— صابر شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا تب بھی تمہارے ابو وہاں گئے اور ایک مہینے تک وہاں رہے۔ اس کے بعد تو یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ وہ بڑی باقاعدگی سے وہاں جاتے رہے ہیں لیکن—— ان کے پیروں میں تکلیف ہو گئی ہے کہ وہ لمبا سفر نہیں طے کر سکتے بلکہ جب تھوڑا بہت بھی چلتے ہیں تو شاید ان کی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے اب وہ وہاں نہیں جاتے۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ شاید اس کی وجہ سے وہ بے چین رہتے ہوں۔"

"لیکن امی —— پتا تو چلے کہ آخر ایسا کیوں ہے——؟ بات یہ ہے کہ ہم اپنے باپ سے زیادہ فاصلہ تو نہیں رکھتے ابو ایک بہت اچھے باپ ہیں۔ انہوں نے کبھی ہمیں

کسی سلسلے میں مایوس نہیں کیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ان سے بات کریں تو شاید وہ ہمیں بتا دیں۔"

"تم سے وہ بہت زیادہ محبت کرتے ہیں جمال شاہ—— اگر تم چاہو تو تم بات کر لو ان سے۔"

"نہیں—— مجھ سے ہی کیا ہمارے ابو تو سب سے محبت کرتے ہیں۔ ہم ان سے بات کریں گے۔" جمال شاہ نے کہا اور پھر ہم سب ہی ایک دن ابو کے کمرے میں پہنچ گئے تھے۔ ویسے تو اکثر ہم ان کے پاس جاتے رہتے تھے لیکن اس وقت شاید ہمارے چہروں پر کوئی خاص تاثر تھا۔ چھٹی کا دن تھا۔ ابو اپنے کمرے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر مسکراتے دیکھتے رہے—— پھر بولے۔

"بھئی—— تم لوگوں کے چہروں کے تاثرات بتاتے ہیں کہ آج کوئی خاص ہی معاملہ ہے آؤ—— آؤ—— بیٹھو۔" ہم سب بیٹھ گئے۔ ہمارے پیچھے پیچھے امی بھی آ گئی تھیں۔ جمال شاہ نے کہا۔

"ابو—— معاملہ واقعی بہت ہی اہمیت کا حامل ہے——"

"ہاں—— بولو—— بولو—— کیا بات ہے——؟"

"ابو—— ہم آپ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"ویری گڈ—— ریحانہ—— یہ تمہارے بیٹے مجھ سے میرے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں یعنی مجھے کیوں تکلیف دے رہو تم لوگ——؟ میرے بارے میں اگر ساری ہی تفصیل جاننا چاہتے ہو تو اپنی امی سے بات کرو کیا سمجھے—— ان سے زیادہ میرے بارے میں تمہیں اور کون بتا سکے گا۔"

"ہم نے امی سے بات کی تھی ابو۔"

"اچھا—— پھر۔"

"معاملہ ایسا ہے کہ وہ بات ہمیں امی بھی نہیں بتا سکیں۔"

"کیوں ریحانہ—— سچ کہہ رہے ہیں یہ——"

"جی——"

"ارے--- آج تو تم بھی مجھے میرے خلاف نظر آ رہی ہو۔"

"خدا نہ کرے--- زندگی میں کبھی آپ کی مخالفت کا تصور بھی میرے دل میں آئے۔ بات مخالفت کی ہے ہی نہیں۔"

"اچھا--- اچھا--- چلو خیر ٹھیک ہے اچھا بچو! ہم آپ کی عدالت میں حاضر ہیں جو پوچھنا چاہتے ہیں بے دھڑک پوچھیئے۔"

"ابو--- ان دنوں آپ راتوں کو جاگتے ہیں۔" جمال شاہ نے کہا۔

"ہاں بیٹے۔"

"کیوں؟"

"بیٹے! ان دنوں آپ نے دیکھ لیا ہو گا۔ ورنہ راتوں کو جاگنے کی عادت تو ہمیں شادی سے پہلے سے ہی ہے۔ ابا حضور یعنی صابر شاہ صاحب بھی راتوں کو جاگنے کے عادی تھے۔ ہم لوگ صحیح معنوں میں عبادت گزار نہیں ہیں اور پھر مذہب کے معاملے میں تو جھوٹ بولنا بد ترین گناہ ہے۔ یہ بالکل نہیں کہا جائے گا کہ میں تہجد کیلئے جاگتا ہوں لیکن بہر حال--- میں جاگتا ہوں یہ سچائی ہے۔"

"وجہ۔"

"یعنی--- اسے ایک عادت سمجھ لو--- مجھے عادت پڑ گئی ہے۔"

"ابو--- جواب تو آپ وضاحت سے نہیں بتانا چاہتے۔ یا کھل کر بتانے میں کوئی مجبوری ہوتی ہے تو آپ کی بائیں آنکھ پھڑکنے لگتی ہے اور اس وقت بھی آپ کی بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔"

"بھئی--- کیا بدمعاشی ہے یہ---؟ ریحانہ بیگم--- آپ اپنے بچوں کو اچھی طرح سمجھا بوجھا کر اور پڑھا کر لائی ہیں۔ کیا واقعی میری بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے---؟" ابو نے کہا اور ہم سب ہنس پڑے جمال شاہ خوب زور زور سے ہنس رہے تھے۔ ابو نے کہا۔

"ہنس کیوں رہے ہو---؟"

"اس لئے ابو کہ آپ آنکھ پھڑکنے کے حوالے سے ایک دم گھبرا گئے حالانکہ

آپ کی آنکھ کبھی نہیں پھڑکتی اور نہ اس وقت پھڑک رہی ہے۔ ابو بھی ہمارے ساتھ خوب ہنسنے تھے۔" انہوں نے کہا۔

"بات بڑی بد معاشی اور چالاکی کی ہے۔ لیکن میں اس لئے خوش ہوں کہ میرا بیٹا چالاک ہے اور وہ دنیا کے جال میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ یہ چالاکی ہی کا دور ہے۔ جو بیوقوف ہے وہ کچھ نہیں ہے۔ تو بات یہ ہو رہی تھی کہ تم واقعی یقین کرو کہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ بس کوئی ایسے چھوٹے موٹے معاملات ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً" یہ کہ کچھ وظیفے وغیرہ پڑھتا رہتا ہوں اور کچھ اور ایسی باتیں جو میرے والد صاحب مجھے بتا گئے تھے۔"

"ابو--- حویلی کا کیا معاملہ ہے---؟"

"حویلی--- میں جانتا تھا کہ تم مجھ سے اس کے بارے میں ضرور بات کرو گے۔ اصل میں وہ حویلی بڑی پراسرار واقعوں کی حامل ہے۔ سنگل پور میں بہت سی معلومات حاصل ہوئی ہیں مجھے۔ یہ بھی پتا چلا ہے کہ دادا حضور یعنی حیدر شاہ صاحب نے وہ حویلی ایک ایسی زمین پر بنوائی تھی۔ جو درحقیقت سرکاری زمین نہیں تھی۔ سنگل پور کے لوگوں وہاں اپنے مردے جلایا کرتے تھے۔ ایک طرح سے تم یہ سمجھ لو کہ دریائے سنگل کے کنارے وہ شمشان گھاٹ تھا۔ دریائے سنگل آگے جا کر دریائے گنگا سے مل جاتا ہے۔ ہندو اپنے مردے جلا کر ان کی راکھ اس دریا میں بہا دیا کرتے تھے اور یہ راکھ ہڈیوں میں بھری ہوئی بہتی گنگا میں چلی جاتی تھی۔ ایک طرح سے تم یہ سمجھ لو کہ وہ جگہ ہندوؤں کا ایک مقدس مقام تھی۔ جہاں سے وہ اپنے مردوں کو دریائے گنگا تک پہنچاتے تھے۔"

"تو پھر۔"

"یہ بات تو تمہیں معلوم ہے کہ دادا حضور یعنی حیدر شاہ صاحب کی زمینیں پورے سنگل پور میں پھیلی ہوتی تھیں اور وہاں کیا ہندو اور کیا مسلمان بھی دادا جان کی جوتیاں اٹھایا کرتے تھے۔ ویسے بھی دادا کو انگریزوں کے دور میں بھی اور بہادر شاہ ظفر کے دور میں بھی بہت بڑا مرتبہ حاصل رہا ہے۔ انگریزوں کو تو خیر اپنوں نے

بیوقوف بنایا تھا لیکن یہ ساری زمینیں ان کی اپنی ملکیت تھیں۔ بڑے بہادر جنگجو آدمی
تھے۔ کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ شمشان گھاٹ پر حویلی نہ بنانے کی بات ہو۔ کسی طرح
تنازعہ بنانے کی کوشش نہ کریں۔ ہندو جانتے تھے کہ دادا جان ان کے بال بچوں تک کو
کاٹ کر دریا میں بہا دیں گے۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گئے اور یہ حویلی تعمیر ہو گئی۔ حویلی
بے شک تعمیر ہوئی لیکن شاید تم لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہو کہ دادا جان یا ان کے
خاندان نے ایک دن بھی اس حویلی میں قیام نہیں کیا۔ وہ حویلی تو کسی خاص مقصد کے
تحت ہی بنائی گئی تھی اور وہ خاص مقصد آج تک پوشیدہ ہے۔ نہ میرے والد صاحب
کی سمجھ میں آیا اور نہ میری سمجھ میں۔ حویلی آسیب زدہ مشہور ہے اور یہ ایک سچائی
ہے کہ وہاں ایک عجیب و غریب حالات محسوس ہوتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے بزرگوں
کا بھی اس حویلی سے اتنا ہی گہرا تعلق تھا اور ایک طرح سے اگر تم لوگ یہ سمجھ لو کہ
حویلی کی حفاظت کیلئے ہمارے سارے بزرگ ہمیں ہدایت کرتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں
کہ اس سے زیادہ فاصلے پر نہ رہیں تو اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے۔ ایسا ہی ہوتا
ہے اور اب جب وہاں سے میرا رابطہ ٹوٹ گیا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے اس کا
احساس ہوتا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ تھوڑی سی بے چینی اس بنیاد پر بھی ہے۔۔۔۔"

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ ابو، حویلی میں انسان اور روحوں کے درمیان جنگ
ہے اور یہ جنگ پشت در پشت منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔" حسین شاہ نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے۔۔۔ تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔"

سوال حسین شاہ نے ہی کیا تھا اور والد صاحب اسے دیکھ کر کسی خیال میں
ڈوب گئے تھے۔۔۔ پھر انہوں نے کہا۔

"یہ سمجھ لو کہ میں ایک مجرمانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتا رہا ہوں اب تک۔" والد
صاحب یہ الفاظ ادا کر کے خاصے متفکر نظر آنے لگے تھے۔"

"مجرمانہ ذہنیت۔۔۔"

"ہاں۔۔۔"

"اب جب آپ ہمیں سب کچھ بتانے پر تل گئے ہیں تو آج ساری باتیں بتا

دیجئے۔"

"بیٹے۔۔۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے بڑے اچھے الفاظ میں یہ بات کی
ہے، کہ وہاں روحوں اور انسانوں کے درمیان ایک جھگڑا چل رہا ہے۔ لیکن
افسوس۔۔۔ یہ روحیں۔۔۔ گندی روحیں ہیں، خبیث روحیں جو چالاک بھی ہیں، مکار
بھی، انسانوں کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہیں اور میں جس مجرمانہ ذہنیت کی بات کر رہا ہوں
وہ یہ ہے کہ میں اس کشمکش کا شکار ہوں کہ تم لوگوں کو وہاں جانے دوں یا نہیں، بس
یہ پریشانی ہے، بات سمجھ رہے ہو میری، ابھی تم نے کہا نا کہ یہ معاملہ پشت در پشت
منتقل ہوتا جا رہا ہے یعنی حیدر شاہ نے اپنے بیٹے صابر شاہ کو اس کے لئے متعین کیا
اور صابر شاہ نے حیات شاہ کو یعنی مجھے اصولی طور پر اب مجھے تم لوگوں میں سے کسی کو
اس کام کے لئے مخصوص کرنا چاہئے، لیکن حویلی کے جو حالات ہیں ان کے بارے میں
یہ سوچتا ہوں میں، کہ ہم لوگ تو خیر پرانے لوگ تھے ان معاملات سے اتفاق بھی
کرتے تھے اور مطابقت بھی رکھتے تھے لیکن تم نئی نسل کے لوگ ہو، ان ساری باتوں
کو نہ سمجھتے ہو، نہ مانتے ہو، میں یہ سوچتا ہوں کہ کہیں اگر تم لوگوں کو وہاں کے لئے
مخصوص کر دوں تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، والد صاحب خاموش ہو گئے اور ہم
سارے بھائی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے پھر حسین شاہ ہی نے کہا تھا۔

"ابو میرا خیال ہے آپ نے ہم لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" والد صاحب
نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگے، جمال شاہ جلدی سے بول پڑا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو حسین شاہ۔"

"شاید میں اپنے مقصد کا اظہار صحیح طریقے سے نہیں کر سکا بھائی جان، معافی
چاہتا ہوں ابو۔ زیادتی کی بات اصل میں یہ ہے کہ جب آپ کے بزرگوں نے غصے میں
آپ کو اس حویلی میں روحوں سے جنگ کی اجازت بخشی تھی کہ آپ پھر ہم سے یہ
اعزاز کیوں چھین رہے ہیں؟ میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں اپنے ان الفاظ پر اصل
بات یہ کہنا چاہتا تھا میں۔"

والد صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی کہنے لگے۔

"اصل میں بیٹے بس ایک باپ کا دل رکھتا ہوں سینے میں اس لئے ہمت نہیں کر پایا' تم کیا چاہتے ہو---؟"

"ابو ہم اس حویلی کو دیکھنا چاہتے ہیں؟ ہم وہاں جانا چاہتے ہیں۔"

"خیر--- وہ ہماری آبائی حویلی ہے میرے سامنے نہ سہی' میرے بعد تم لوگ وہاں جاؤ گے' میں تمہارے اور اس کے درمیان دیوار نہیں بننا چاہتا لیکن بہرحال یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جانا بے شک لیکن ذرا ہوشیار رہنا---"

"ابو آپ تو اس کی بالکل فکر ہی نہ کریں" حسین شاہ خوش ہو گیا۔ "ابو میں بھی حسین شاہ کے ساتھ جاؤں گا" علی شاہ نے کہا۔

"میں نے کہا نا تم میں سے کوئی بھی وہاں جانا چاہئے' میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں--- کیا کہتے ہو جمال شاہ---؟"

"نہیں ابو بات تو ٹھیک ہے اصل مسئلہ تو ہمیں آپ کی اس بے چینی کی فکر تھی' اگر آپ مطمئن ہیں تو ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے' تو پھر ٹھیک ہے ابو ان دونوں کو ہو آنے دیجئے فیروز تم کیا کہتے ہو' اس بارے میں---"

"بھائی جان میرے تو امتحان ہو رہے ہیں' میرا جانا تو مشکل ہے ویسے حسین کیا تم اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں جاؤں گے---"

"نہیں' میں اور علی شاہ وہاں جائیں گے' پہلے صورتحال کا جائزہ لیں گے پھر ایک باقاعدہ پروگرام بنائیں گے' ہمارے دوست بھی کیا یاد کریں گے کہ ہم نے انہیں بری روحوں کی شکلیں دکھائیں بہرحال یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا تھا---"

○

دوسرے دن سے علی شاہ اور حسین شاہ تیاریوں میں لگ گئے' میں واقعی اپنی پڑھائی میں مصروف تھا اور ویسے بھی مجھے ان لوگوں کے اس پروگرام سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی' میں ذرا دوسری قسم کا آدمی تھا۔ اور میری تفریحات بھی مختلف تھیں۔ اسی رات جمال شاہ امی کے پاس پہنچے تو میں بھی یہاں موجود تھا' جمال شاہ کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر امی نے کہا۔

"خیریت کیا بات ہے---"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے امی" جمال شاہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان اگر کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہیں تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"کیا مطلب---؟"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ میری وجہ سے کچھ ہچکچا رہے ہیں---؟"

"نہیں تم بیٹھو یہ مت سمجھنا کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں ہے---"

"نہیں پھر بھی---"

"تم تو حویلی نہیں جا رہے نا---"

"نہیں بھائی جان مجھے اس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے---"

"خیر وہ تو ایک الگ بات ہے لیکن امی پتہ نہیں کیوں میرا دل کچھ مان نہیں رہا---"

"کس بات پر بیٹے" امی نے تشویش سے کہا۔

"یہی کہ حسین شاہ اور علی شاہ وہاں حویلی جائیں۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"امی بس آپ دیکھ لیجئے نا کچھ کہانیاں تو وابستہ ہیں نا وہاں سے۔۔۔؟"

"ہاں ہیں تو سہی۔۔۔ لیکن تمہارے ابو وہاں جاتے رہے ہیں۔"

"میں مانتا ہوں آپ یقین کریں اگر ساری تفصیلات مجھے پہلے معلوم ہو جاتیں تو شاید میں ابو کو بھی اس طرح نہ جانے دیتا وہاں' میں انہیں روک تو نہیں سکتا تھا لیکن یا تو خود ان کے ہمراہ جاتا یا پھر کوئی انتظام کرتا وہاں' میں ان ساری چیزوں سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا لیکن کہانیاں تو ہوتی ہیں نا' کچھ نہ کچھ تو حقیقت ہوتی ہے ان میں' جو باتیں ابو نے مجھے بتائی ہیں وہ بڑی سنسنی خیز ہیں امی پتہ نہیں کیوں دل نہیں چاہ رہا کہ میں ان دونوں کو وہاں اکیلے بھیجوں۔۔۔"

"بیٹا میں کیا کروں ان بھائیوں کو سمجھاؤ۔۔۔"

"کوشش کر چکا ہوں۔"

"تو پھر۔۔۔؟"

"نہیں مانتے۔۔۔"

"کیا کہتے ہیں۔۔۔؟"

"یہی کہ ابو نے اجازت دے دی ہے اب آپ دیکھیں نا ماشااللہ جوان ہیں میں ان پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔"

"لیکن ایک بات کہوں' تمہارے ابو بھی زندگی بھر وہاں جاتے رہے ہیں خدا کا شکر ہے کہ زندہ سلامت واپس آ جاتے ہیں' کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے امی لیکن۔۔۔"

"میرا خیال ہے جمال شاہ انہیں جانے دو۔"

"امی کوئی ایسی ترکیب سوچیں جس سے وہ وہاں نہ جائیں۔۔۔؟"

"ایسا کرو ان کے ساتھ کچھ ملازموں کو بھیج دو جو ان کی نگرانی کریں ان کی حفاظت کریں۔۔۔"

"وہ اس پر بھی تیار نہیں ہیں۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"ہاں میں نے ان سے بات کی تھی' وہ کہتے ہیں ہم بچے نہیں ہیں اور پھر ہم حویلی کے پراسرار واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔" اگر ہمارے ساتھ ملازموں کا گروہ ہوا تو ہم ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکیں گے' امی بچپنا کر رہے ہیں وہ' آپ انہیں سمجھائیے۔۔۔"

"میں کوشش کرتی ہوں۔۔۔"

"برا مان جائیں گے وہ۔۔۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"یہی کہیں گے کہ میں نے مخالفت کی ہے۔۔۔"

"تو کہنے دو۔۔۔ تم تو ان کی محبت میں ہی ساری باتیں کر رہے ہونا۔۔۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں بھی ان کا دل نہیں توڑنا چاہتا' لیکن بس اپنی تشویش کو کیا کروں۔"

"میں ان سے بات کرتی ہوں" پھر میرے سامنے ہی حسین شاہ اور علی شاہ سے بات ہوئی تھی' جمال شاہ چلے گئے تھے امی نے کہا۔

"تم دونوں کب جا رہے ہو۔۔۔؟"

"کل امی۔۔۔"

"ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔۔۔؟"

"جی فرمائیے۔۔۔"

"اپنے ساتھ ملازموں کو لے جاؤ۔۔۔"

"بھائی جان آپ سے جو باتیں کر رہے تھے ہم انہیں چھپ کر سن رہے تھے۔۔۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"بس' بھائی جان سے ہم انحراف نہیں کرتے امی ہم ابھی دنیا میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں اگر آپ ہمیں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ڈراتے رہے تو کیا کریں گے ہم' آگے زندگی میں' گھر میں چوہوں کی طرح دبک کر بیٹھ جائیں گے' یہ تو اچھی بات نہیں ہوگی' ہمیں جانے دیں حالات سے خود ہی نمٹ لیں گے۔۔۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ——"

"یہ لیکن جو ہے نا' بھائی جان کی لیکن ہے۔"

"تو تم میری بات نہیں مانو گے۔"

"آپ منع کر دیجئے' ہم نہیں جائیں گے بے شک ابو نے اجازت دے دی ہے لیکن ہمیں اچھا نہیں لگے گا یہ امی جان ——"

"ٹھیک ہے جیسے تم لوگوں کی مرضی ——"

"فیروز تم بھی کچھ دن نکال لو' چلو ہمارے ساتھ ——"

"بھائی جان اگر ایک دو دن ٹھہر جائیں تو ضرور آپ کے ساتھ چلوں گا' آپ کو پتہ ہے امتحان ہو رہے ہیں ہمارے ——"

"نہیں بھئی یہ گھر بڑا خطرناک ہے آج اجازت مل گئی ہے کل اگر ہمارے خلاف مشترکہ محاذ کامیاب ہو گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جانے کا ارادہ ہی ملتوی ہو جائے" علی شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بے وقوف ہو تم کوئی محاذ نہیں ہے تمہارے خلاف۔"

"محبت کا محاذ کہئے امی ہے تو سہی" حسین شاہ بولا۔

"ٹھیک ہے جیسا تم لوگ مناسب سمجھو" امی نے کہا۔

○

دونوں بھائی بہت خوش تھے' دوسرے دن انہوں نے تیاریاں کیں' تھوڑا سا سازو سامان ساتھ لیا اور اس کے بعد روانہ ہو گئے' جمال شاہ صاحب تو کام پر گئے ہوئے تھے میں اپنی کتابیں لئے ہوئے اوپر والے کمرے میں پڑھ رہا تھا۔ بہر حال کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں تھی جس میں تشویش ہو' امی نے خود ہی دونوں کو رخصت کر دیا تھا اور وہ دونوں چلے گئے تھے' انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ چار دن کے بعد واپس آ جائیں گے' سنگل پور کے نواحی علاقے دیکھیں گے سنگل پور میں بہت سی زمین ہم لوگوں نے واپس خرید لی تھیں اور ویسے بھی ہمارا خاندان برسوں سے بلکہ کئی نسلوں سے سنگل پور کے معزز خاندانوں میں شمار ہوتا چلا آ رہا تھا۔ جہاں تک میری معلومات

کا تعلق ہے حویلی کے آس پاس آبادی نہیں تھی' بلکہ پہلے شاید کبھی آبادی تھی بھی تو حویلی کے "آسیب زدہ" ہونے کے بعد وہ وہاں سے دور ہٹ گئی تھی' ایک حد بندی کر دی گئی تھی اور اس حد کو کوئی عبور نہیں کرتا یہ وہ داستانیں تھیں جو بعد میں مجھے معلوم ہوئی تھیں' فی الحال تو میں اپنی پڑھائی میں لگا ہوا تھا اور حسین شاہ اور علی شاہ حویلی چلے گئے تھے اور حویلی جانے کے راستے بھی بے حد ٹیڑھے میڑھے ہی تھے' سنگل پور آج تک اتنا ڈیویلپ نہیں ہوا تھا کہ وہاں کے لوگ بھی آسائشوں سے دوچار ہو جاتے' کچھ حکومت کی بے انصافی تھی' کچھ وہاں کے لوگوں کے رہنے والوں کی رکاوٹیں' وہ لوگ جس زندگی کے عادی تھے اس میں کوئی دخل اندازی نہیں چاہتے تھے۔ میرے تو چونکہ امتحانات ہو رہے تھے اس لئے میں دن و رات اپنی پڑھائی میں مصروف تھا' ایک طرح سے یوں سمجھ لیں کہ دنیا سے کنارہ کشی ہو گئی تھی میری' میں صرف ایک بہترین رزلٹ چاہتا تھا۔ چنانچہ اپنی مصروفیات میں لگا رہتا تھا اس رات بھی میں پڑھ رہا تھا اور خاصا وقت ہو گیا تھا' پڑھتے پڑھتے کچھ تھکن کا احساس ہوا تو اپنے کمرے سے باہر نکل آیا —— سامنے نگاہ دوڑائی تو امی کے کمرے میں روشنی جلتی ہوئی نظر آئی امی اس وقت گہری نیند سو جاتی تھیں' مجھے تعجب ہوا میں دبے قدموں ان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا یہ سوچ کر کہ کوئی پریشانی کی تو بات نہیں ہے' کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر جمال شاہ اور امی نظر آ رہے تھے' دونوں کے چہروں پر فکر کے آثار تھے اور دونوں ہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے' جیسے ہی میں نے کمرے میں قدم رکھا' دونوں چونک پڑے امی نے کہا۔

"تم ——"

"جی ——"

"تم جاگ رہے ہو ابھی تک ——؟"

"پڑھ رہا تھا امی ——"

"ارے ہاں معاف کرنا میں تو بھول ہی گئی۔"

"آپ لوگ کیوں جاگ رہے ہیں" میں نے کہا اور امی پریشان نگاہوں سے جمال شاہ کو دیکھنے لگیں جمال شاہ نے کہا۔

"آؤ بیٹھو مجھے اندازہ تھا کہ تم پڑھ رہے ہو گے اور ان دنوں تم جس قدر مصروف ہو میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا---"

"کیا بات ہے بھائی جان---؟"

"تمہیں اندازہ ہے کہ حسین شاہ اور علی شاہ کو گئے ہوئے کتنے دن ہو چکے ہیں---؟"

"میں نے غور ہی نہیں کیا میرا خیال ہے سات یا آٹھ دن ہو گئے---"

"ہاں اتنے ہی دن ہو گئے ہیں تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انہوں نے صرف چار دن کے لئے کہا تھا---؟"

"ایں" میں چونک پڑا۔

"ہاں--- ان کی کوئی خبر نہیں ہے ہمیں---"

"لیکن---؟"

"کیا لیکن---؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ واقعی--- یہ بھی ہو سکتا ہے بھائی جان کے وہ وہاں ایک حسین ماحول پا کر رک گئے ہوں--- سنگل پور ویسے تو بہت حسین جگہ ہے آج کل موسم بھی اچھا ہے برسات کے موسم میں تو یہ دیہاتی علاقے اور زیادہ حسین و خوبصورت ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن وہ ہم سے چار دن کا کہہ کر گئے تھے---؟"

"کہہ تو گئے تھے بھائی جان لیکن ضروری تو نہیں ہے---"

"کیا مطلب ہے تمہارا---؟ یعنی یہاں ماں باپ' میں سب پریشان ہو رہے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ جو کچھ کہہ کر گئے ہیں اسی پر عمل کر ڈالیں یعنی یہ خودسری بھی ہو سکتی ہے---"

"ارے نہیں بھائی جان میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ ممکن ہے وہاں کے ماحول سے ان کا دل نہ بھرا ہو اور انہوں نے سوچا ہو کہ چند روز اور سہی---"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ غیر ذمہ داری کی حرکت ہے' بزرگوں کو بزرگ نہ

ماننا کوئی اچھی بات ہے۔ امی ابو کتنے پریشان ہوں گے' ابو کو تو خیر صورتحال کا صحیح اندازہ ہی نہیں ہے ہم نے انہیں بتایا بھی نہیں ہے' لیکن امی جتنی پریشان ہیں تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے---؟"

"نہیں جو کچھ بھی ہے لیکن میں واقعی سخت پریشان ہوں--- وہاں پر ہمارے کچھ شناسا رہتے ہیں' ویسے تو ان سے کوئی کام نہیں پڑتا لیکن اب میں انہیں تار دیئے دیتا ہوں تار (خط) میں یہ لکھ دوں گا کہ فوراً" علی شاہ اور حسین شاہ کو خیریت سے روانہ کریں۔"

"بالکل ٹھیک ہے--- خیر اب جو کچھ بھی ہے امی آپ اطمینان رکھئے صبح کو میں تار سب سے پہلے بھیجوں گا۔"

میں خود بھی امی کو سمجھاتا رہا امی بیچاری کچھ نہیں بولی تھیں لیکن بہرحال ماں تھیں ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں آ گئے لیکن میں بھی دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا تھا۔ بھائی جان نے دوسرے دن سنگل پور تار بھیج دیا--- دوپہر کو مجھے بتایا کہ سنگل پور تار دے دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے جوابی تار بھیج کر یہاں اطلاع دی جائے کہ وہ دونوں خیریت سے ہیں اور ان سے بھی کہہ دیا جائے کہ فوری طور پر واپس آ جائیں' یہ کارروائی کرنے کے بعد بھائی جان مطمئن ہو گئے تھے لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن کو ایک کرید لگی ہوئی تھی اس رات میں بھی پڑھ رہا تھا کہ امی میرے کمرے میں آ گئیں اور بولیں۔

"چائے بناؤں تمہارے لئے---؟"

"نہیں امی آپ کہاں تکلیف کریں گی---"

"نہیں تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے ملازم کو تو میں اس وقت اٹھا نہیں سکتی۔"

"نہیں آپ یقین کریں کہ مجھے اس وقت چائے کی کوئی طلب نہیں ہے لیکن امی آپ جاگ رہی ہیں---؟"

"بیٹے وہ دونوں جب سے گئے ہیں میں تو سخت پریشان ہوں---"

"امی ابو نے تو نہیں پوچھا ان کے بارے میں---؟"

"ابو آج کل اپنے معاملات میں مصروف رہتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ کس طرح وہ اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتے بس انہیں کھانا مل جائے ضرورت کی چیزیں مل جائیں ان کا کام ہوتا رہے وہ کسی بات کے بارے میں نہیں پوچھتے۔"

"بہرحال امی آپ کی پریشانی میں سمجھ رہا ہوں---"

"بات وہی ہے کہ انہیں آ جانا چاہئے تھا---"

"بہرحال تار (خط) گیا ہوا ہے اطلاع مل جائے گی--- میں نے امی کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا' تار بھیجے ہوئے بھی چھ دن ہو گئے تھے لیکن کوئی جوابی تار موصول نہیں ہوا تھا' بھائی جان کی پریشانی اب انتہا کو پہنچ چکی تھی اور وہ سخت الجھنوں میں مبتلا نظر آ رہے تھے' آخر بھائی جان نے کہا۔

"اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں خود سنگل پور چلا جاؤں۔"

"بھائی جان آپ---؟"

"بھئی مجبوری ہے کیا کیا جائے بتاؤ---؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ آپ جائیں گے---؟"

"تو پھر اور کیا کیا جا سکتا ہے---"

"بات یہ ہے کہ اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا' میں جا کر دیکھوں تو سہی' تار کا جواب بھی نہیں دیا ان جاہلوں نے' آخر دیہاتی کے دیہاتی ٹھہرے نا' حالانکہ تار موصول ہو گیا ہے اگر موصول نہ ہوتا تو مجھے اطلاع مل جاتی' لیکن--- خیر--- کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ کا کیا فیصلہ ہے---؟"

"میں چلا جاتا ہوں---"

"کیوں امی---؟"

"ہاں بیٹے پتہ تو چلنا چاہئے کہ کیا معاملہ ہوا ہے---؟"

"ٹھیک ہے اور پھر اس کے بعد بھائی صاحب تیاریاں کر کے سنگل پور چل پڑے تھے۔

○

میرے Paper بھی ہو گئے تھے اور میں بھی فارغ ہو گیا' بھائی صاحب کو گئے ہوئے آج چوتھا دن تھا وہ بھی واپس نہیں آئے تھے پانچواں' چھٹا' ساتواں اور آٹھواں دن بھی گزر گیا' اب تو ہماری پریشانی انتہا تک پہنچ گئی تھی' نوے اور دسویں دن کی بات ہے ایک دن صبح ہی صبح ابو ہمارے کمرے میں آ گئے' بہت کم نکلتے تھے وہ اپنے کمرے سے' اور اس وقت ان کا آنا ہمارے لئے بڑا تعجب خیز تھا' میں اور امی سر پکڑے ہوئے تھے ابو نے کہا۔

"کیا بات ہے تم لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے---؟"

"نہیں ابو--- کیوں--- خیریت---؟"

"تم لوگ میرے پاس تک نہیں آئے--- نہ جمال شاہ' نہ حسین شاہ' نہ فیروز شاہ اور نہ علی شاہ بڑھاپا اتنی بری چیز تو نہیں ہوتی کہ تم لوگ اس طرح میرے پاس آنے سے گریز کرو' ایک دن تمہیں بھی بوڑھا ہونا ہے' کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے دل میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر وقت گزارنے کا خیال نہیں آتا' کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارا ساتھ نہیں چاہتا' کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی ہے---؟" حقیقت یہ ہے کہ عمر کے اس دور میں آنے کے بعد اور تھوڑی سی معذوری کے بعد تو مجھے تمہی لوگوں کا سہارا ہے' ثمینہ اور ندیمہ بھی بہت دنوں سے نہیں آئیں' میں اپنے کمرے میں اکیلا پڑا رہتا ہوں' کیا میرا اور تمہارا رشتہ صرف روٹی دینے اور چائے کیلئے پوچھ لینے کا رہ گیا ہے---"

"نہیں--- نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں---"

"تو کہاں غائب ہو تم لوگ---؟"

"ہم لوگ الجھن کا شکار ہیں---" امی نے کہا۔

"کیا مطلب---؟ کیا اپنی الجھنوں کے بارے میں اب مجھے بتانا ضرور نہیں ہے---؟ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں کوئی رائے نہیں دے سکتا---؟ تمہیں کچھ بتا نہیں سکتا' تمہاری الجھنوں کے بارے میں---؟"

"یہ بات نہیں ہے ابو' اصل میں آپ بھول گئے ہیں' آپ ہی نے تو علی شاہ اور حسین شاہ کو جانے کی اجازت دی تھی۔۔۔؟"

"کہاں۔۔۔؟"

"وہیں حویلی میں۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔ ؟"

"وہ لوگ آپ سے پوچھ کر ہی گئے تھے نا۔۔۔؟"

"تھے سے کیا مراد ہے والد صاحب بے چین ہو کر بولے۔۔۔؟"

"وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟" والد صاحب کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

"ہاں۔۔۔"

"مگر انہیں گئے ہوئے تو سترہ اٹھارہ دن ہو گئے ہیں۔ میں تو ناراض بیٹھا ہوا ہوں اتنے دن سے کہ تم لوگ میرے پاس ہی نہیں آ رہے۔۔۔؟"

"جی ابو ہم لوگ آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔۔" میں نے کہا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا' پاگل ہو گئے ہو سارے کے سارے میں کہتا ہوں مجھے کیوں نہیں بتایا تم لوگوں نے' یعنی وہ چار دن کا کہہ کر گئے تھے سترہ اٹھارہ دن ہو گئے انہیں اور تم لوگ سکون سے بیٹھے ہوئے ہو' تم نے مجھے بتایا تک نہیں ہے۔۔۔"

"ابو وہ اصل میں۔۔۔"

"دیکھو تم۔۔۔ تم مجرم ہو' تم نے ایک مجرمانہ عمل کیا ہے' جمال شاہ کہاں ہے' جمال شاہ کو بلاؤ' اس سے بات کروں گا۔۔۔ میں کہتا ہوں سمجھا کیا ہے آخر تم لوگوں نے مجھے' کیا سمجھ کر آخر تم نے مجھے نظرانداز کیا' میرے بچے ہیں وہ تم بہت زیادہ ہمدرد ہو ان کے' مجھ سے زیادہ ہمدرد ہو۔۔۔؟"

"ابو آپ بات تو سنئے۔۔۔؟"

"بکواس بند کرو' جمال شاہ کدھر ہے۔۔۔؟"

"وہی تو ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔۔۔؟"

"کیا بتانا چاہتے ہو۔۔۔؟"

"بھائی جان بھی تو گئے ہوئے ہیں۔"

"کیا۔۔۔؟" ابو کا منہ ایک بار پھر حیرت سے کھل گیا۔

"جی ابو' وہ بھی گئے ہوئے ہیں واپس نہیں آئے اب تو ہم انتہائی پریشان ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔" والد صاحب کا چہرہ ڈھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ واپس پلٹے اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑے' ہم ماں بیٹے عقب سے انہیں دیکھتے رہ گئے تھے امی نے کہا۔

"بہت برا ہوا ہے یہ' مگر ہم کب تک ان سے چھپا سکتے تھے ان کی حالت تو خود بہتر نہیں ہے' وہ تو کہیں آ جا بھی نہیں سکتے' بڑی پریشانی ہوئی ہے۔"

"امی اب کیا کریں میں جاؤں۔۔۔"

"نہیں بیٹا ایسے نہیں' میں کہتی ہوں جمال شاہ کو کیا ہو گیا کاروبار اس طرح چھوڑ کر چلا گیا ہے وہ تو اتنا لاپرواہ نہیں تھا۔"

"امی دیکھنا پڑے گا جا کر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔۔۔"

"میں ذرا تمہارے ابو کے کمرے میں جا رہی ہوں۔۔۔"

"چلئے میں بھی چلتا ہوں" ہم دونوں ابو کے کمرے میں پہنچے' ابو اب کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے ایک کاغذ مجھے دیتے ہوئے کہا۔

"اس جگہ ایک شخص رہتا ہے اسے تلاش کر کے لے آؤ' نام اقبال بیگ ہے' درمیانی عمر کا آدمی ہے میرا بہت اچھا ساتھی ہے اسے بلا کر لاؤ۔" میں ابو کے دیئے ہوئے پتے پر چل پڑا اور پھر ایک چھوٹے سے بوسیدہ مکان کے سامنے رک گیا' دروازے پر دستک دی تو ایک درمیانی عمر کا آدمی نکل آیا اس نے مجھے بغور دیکھا اور پھر بولا۔

"حیات علی شاہ کے بیٹے ہو۔۔۔؟"

"اور آپ۔۔۔"

"میرا نام اقبال بیگ ہے۔۔۔ کہو کیسے آنا ہوا۔۔۔؟"

"ابو نے آپ کو بلایا ہے۔"

"رکو دو منٹ ---" عجیب سا آدمی تھا۔ میں نے اسے کبھی ابو کے ساتھ نہیں دیکھا تھا نہ وہ پہلے کبھی ہمارے گھر آیا تھا لیکن ایسے لگ رہا تھا جیسے ابو کا کوئی قدیم ساتھی ہو۔ اس کے انداز میں بے تکلفی بھی تھی۔ بہرحال چند منٹ کے بعد وہ تیار ہو کر آ گیا اور بولا ---

"چلو ---" راستے میں میں نے اس سے پوچھا۔

"اقبال صاحب --- اپ ابو کو کب سے جانتے ہیں۔"

"جب تمہارا وجود بھی نہیں تھا۔"

"لیکن --- ہم نے آپ کو پہلے کیوں نہیں دیکھا ---؟"

"تمہاری غلطی ہے۔ میرا کیا قصور ہے ---؟" آدمی چرب زبان معلوم ہوتا تھا۔

آپ ابو کے اتنے پرانے ساتھی ہیں تو ہم آپ کو اقبال چچا کہیں تو کوئی ہرج ہے۔"

"میں فالتو باتیں نہیں کرتا۔ بس اپنے کام سے کام رکھو۔" تھوڑا سا کھسکا ہوا معلوم ہوتا تھا بہرحال میں نے اس کے بعد اس سے کوئی بات نہیں کی اور اسے لیکر کمرہ میں پہنچ گیا۔ ابو انتظار کر رہے تھے اقبال بیگ نے کہا۔

"ہاں --- کیا بات ہے ---؟"

"اقبال --- یار بیٹھ جاؤ۔" ابو نے نڈھال سے لہجے میں کہا اور وہ بیٹھ گیا کیونکہ ابو نے مجھے واپسی کیلئے نہیں کہا تھا۔ اس لئے میں بھی وہیں کھڑا رہا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ آخر ابو نے اسے کیوں بلایا ہے ---؟ اور اسے کیا کہنا چاہتے ہیں ---؟ ابو نے کسی قدر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اقبال --- ذرا سنگل پور جانا ہے تمہیں۔"

"ٹھیک ہے --- چلا جاؤں گا۔ بات کیا ہے ---؟"

"وہ اصل میں دونوں بیٹے پہلے حویلی گئے تھے علی شاہ اور حسین شاہ' چار دن کیلئے کہہ کر گئے تھے پندرہ بیس دن ہونے کو آئے کوئی پتا نہیں چلا ان کا۔ نہ ادھر

سے کسی نے خبر دی۔ جمال شاہ پریشان ہو گیا۔ حالانکہ تم جانتے ہو! اقبال بیگ کہ سارا کاروبار اور ساری ذمہ داری جمال شاہ ہی نے ہی سنبھال رکھی ہے لیکن بہرحال بھائیوں کا معاملہ تھا میں نے بھی نہیں روکا۔ وہ بہت ذمہ دار لڑکا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ بھی وہاں جا کر کسی مشکل میں گرفتار ہو جائے گا۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ میری پریشانیوں کا اندازہ کرنے کے بعد فوری طور پر وہاں سے واپس آ جائے گا لیکن اسے بھی گئے ہوئے کافی دن ہو گئے۔ میں بہت پریشان ہوں تمہارے علاوہ کسی اور سے یہ بات نہیں کہہ سکتا۔"

"نہیں --- نہیں --- کوئی بات نہیں میں سنگل پور چلا جاتا ہوں۔"

"دیکھو! جلدی واپس آ جانا۔ میں سخت پریشان ہوں۔ مجھے آ کر بتاؤ کہ معاملہ کیا ہوا ہے ---؟"

"ٹھیک ہے --- میں چلا جاتا ہوں۔" اقبال بیگ اس طرح اٹھ گیا جیسے اب ایک منٹ بھی نہ بیٹھنا چاہتا ہو۔ بہرحال پھر وہ چلا گیا۔ ابو نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹے --- اپنی امی کو ذرا سنبھالے رکھنا۔ یہ لوگ سنگل پور جا کر کسی تفریح میں پھنس گئے ہیں۔ سنگل پور کے نواحی علاقوں میں بڑا شکار ملتا ہے۔ تم نے اپنے پردادا حیدر شاہ صاحب کے بارے میں تو سنا ہی ہو گا۔ انگریز ان کے تلوے چاٹتے تھے کیونکہ وہ بہت بڑے شکاری تھے۔ والد صاحب چند لمحات پردادا کی باتیں کرتے رہے اور میں خاموشی سے ان کی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ٹینشن کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہرحال میں خود بھی پریشان تھا۔ بہرحال میں بھی اپنے بھائیوں کیلئے بہت پریشان تھا۔ پہلا دن اور دوسرا دن گزر گیا۔ والد صاحب کی نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ حالانکہ وہ بہت زیادہ چل پھر نہیں سکتے تھے لیکن پھر بھی بار بار باہر آ نکلتے اور دروازے پر آ بیٹھتے۔ تیسرے دن اقبال بیگ تنہا واپس آ گئے۔ چہرے پر تردد کے آثار تھے۔ والد صاحب تو انہیں تنہا دیکھ کر ہی پریشان ہو گئے تھے۔ بے صبری سے بولے۔

"کیا ہوا ہے اقبال بیگ۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیوں کیا بات ہوئی--- ؟ بتاؤ تو سہی---"

"بستی میں میرے کچھ جاننے والے موجود ہیں۔ ان سے معلومات حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے مجھے پتا چلا کہ علی شاہ اور حسین شاہ وہاں دیکھے گئے۔ وہاں بہت سے لوگوں سے میں نے ملاقات کی۔ حالانکہ قرب و جوار کے بزرگوں نے منع کیا کہ حویلی میں نہ داخل ہوں لیکن وہ کھانے پینے کا سامان خریدنے کے بعد حویلی چلے گئے اور انہوں نے خاصا وقت اس حویلی میں گزارا۔ پھراس کے بعد کسی نے انہیں دوبارہ باہر نہیں دیکھا اور یہ تو تمہیں پتا ہی ہے کہ باہر کے لوگوں میں سے کوئی حویلی میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کرتا۔ تم کس کو ہزاروں روپے بھی دو تو وہ حویلی میں اندر نہیں جاتا۔ چنانچہ پھران کا پتا نہیں چلا اور تھوڑے دنوں کے بعد جمال شاہ بھی وہاں پہنچا۔ اس نے بھی انہیں لوگوں سے ملاقات کی۔ لوگوں نے اسے سمجھا اور بتایا کہ ان دونوں کو حویلی میں دیکھا گیا تھا پھراس کے بعد وہ حویلی سے باہر نہیں آئے۔ لوگ بھی سمجھے تھے کہ وہ وہاں سے چلے گئے لیکن ان کا کوئی پتا نہیں چل سکا ہے۔ جمال شاہ خود حویلی کی جانب چل پڑا۔ بزرگوں نے پھر سمجھایا کہ حویلی نہ جاؤ لیکن اس نے کہا کہ میرے دونوں بھائی پتا نہیں کس مشکل کا شکار ہو گئے ہیں اور بس--- ایک شخص کو تم جانتے ہو نا--- حیات خان نام ہے اس کا بوڑھا اور بزرگ آدمی ہے---"

"ہاں--- ہاں--- اس کا تعلق بھی ہمارے خاندان سے رہا ہے---"

"میرے ساتھ وہ حویلی میں داخل ہوا تھا۔ میں نے حویلی کا اندر سے بھی جائزہ لے لیا لیکن تینوں لڑکوں کا کوئی سراغ نہیں ملا--- البتہ ایک کمرے میں کھانے پینے کی اشیاء کے کچھ انبار دیکھے گئے۔ یہ چیزیں ان لوگوں نے خریدی تھیں لیکن وہ خود نظر نہیں آئے اور اب بستی میں کہیں بھی ان کا کوئی پتا نہیں ہے۔" والد صاحب خاموش ہو گئے۔ اقبال بیگ نے کہا۔

"اب بتاؤ کیا کروں---؟" لیکن والد صاحب نے کچھ نہیں بتایا اور اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئے۔ اقبال بیگ چلے گئے تھے۔ جاتے ہوئے انہوں نے

کہا تھا۔

"میرے لئے ضروری تھا کہ میں سچائی بتاؤں لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں---؟

میں خود بھی پریشان تھا۔ ماں کو صورت حال بتائی تو ماں نے بھی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ ابو کے بارے میں یہ اندازہ ہو گیا تھا مجھے کہ یہ تفصیل سننے کے بعد ان کی حالت خاصی خراب ہو گئی ہے۔ امی اور میں ان کے کمرے کی جانب چل پڑے تاکہ انہیں سمجھائیں لیکن وہاں صورتحال بالکل مختلف تھی۔ ابو کا پورا بدن پسینے سے تر تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے تڑپ رہے تھے۔ ہم گھبرا گئے اور اس سے پہلے کہ ہم ڈاکٹر کو بلاتے یا کچھ کرتے ابو ساکت ہو گئے۔ ہماری دنیا تاریک ہو گئی۔ گھر میں بہت سے ملازم بھی تھے۔ خاص طور سے دلدار خان--- ہمارے بہت پرانے ملازم تھے اور گھر میں انہیں بزرگ کا درجہ حاصل تھا۔ اچھے خاصے ضعیف ہو گئے تھے اور بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے ابو کو دیکھا اور ایک چادر سے انہیں ڈھک دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی تھی یہ ایک اور بڑا سانحہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہماری حویلی پر کوئی ہیبت ناک سایہ آ پڑا ہو۔ جو ہم سے ہماری خوشگوار زندگی چھین لینے میں مصروف ہو۔

ابو کی تدفین کے بعد گھر میں اداسیوں کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ سبھی غم سے نڈھال تھے۔ کاروبار کی ساری ذمہ داری مجھ پر آ پڑی تھی۔ میں نے تینوں بھائیوں کی موجودگی میں کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھ پر یہ ذمہ داری آ پڑے گی۔ اب ہر شخص مجھ سے ہی رجوع کرتا تھا اور میری حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ کاروبار اپنی جگہ--- جائیداد اپنی جگہ--- ان تمام چیزوں کو سنبھالنے والے میرے پاس آتے تھے اور میں ہر ایک کی خوشامد کر کر کے کہتا تھا کہ وہ خود میری ذمہ داریاں سنبھالیں بہت سے اچھے بہت سے برے پھر ایسے لاوارث لوگوں کو جن کا وارث حادثاتی طور پر جدا ہو گیا ہو۔ بہت کم لوگ ایسے وقت میں سہارا دیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مفادات کے چکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بھی بہت سے لوگوں نے یہ سوچا تھا کہ ان کی لاٹری نکل آئی ہے۔ جمال شاہ صاحب چلے گئے تھے۔ ابو نے تو خیر بہت عرصے سے تمام کام چھوڑ دیئے تھے اور اب سب سے بڑی بات یہ کہ امی بستر سے لگ گئیں تھیں۔ میرے لئے اس کائنات میں ماں سے زیادہ قیمتی شے اور کوئی نہیں تھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ امی کی زندگی سے میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ چنانچہ میں نے زمین آسمان ایک کر دیئے۔ ہر وقت ماں کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ کئی کئی ڈاکٹر ماں کی تیمارداری میں مصروف تھے اور ان کا علاج کر رہے تھے۔ بھلا اب میں کیا کہتا---؟ اور کیا کرتا---؟ بھائیوں کے بارے میں اب بھی میرا دل نجانے کیوں اس احساس کا شکار تھا کہ وہ بے شک کسی حادثے کا شکار ہوئے ہیں لیکن جب تک ان کی لاشیں نہ ملیں۔ ان کی موت کا یقین کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ابو تو خیر ان کے باپ تھے۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا۔ وہ ایک الگ بات تھی لیکن

پہلی بات تو یہ کہ میں اس جدید دنیا کا انسان تھا۔ حادثے بے شک ہوتے ہیں۔ واقعات بھی آتے ہیں۔ پراسرار واقعات سے بھی میں نے کبھی انحراف نہیں کیا تھا۔ یہ تمام پراسرار واقعات بہرحال زندگی کا ایک حصہ ہوتے ہیں اور ان کا کوئی نہ کوئی وجود ہوتا ہے۔ اس کائنات میں اگر وجود نہ ہوتا تو ظاہر سی بات ہے لوگ پراسرار باتوں کا تذکرہ کیوں کرتے---؟ لیکن بہرحال ہر چیز کا ایک تعین تو ہوتا ہے۔ خدانخواستہ اگر میرے بھائی اس دنیا سے چلے گئے ہیں تو کم از کم یہ تو پتا چلے کہ ان کا موت کا ذریعہ کیا تھا---؟ کیا ہوا---؟ کیسے وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے---؟ کون تھا---؟ جو اس کا باعث بنا۔ یہ ساری چیزیں قابل غور تھیں اور میں یہ فیصلہ اس وقت نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ مجھے اپنے بھائیوں کے زندہ نہ ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت مل جائے۔ بہرحال میں سوچتا رہتا تھا لیکن سب سے بڑا مسئلہ میرے لئے یہی تھا کہ امی کا معاملہ کیسے حل کیا جائے---؟ ویسے تو ملازموں پر بھی بھروسہ کیا جا سکتا تھا دوسرے لوگ بھی اس بارے میں میرے کام آ سکتے تھے۔ دلدار چچا تو خیر بہت زیادہ قابل اعتماد تھے۔ وہ بیچارے ہر طرح سے' اتنی عمر ہونے کے باوجود ہمارے مدد کرتے تھے اور ان سے بڑا سہارا حاصل تھا لیکن بات وہی تھی کہ دلدار چچا کرتے تو کیا کرتے---؟ سوائے اس کے کہ ہمیں مشورے دیتے رہتے میں نے دلدار چچا سے کہا۔

"دلدار چچا--- ابو تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ آپ ایک طرح سے ہمارے سرپرست ہیں۔ لوگ کچھ بھی سمجھیں آپ کو! لیکن یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم نے آپ کو کبھی ملازم نہیں سمجھا---"

"ہاں بیٹے--- یہ خاندان میرا اپنا خاندان ہے کسی نے مجھے ملازم نہیں سمجھا تم یہ بات کیا کہہ رہے ہو---"

"دلدار چچا--- میں چاہتا ہوں کہ کم از کم سنگل پور جا کر معلومات تو حاصل کروں کہ آخر میرے بھائیوں کو ہوا کیا تھا---" دلدار چچا سوچ میں ڈوب گئے۔ بہت دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔

"نہیں بیٹا--- میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا---"

"لیکن اگر اس طرح سب نے ڈھیلے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے تو آپ مجھے بتایئے

کہ پتا کیسے چلے گا؟ دیکھے میں کوئی بری بات دل سے نہیں نکالنا چاہتا۔ ابو ہمارے تو بہت زیادہ پریشان ہو گئے تھے اور اس پریشانی نے ان کی جان لے لی لیکن آپ خود سوچئے جب تک مجھے بھائیوں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو جاتیں میں کیسے صبر کر سکتا ہوں--- میرے اوپر تو مصیبتوں پر مصیبتیں آ پڑی ہیں۔ مجھے مشورہ دیجئے۔"

"بیٹے--- صرف یہ کہتا ہوں کہ اللہ سے مدد مانگو۔ اللہ ہی مدد کر سکتا ہے۔ میری سمجھ میں تو کوئی بات آ نہیں رہی ہے۔" ولدار چچا مایوس لہجے میں بولے تھے اور میں یہ سوچنے لگا تھا یہ تو بڑی افسوس کی بات ہے۔ کیسے میں اپنے بھائیوں پر صبر کر لوں۔ وہ کام کیسے کر لوں جو میرے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ سوچتا رہا تھا لیکن کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال پھر کچھ دن اور گزر گئے امی سے بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ میں نے امی سے کہا۔

"امی--- ایک بات کہنا چاہتا ہوں آپ سے---"

"ہاں کہو--- کیا بات ہے---؟" امی کی حالت اب کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔

"امی--- اگر آپ اجازت دیں تو میں سنگل پور--" لیکن میں نے ابھی جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ امی بدحواس ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں سے خوف کے آثار جھانکنے لگے۔"

"ہاں--- بولو کیا کہہ رہے ہو تم--- بولو---"

"امی میں سنگل پور جا کر---"

"نہیں--- خدا کیلئے نہیں۔ تمہیں خدا کا واسطہ بالکل نہیں--- بالکل نہیں--- میں تمہیں نہیں جانے دوں گی--- بالکل نہیں جانے دوں گی۔" امی کی جو کیفیت ہوئی تھی اسے دیکھ کر میں ایک دم سنبھل گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ماں سے بھی ہاتھ دھو لوں۔ بہرحال--- میں نے صبر اختیار کیا تھا۔ دن گزرتے رہے۔ آہستہ آہستہ تمام حالات معمول پر آتے جا رہے تھے۔ بعض جگہ لوگوں نے ہمارے کاروبار کے سلسلے میں بے ایمانی کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے سمجھدار اور ہمت کے

ساتھ ان کا سامنا کیا۔ تھوڑی سی سختی بھی کی۔ چنانچہ حالات آہستہ آہستہ معمولات پر آنے لگے لیکن بھائیوں کو نہیں لایا جا سکتا تھا۔ امی کی وجہ سے مجبور تھا ورنہ میرا دل چاہتا تھا کہ اڑ کر سنگل پور پہنچ جاؤں اور وہاں سے بھائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں' اکثر پریشانی کے عالم میں جب دل بہت گھبراتا تھا تو میں والد صاحب کے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ ان کا بستر آج بھی جوں کا توں تھا۔ امی نے یہاں جوابی کیفیت کا مظاہرہ کیا تھا حالانکہ ولدار چچا نے کہا تھا کہ اس کمرے کا حصہ بدل دیا جائے۔ تاکہ دلوں سے حیات علی شاہ صاحب کی یاد ختم ہو جائے۔ یادیں تو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ماحول بدل دینے سے بھی بھلا کبھی یادیں ختم ہوتی تھیں لیکن امی اس سلسلے میں بہت زیادہ جذباتی ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ سب کچھ جوں کا توں رہنے دیا جائے۔ بستر صاف کر دیا جاتا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے ابو اس پر آ کر لیٹیں گے۔ میں کئی بار امی کو بھی وہاں دیکھ چکا تھا۔ خاموشی سے کرسی پر بیٹھی ابو کے بستر کو دیکھا کرتی تھیں وہ' اس قدر جذباتی تھیں' کہ انہوں نے ابو کے بستر میں ایک شکن بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ اس وقت بھی میں ابو کے کمرے میں آیا تھا۔ یہاں بیٹھ کر ذہن کو کچھ سکون مل جاتا تھا۔ میں کمرے میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ پھر نجانے کیوں میرے دل میں کچھ خیال آیا---؟ ابو کے بستر سے ان کے لمس کا احساس ہوتا تھا۔ میں نے ابو کے بستر کے پاس پہنچ کر ان پر ہاتھ رکھا اور پھر اس طرح ہاتھ پھیرنے لگا جس طرح ابو کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہوں تکیے کے بعد گدا بچھا ہوا تھا گدے پر چادر بچھی ہوئی تھی۔ ابو کی مسہری بہت شاندار اور قدیم طرز کی تھی۔ اس کی سائیڈ میں بہت سے خانے بنے ہوئے تھے۔ نجانے کیوں مجھے ایسے ہی کچھ خیال آیا---؟ اور میں نے ان میں سے ایک خانے میں ہاتھ ڈال دیا۔ خانے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف ایک چابی پڑی ہوئی تھی۔ بڑی سی پرانی طرز کی۔ پیتل کی چابی--- میں نے یہ چابی اٹھائی اور اسے دیکھنے لگا۔ بڑی خوشنما بنی ہوئی تھی یہ چابی کیسی ہے---؟ میں نے دل میں کہا--- پھر دوسری نایاب چیز جو کمرے میں موجود تھی وہ ایک طرف رکھا ہوا ایک صندوق تھا۔ یہ سب میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا جو بہت خوشنما اور خاص طرز کا بنا ہوا تھا۔ ایسی طرز کے صندوق کبھی کبھی انگریزی فلموں میں نظر آ جاتے ہیں۔ جہاں زمانہ قدیم وغیرہ کے

خزانے دکھائے جاتے ہیں۔ نجانے کیوں میرے ذہن پر اس وقت یہ سوار ہو گیا کہ اس صندوق کو کھول کر دیکھوں اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ چابی اسی صندوق کی تھی۔ بس یہ تجسس دل میں آیا اور میں نے سب سے پہلے دروازہ اندر سے بند کیا۔ تاکہ کوئی آ نہ جائے اور اس کے بعد میں صندوق کی جانب بڑھ گیا۔ صندوق بہت زیادہ وزنی نہیں تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر سامنے رکھا اور پھر اس کی ہول میں اس کی چابی داخل کر دی۔ میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ چابی اسی صندوق کی تھی۔ تالا کھل گیا اور میں نے صندوق کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔ صندوق میں کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ جس طرح اس خانے میں ایک چابی ملی تھی۔ اس طرح صندوق میں انتہائی بوسیدہ کتاب رکھی ہوئی تھی۔ جس کی جلد کالے رنگ کی تھی۔ کتاب اچھی خاصی ضخیم تھی اور اس کے حلیئے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ بہت زیادہ پرانی ہے۔ میرے دل میں تجسس جاگ اٹھا۔ میں نے احتیاط سے ہاتھ ڈال کر وہ کتاب اٹھا لی اور اسے قریب کر کے دیکھنے لگا پھر میں نے اس کی جلد کا پہلا صفحہ کھولا اور پہلے ہی صفحے پر جو شے نظر آئی اسے دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ یہ کالے رنگ کی ایک چھپکلی تھی۔ چھپکلی نہیں بلکہ اس کی تصویر تھی۔ جو کتاب کے پہلے صفحے پر بنی ہوئی تھی۔ چھپکلی بچپن سے میری کمزوری تھی۔ اگر میں کبھی چھپکلی دیکھ لیتا، تو میری طبیعت خراب ہو جاتی اور اس وقت بھی کتاب کے پہلے صفحے پر چھپکلی دیکھ کر مجھے سخت وحشت کا احساس ہوا تھا لیکن پھر میں نے اپنے آپ کو سمجھایا اور کہا کہ یہ تو چھپکلی ہے کوئی زندہ چیز تو نہیں ہے لیکن کتاب پر چھپکلی، بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ پھر اچانک ہی میرے ہوش و حواس گم ہو گئے کیونکہ میں نے کتاب پر بنی ہوئی چھپکلی کو ہلتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ میری بات پر یقین کریں نہ کریں کتاب پر چھپکلی کی تصویر جس انداز سے بنی ہوئی تھی۔ اس کا انداز بدل گیا تھا۔ اور دوسرے لمحے میری نگاہوں نے دنیا کا سب سے حیرت ناک واقعہ دیکھا۔ اچانک ہی چھپکلی کتاب کے صفحے پر تیزی سے چلتی ہوئی گم ہو گئی تھی۔ میرے حلق سے بمشکل تمام آواز نکلنے سے رک سکی۔ میں نے کتاب کو جلدی سے بستر پر ڈال دیا تھا۔ چھپکلی نجانے کدھر چلی گئی تھی۔ میں نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا چھپکلی بستر پر بھی نہیں تھی۔ کتاب بھی بند تھی پھر وہ کہاں چلی

گئی---؟ بہرحال کچھ لمحے میں حیرت سے دیکھتا اور سوچتا رہا۔ انسان کی فطرت میں تجسس ایسا ہوتا ہے۔ جیسے نظرانداز کرنا آسان بات نہیں ہوتی۔ میرے دل میں بھی شدید تجسس جاگ اٹھا تھا۔ کوئی بات تو سمجھ میں آئے۔ صفحے پر چھپکلی بنی ہوئی تھی اور وہ غائب ہو جائے۔ بہرحال میں اتنا بزدل بھی نہیں تھا کہ اتنی بڑی چیز کو دیکھ کر میں خاموش ہو جاتا۔ تجسس نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس کے صفحات کھول کر دیکھوں۔ میں نے اس کتاب کا پہلا صفحہ کھولا۔ کتاب کیا ڈائری ٹائپ کی ایک چیز تھی۔ جیسے ہی میں نے صفحہ کھولا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی سرسراتی ہوئی میرے ہاتھ سے گزری ہو۔ میں نے جلدی سے ہاتھ جھٹک دیا اور اس کے بعد پھر ادھر ادھر دیکھا۔ چونکہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں نے چھپکلی دیکھی ہے اس لئے مجھے اس بات کا شبہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈائری کا پہلا صفحہ کھولا تو یہ صفحہ سادہ تھا۔ دوسرا صفحہ بھی سادہ پھر تیسرا اور چوتھا صفحہ بھی لیکن جب اچانک ہی میں نے پانچواں صفحہ کھولا تو مجھے چھپکلی کی تحریر مجھے نظر آئی۔ وہ تحریر تھی۔ لکیروں کی شکل میں چھپکلی بنی ہوئی لیکن اس میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ بالکل یہ لگتا تھا جیسے کسی نے چھپکلی کا ڈائزئن بنا کر کچھ لکھنے کی کوشش کی ہو۔ کالے رنگ کی سیاہی سے سب کچھ لکھا گیا تھا اور اس وقت مجھے انتہائی وحشت ہوئی جب میں اس تحریر کو بھی حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ آخر کیا ہے یہ سب کچھ---؟ کیا ہے---؟ پھر دفعتاً" ہی میرے ہاتھ سے کتاب بستر پر گر پڑی۔ سچ مچ ایک چھپکلی بستر پر دوڑنے لگی تھی۔ میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ دل اس زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے پسلیاں توڑ کے باہر نکل جائے گا۔ میں اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے ایک نظر اس سیاہ ڈائری پر ڈالی اور پھر بستر پر دوڑتی ہوئی چھپکلی پر--- آہ--- واقعی وہ چھپکلی تھی لیکن عام سائز سے کہیں زیادہ بڑی چھپکلی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کی دونوں آنکھیں موتیوں کی طرح اوپر کو ابھری ہوئی تھیں۔ اس کا رنگ گہرا سرخ تھا اور وہ اس طرح مجھے گھور رہی تھی جیسے ان میں نفرت بسی ہوئی ہو۔ پھر اچانک ہی اس چھپکلی نے ایک چھوٹا سے منہ کھولا اور مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ پر چھلانگ لگائے گی۔ اب میرے حواس جواب دے گئے تھے۔ میں نے فوراً" ہی باہر کی جانب دوڑ لگا دی لیکن یہ بھول گیا تھا کہ دروازہ تو میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے بند

کیا تھا۔ میں اس بری طرح دروازے سے ٹکرایا کہ دروازے کی کنڈی کھل گئی لیکن میرے سر میں چوٹ لگ گئی تھی اور آنکھوں میں تارے ناچنے لگے تھے۔ بڑی مشکل سے میں نے دروازہ کھولا۔ دو قدم آگے بڑھائے لیکن چکر اتنے زور سے آ رہا تھا کہ میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور شاید زمین پر گر پڑا تھا۔ پھر اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ میری یہ بے ہوشی نجانے کتنی طویل تھی۔ لیکن جب ہوش آیا تو بستر پر لیٹا ہوا تھا اور امی کچھ پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ دلدار چچا سرہانے تسبیح لئے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ اور ملازم دروازے کے باہر دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے ہوش آیا تو دلدار چچا نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! ہوش آ گیا ہے انہیں--- میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے--- بس شاید چکر آ گیا ہو گا---"

"کیا ہوا تھا تجھے---؟ فیروز بیٹے! کیا ہو گیا تھا---؟" امی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے امی کو دیکھنے لگا---

"کیا ہوا تھا میرے لال---؟ مجھے کچھ بتا تو سہی کیا ہوا تھا---؟" لیکن میری زبان نہ کھل سکی۔ کیا بتاتا امی کو---؟ کیا وہ انوکھی کہانی سناتا جس کا نہ کوئی سر تھا نہ پاؤں۔ کوئی بات خود میری سمجھ میں آتی تو امی کو بتاتا۔ میں تو خود ششدر تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ امی سے کیا کہوں---؟

"بولتا کیوں نہیں تو---؟" امی نے کہا لیکن میرے ذہن میں بھی چھپکلیاں تھیں۔ آنکھوں کے سامنے بھی چھپکلیاں ناچ رہی تھیں۔ دلدار چچا نے کہا۔

"اصل میں بیگم صاحبہ! بہتر تو یہ ہو گا کہ اس وقت آپ چھوٹے صاحب کو پریشان نہ کریں۔ یقینی طور پر کوئی ایسی چیز دیکھ لی ہے جسے دیکھ کر دل بے قابو ہو گیا ہے اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"مگر کہاں--- کیسے دیکھ لی---"

"شاید--- چھوٹے میاں کمرے میں تھے بڑے صاحب کے کمرے میں---"

"تو بولتا کیوں نہیں ہے فیروز---؟ بول--- بولتا کیوں نہیں ہے---؟" بڑی مشکل سے میں نے اپنی زبان سے الفاظ نکالے اور بولا۔

"امی--- دلدار چچا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بس ایسا ہی کچھ ہو گیا تھا۔"

"مگر کیا---؟"

"امی--- میں--- مجھے شاید یاد نہیں---"

"تو ٹھیک تو ہے نا---"

"امی--- میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس ہلکا سا چکر آ گیا تھا" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ پیشانی زخمی نہیں ہوئی تھی۔ بس سر ٹکرایا تھا یا چکر آیا تھا یا پھر ہو سکتا ہے چکر خوف سے ہی آیا ہو امی تھوڑی دیر بیٹھی رہی پھر انہوں نے دلدار چچا سے کہا۔

"میں ذرا نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ آپ اس کے پاس رہیے اور اس کا خیال رکھیے۔"

"آپ فکر نہ کریں بیگم صاحبہ! میں ہوں---" دلدار چچا نے کہا۔ پھر دوسرے ملازموں سے بولے۔

"ٹھیک ہے--- تم لوگ جاؤ--- سب ٹھیک ہے" ملازم چلے گئے اور امی بھی باہر نکل گئیں۔ دلدار چچا میرے پاس بستر پر بیٹھ گئے تھے۔ چند لمحات کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا۔

"بیٹے--- کیا ہوا تھا--- کچھ تو دیکھا ہو گا---؟"

"دلدار چچا--- کوئی خاص بات نہیں--- میں ابو کے کمرے میں تھا۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے تم وہیں سے نکل کر باہر آئے تھے اور شاید تمہارے حلق سے چیخ بھی نکلی تھی۔ میں نے راہداری سے گزرتے ہوئے سنا تھا۔"

"ہاں--- بس ایسا ہی نجانے کیا ہو گیا تھا---؟ چکر سا آ گیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آپ ایک کام کریں دلدار چچا---"

"ہاں--- ہاں--- بولو---"

"ابا جان کے کمرے میں گئے آپ اس کے بعد---"

"نہیں---"

"کتنی دیر بے ہوش رہا ہوں میں---"

"زیادہ نہیں کوئی آدھا گھنٹہ---"

"آپ ایسا کریں کہ میں وہاں پر ایک ڈائری دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈائری مسہری پر پڑی ہوئی ہے ذرا اسے صاف کر کے یہاں لے آئیں۔"

"ڈائری۔"

"جی---"

"اچھا--- میں دیکھ لیتا ہوں۔" دلدا چچا نے کہا اور پھر وہ بھی کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ وہ چلے تو اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ دلدار چچا کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ بہرحال وہ ہمارے ہمدرد بھی تھے اور ہمارے پہلے بزرگ کا درجہ بھی رکھتے تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار کرتا رہا پھر چند لمحات کے بعد دلدار چچا ڈائری ہاتھ میں پکڑے میرے پاس آ گئے۔ کالی خوفناک ڈائری ان کے ہاتھ میں تھی اور وہ ایسے مطمئن تھے جیسے انہیں کوئی واقعہ نہ پیش آیا ہو۔ انہوں نے ڈائری میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"یہی تھی نا--- چھوٹے میاں۔"

"ہاں--- میں نے ڈرتے ڈرتے ڈائری ان کے ہاتھ سے لے لی لیکن میرے اندر جھرجھری سی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے ان سے کہا۔

"آپ نے اسے صاف کر لیا ہے نا---"

"ہاں میاں--- میز پر رکھی تھی۔ گرد جمی ہوئی تھی۔ میں نے تو پہلے مسہری پر دیکھا تھا۔ آپ نے یہ بتایا تھا نا کہ مسہری پر پڑی ہوئی ہے مگر یہ میز پر رکھی ہوئی تھی۔ آپ شاید بھول گئے تھے۔"

"کیا--- میرا منہ حیرت سے کھل گیا---"

"ہاں۔"

"نہیں--- یہ تو مسہری پر پڑی ہوئی تھی۔"

"نہیں میاں آپ کچھ زیادہ ہی بدحواسی کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ تو احتیاط سے میز پر رکھی تھی۔" میرا دل بڑی زور زور سے دھڑکنے لگا میں نے پھر پوچھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ اسے میز پر ہی سے اٹھا کر لائے ہیں۔"

"ہاں چھوٹے میاں--- کیوں پوچھ رہے ہیں---؟"

"ب--- بس--- آخر میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ دلدار چچا کو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا جا سکتا تھا لیکن ایک بات میں پورے دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ میں نے مسہری پر ہی یہ ڈائری پھینکی تھی۔ پھر یہ ڈائری میز پر کیسے پہنچ گئی---؟ بہت سے واقعات میرے ذہن میں گزرے ممکن ہے کہ امی ابا جان کے کمرے میں گئی ہوں اور یہ جاننے کیلئے کہ آخر مجھے وہاں کیا واقع پیش آیا---؟ ڈائری بستر پر دیکھ کر انہوں نے اٹھا کر میز پر رکھ دی ہو۔ بہرحال کچھ نہ کچھ تو دل کو ڈھارس دینی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے ڈائری اپنی مسہری کے سرہانے رکھ کر سوچ میں ڈوب گیا۔ امی چونکہ دلدار چچا کو ہدایت دے کر گئی تھیں۔ کہ ان کی واپسی تک وہ کمرے سے کہیں نہ جائیں۔ اس لئے دلدار چچا بھی سامنے پڑے ہوئے سٹول پر بیٹھ گئے تھے۔ میں سوچ میں ڈوبا رہا کچھ دیر کے بعد امی نماز پڑھ کر واپس آ گئیں۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور بولیں۔

"تمہیں ہوا کیا تھا آخر---؟" جواب میں میں مسکرا دیا اور میں نے کہا۔

"بس--- ایسے ہی امی! ابو کے کمرے میں تھا۔ ابو کا خیال دل میں آیا ان کی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ امی ابو کے کمرے میں ایک صندوق رکھا ہوتا تھا۔ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔"

"یہ صندوق حویلی سے لیکر آئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے اسے محفوظ کر لیا تھا۔ ایک بار میں نے پوچھا بھی! تو کہنے لگے کہ بس کچھ ایسی ہی صورتحال ہے۔ اس کے بارے میں نہ پوچھو تو اچھا ہے--- تم جانتے ہو کہ جب وہ کوئی بات اس طرح کہہ دیا کرتے تھے تو میں پھر اس بات کو جاننے کیلئے ضد نہیں کرتی تھی۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا۔"

"صندوق حویلی سے لائے تھے۔" میں نے چونکا کر کہا۔

"ہاں--- کیوں---؟"

"نہیں--- ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔ اصل میں میں نے اس صندوق کو دیکھا تھا۔"

"کھول کر دیکھا تھا---"

"ہاں---"

"کیا نکلا اس میں---؟"

"ایک بات بتایئے امی! آپ نے کبھی اس صندوق کو کھولنے کی کوشش کیوں نہیں کی---؟" امی نے ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

"میں کیا تلاش کرتی اس میں---؟"

"نہیں--- میرا مطلب ہے انسان کو تجسّس تو ہوتا ہی ہے۔"

"دیکھو! اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ نہ دولت کا کوئی مسئلہ ہے نہ خزانے کا' ایک دو بار میں نے اس صندوق کے بارے میں سوچا تو میرے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے اس میں کوئی قیمتی شے رکھی ہو۔ جس کی وجہ سے انہوں نے سنبھال کر اپنے بستر سے رکھا ہے۔ بس--- ان کے جانے کے بعد تو میرے دل میں دنیا کی کسی شے کی طلب اس طرح باقی نہیں رہی اس لئے میں نے صندوق پر غور بھی نہیں کیا۔ تم نے دیکھا کیا ہے اس میں---؟"

"ہاں---"

"اس میں ایک ڈائری رکھی ہوئی ملی ہے۔"

"کیا لکھا ہے اس ڈائری میں---" امی نے سوال کیا۔

"یہ کہ کوئی اسے کھول کر نہ دیکھے۔"

"ہیں---"

"ہاں---"

"اچھا ایک بتائیں جب میں اس کمرے سے واپس آگیا تھا۔ میرا مطلب ہے بے ہوشی کے عالم میں تو آپ اس کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔"

"نہیں---"

"بس--- میں نے ایسے ہی پوچھا۔"

"کوئی خاص بات ہے کیا---؟"

"نہیں امی--- آپ یقین کیجئے کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے بس

ایسے ہی سوال کر لیا تھا آپ سے۔"

"پتا نہیں--- تمہاری باتیں کچھ کچھ عجیب سی ہیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"امی میں آپ کو کیا سمجھاؤں گا---؟ بس اپنی حالت بہتر رکھئے کچھ ایسے کاروباری مسئلے ہیں جو مجھے الجھائے ہوئے ہیں۔ اصل میں آپ کو یہ بات تو معلوم ہے کہ کاروبار کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ آپ یقین کیجئے--- کہ آج بھی میرا دل کہتا ہے کہ میرے تینوں بھائی واپس آ جائیں گے--- امی--- آپ دل کی باتوں پر یقین رکھتی ہیں۔" امی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہیں۔ میں نے جلدی سے بات بنانے کیلئے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ ضرور واپس آ جائیں گے۔ جب تک ہمیں ان کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں مل جاتے میں' آپ کیسے یقین کر سکتے ہیں---؟ کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔" امی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے بات بتانے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی موثر بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس لئے نجانے کیا سے کیا بولتا چلا جا رہا تھا۔ پھر میں نے خاموشی ہی میں مصلحت سمجھی۔ کچھ دیر کے بعد حالات نارمل ہو گئے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اس پراسرار ڈائری سے مجھے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اگر اس کے اندر کوئی سنگین راز چھپا ہوا ہے تو اس راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ انسان اس قدر بزدل نہیں ہوتا کہ بہت سی احتیاتوں' بہت سی حقیقتوں کو نظرانداز کر دے۔ یہ کسی طور مناسب نہیں ہے غرض کہ میں نے اپنے آپ کو بہت سنبھال لیا تھا۔ وہ ڈائری میں نے ایک الماری میں محفوظ کر دی اب وہ میرے لئے بڑی اہمیت اختیار کر گئی تھی۔ پھر رات کو میں نے اسے الماری سے باہر نکالا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے اپنے دل کو بے حد مضبوط کر لیا تھا۔ چھپکلی کا خوف اپنی جگہ لیکن ڈائری کے بارے میں معلومات کرنا بڑی ضروری تھا۔ میں اپنے آپ کو سنبھال کر تیز روشنی میں آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر ایسی کوئی چیز میرے سامنے آئی تو میں اس سے خوف نہیں کھاؤں گا اور اس وقت صورتحال بلاشبہ خوفناک ہی تھی۔ کیونکہ میں اصل بات تو سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ بڑی

عجیب بات تھی یہ کہ جب میں نے ڈائری کا پہلا صفحہ کھولا تو وہ چھپکلی اس پر موجود نہیں تھی۔ میں نے دوسرا۔۔۔ تیسرا۔۔۔ اور چوتھا صفحہ کھولا۔۔۔ یہ تمام صفحات سادہ تھے۔ بعد کے صفحات پر یوں لگتا تھا جیسے ان پر خاص رنگ کی سیاہی سے کچھ لکھا گیا ہو لیکن وہ سیاہی ایسی تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہلکی پڑتی جاتی ہے۔ ایسی تحریر اس پر موجود تھی لیکن اس کا ایک بھی لفظ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ میں ڈائری کو آخری صفحے تک پڑھتا چلا گیا اور پھر چند صفحات سے جو نتیجہ اخذ کیا۔ اس میں حویلی حیدر شاہ کا تذکرہ خاص طور سے تھا۔ یہ الفاظ میں نے واضح طور پر پڑھے تھے اور ان کو پڑھنے کے بعد میرے دل میں ایک انوکھا تجسس بیدار ہو گیا تھا۔ حویلی حیدر شاہ جس میں میرے تینوں بھائی گم ہو گئے تھے۔ ایک بھائی کی حیثیت سے یہ بات میرے لئے ناقابل یقین اور ناقابل برداشت تھی۔ کہ میرے بھائی اس طرح گم ہو جائیں اور میں صبر کر کے بیٹھ جاؤں۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ اب اگر ان کی لاشیں دستیاب ہو چکی ہوتیں تو ہو سکتا ہے کہ شاید خوب بھی دامن گیر ہوتا اور یہ احساس بھی کہ اب ماں کیلئے صرف میں رہ گیا ہوں لیکن اگر ان کی لاشوں کا کوئی پتا نہیں چل سکا ہے۔ تو پھر میں انہیں اس طرح ناراض نہیں کر سکتا۔ اب تک تو ابو کی موت کی وجہ سے اور دوسرے سنگین حالات کی وجہ سے میں کوئی ٹھوس فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ کاروبار بہرحال ضائع کرنے کی چیز نہیں ہوتی۔ اسے بھی دیکھنا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی بھائیوں کو نظرانداز کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں نے دل میں سوچا کہ بہرحال کوئی ترکیب کر کے میں حویلی میں ضرور جاؤں گا اور وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا امی کی حالت بمشکل تمام سنبھلی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ بیمار ہوں۔ اس لئے انہیں حقیقت نہیں بتائی جا سکتی تھی۔ البتہ حویلی جانے کیلئے انتظامات کرنے ضروری تھے۔ یہ بات میرے دل میں جڑ پکڑ گئی تھی کہ مجھے حویلی کا جائزہ ضرور لینا چاہئے۔ چاہے اس کے لئے کتنے ہی سنگین نتائج کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ پھر میں نے ڈائری اپنی جگہ محفوظ کر دی۔ اب چھپکلی کا خوف میرے دل سے نکل گیا تھا۔ جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نا ہو جائیں۔ بہرحال میں اس معاملے کو نظرانداز تو نہیں کر سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرے دل میں

اپنے بھائیوں کی لگن تھی۔ حالانکہ اقبال بیگ بھی اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکے تھے لیکن۔۔۔ پھر بھی میں جس بے چینی اور بے قراری کے ساتھ اس بارے میں قدم اٹھا سکتا تھا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں۔ امی کی حالت ایک دن کافی بہتر پائی تو میں نے ان سے کہا۔

"امی۔۔۔ کاروبار ویسے تو سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں ایک بار ذرا صحیح طریقے سے ان علاقوں کا دورہ کر لوں جہاں صرف ہمارے ملازمین کام کر رہے ہیں۔ آپ دیکھئے نا ویسے تو وہ ٹھیک ٹھاک ہی لوگ ہیں لیکن پھر بھی جب انہیں یہ اندازہ ہو گا کہ میں کبھی ان پر غور ہی نہیں کرتا تو وہ جو دل چاہے کر سکتے ہیں۔ یہ چیز مناسب تو نہیں رہے گی۔" امی کے چہرے پر پریشانی کے سائے ابھر آئے۔ کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولیں۔

"ظاہر ہے میں اپنے لئے تم سے دنیا تو نہیں چھڑا سکتی۔ جانا تو پڑے گا تمہیں اور مجھے برداشت بھی کرنا پڑے گا۔ جو کچھ ہوا ہے اور جس نے ہماری زندگی کو زخم بنا دیا ہے جس وہ احساس میرے دل کو مارتا ہے۔"

"اگر آپ منع کریں گی امی۔۔۔ تو میں نہیں جاؤں گا۔"

"نہیں۔۔۔ میں منع نہیں کروں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کب تک میں تمہیں روکوں گی۔ لیکن بیٹے۔۔۔ اپنا خیال رکھنا۔ کوئی ایسا کام نہ ہونے دینا جو تمہیں کوئی نقصان پہنچا دے اگر چاہو تو اپنے ساتھ۔"

"نہیں امی۔۔۔ اپنے ساتھ میں کسی کو نہیں لے جاؤں گا۔ اصل بات یہی ہے کہ میں نے امی کو راضی کر لیا۔ اور اپنی دونوں بہنوں کو بلا کر بتا دیا تو انہوں نے بھی مجھے اجازت دے دی۔ بس پھر میں تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ تیاریاں کیا کرنی تھیں بس ایک اٹیچی میں کپڑے اور ضرورت کا دوسرا سامان رکھا۔ اپنے طور پر چونکہ میں نے امی کو یہ بتا دیا تھا کہ میں خفیہ طریقے سے تمام کام کا جائزہ لوں گا۔ اس لئے ذریعہ سفر بھی بس عام لوگوں ہی کا سا رکھا تھا۔ امی کی اجازت مل چکی تھی۔ چنانچہ میں نے اور کسی سے تذکرہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔ وہ ڈائری میں نے اپنے لباس میں رکھنے سے پہلے ایک بار پھر کھول کر دیکھی اور یہ دیکھ کر میری حیرت اور خوف میں اضافہ ہو گیا کہ

ڈائری کے پہلے صفحے پر چھپکلی کی تصویر موجود تھی۔ میں نے جلدی سے وہ صفحہ الٹ دیا لیکن دوسرے۔۔۔ تیسرے اور چوتھے صفحے پر بھی وہی تصویر موجود تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے میرے صفحے پلٹنے کے ساتھ ساتھ چھپکلی بھی اپنا سفر کر رہی ہو۔ یہاں تک کہ میں جو کافی دنوں کے بعد جو اس قابل ہو چکا تھا کہ چھپکلی کے خوف سے نجات پا لوں ایک بار پھر خوفزدہ ہو گیا لیکن بہرحال میں نے ڈائری بند کر کے اپنے اوور کوٹ کے اندرونی حصے میں محفوظ کر لی تاکہ وہ میرے پاس بھی رہے اور مجھے اس کی موجودگی کا احساس بھی نہ ہو۔ پھر اس کے بعد میں نے خاموشی سے گھر چھوڑ دیا۔ کسی کو بھی بتاتا تو نجانے کیا کیا چکر چلتا رہتا۔۔۔؟ البتہ ایک کام میں نے خاص طور سے کیا تھا وہ یہ کہ ایک شاندار ریوالور اور ایمونیشن بھی کافی تعداد میں احتیاط سے اپنے لباس میں محفوظ کر لیا تھا اور اس کے بعد میں گھر سے نکل آیا تھا۔ مکان کے پچھلے حصے میں پہنچا تو ایک عجیب سے خوف نے ذہن پر اثر کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنے آپ کو لاکھ سمجھایا کہ یہ خوف میرے اپنے اندر ہے اور مجھے اسے خوف میں نہیں ہونا چاہئے۔ پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ کیوں نا سفر کا وقت بدل دوں اور رات کے اس ماحول میں سفر کرنے کے بجائے دن کی روشنی میں سنگل پور کیلئے نکلوں۔ لیکن اب گھر سے نکل آیا تھا تو اپنا فیصلہ بدلنا نہیں چاہتا تھا۔ تاریک اور بھیانک رات چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور کہیں دور شاید بارش بھی ہو رہی تھی۔ بہرحال۔۔۔ میں وہاں سے چل پڑا۔ مجھے علم تھا کہ سنگل پور جانے کیلئے بسیں کہاں سے ملتی ہیں۔۔۔؟ اچھی خاصی رات ہو گئی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے کیا احمقانہ ذریعہ سفر اختیار کیا ہے۔ ضروری تو نہیں تھا کہ ان پراسرار حالات میں۔۔۔ میں باہر نکلوں۔ مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے مجھے اس سفر کیلئے آمادہ کیا تھا۔ میں لاری اڈے کی جانب جا رہا تھا۔ اس کے لئے بھی میں نے پیدل ذریعہ سفر اختیار کیا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس وقت میں گھر سے کیوں نکل آیا ہوں۔۔۔؟ مجھے روکنے والا کون ہوتا۔۔۔؟ واقعی اس وقت مجھے کوئی عجیب ہی قوت نکال کر لے آئی تھی لیکن پھر میں نے دل میں سوچا کہ اگر ایسا ہی ہے اور میں کسی قوت کے زیر اثر سفر کرنے پر مجبور ہوں تو پھر مجھے اسی انداز میں آگے بڑھنا چاہئے۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں بالآخر لاری اڈے پہنچ گیا۔ دور کہیں میونسپل ٹاور کے گھنٹے نے گھنٹے بجانا شروع کر دیئے تھے۔ یہ ٹاور کافی فاصلے پر تھا لیکن اتنی بلندی پر تھا کہ اس پر دور سے نظر ڈالی جا سکتی تھی اور چونکہ اس کے پیچھے لائٹیں جلتی تھیں۔ اس لئے اس کے ہندسے بھی چمکتے نظر آتے تھے۔ بہرحال۔۔۔ میں تھوڑے فاصلے پر پہنچنے کے بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں بس کیلئے بکنگ ہوا کرتی تھی۔

"سنگل پور کیلئے بس کتنی دیر میں جائے گی۔۔۔؟"

"نہیں صاحب۔۔۔ سنگل پور کی آخری بس جا چکی ہے۔ بکنگ کلرک نے مجھے بتایا۔"

"جا چکی ہے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ اسے تو آدھا گھنٹہ ہو گیا۔۔۔"

"اور۔۔۔ ہاں کوئی بس نہیں جائے گی۔"

"نہیں صاحب۔۔۔ صبح سے پہلے کوئی بس نہیں جائے گی۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔۔۔؟"

"آپ کو اگر ضروری جانا ہے آپ صبح چلے جائیے۔۔۔"

"نہیں بھائی۔۔۔ گھر سے نکل آیا ہوں تو اب جانا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر آپ ایسا کریں کہ آپ نواب پور کی گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ نواب پور سے سنگل پور کا فاصلہ صرف 5 کلو میٹر ہے آپ پانچ کلومیٹر کا یہ سفر نواب پور سے سنگل پور تک پیدل بھی طے کر سکتے ہیں۔ ویسے ہو سکتا ہے آپ کو نواب پور سے سنگل پور جانے کیلئے ٹانگہ مل جائے اور ویسے بھی اگر وہاں سے کوئی سواری نہ ملے تو سڑک پر پیدل بھی جا سکتے ہیں آپ جناب اور اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ راستے میں آپ کو آدھے گھنٹے پہلے چلنے والی بس بھی مل جائے۔"

"ایک بات بتاؤ بھائی۔"

"جی صاحب۔"

"نواب پور۔۔۔ میرا مطلب ہے یہاں سے سنگل پور جانے والی بس نواب پور ہوتی ہوئی جاتی ہے۔"

"ہاں جی۔۔۔ وہ نواب پور رکتی بھی ہے۔ اڈا ایک ہی ہے۔ آپ اس بس میں بیٹھ جائیے جو چند منٹ کے بعد جانے والی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو سنگل پور کی بس نواب پور کے اڈے پر مل جائے۔۔۔"

"ٹھیک ہے مجھے ٹکٹ دو۔۔۔" میں نے کہا اور ٹکٹ لیکر بس میں جا بیٹھا۔

اس وقت بس میں بہت کم مسافر موجود تھے۔ جو تھے وہ بھی بری طرح اونگھ رہے تھے۔ میں نے ایک نگاہ بس میں ڈالی اور اس بیمار ماحول میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میرے ذہن میں لاتعداد خیالات جنم لے رہے تھے= بہت پرانی بات تھی۔ حالات اور ماحول بالکل بدلا ہوا تھا۔ ابا جان تندرست و توانا تھے۔ جب میں ایک بار سنگل پور آیا تھا چونکہ سنگل پور سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں رہ گیا تھا۔ بس یہ ایک حویلی تھی جو اباجان نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ اس کا مصرف بھی نہیں تھا اور جو یہاں کے حالات تھے۔ ان کی بناء پر اس حویلی تک ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت میں نے سنگل پور دیکھا تھا اور وہ حویلی دیکھی تھی جو دور ہی سے مجھے دکھائی گئی تھی۔ میں کبھی حویلی میں داخل نہیں ہوا تھا اور اب بھی مجھے حویلی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ زندگی میں پہلی بار تنہا سفر کر رہا تھا۔ عمر کتنی بھی سہی۔ ذمہ داریاں کیسی بھی سہی۔۔۔ شہری زندگی کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے لیکن اس طرح کا سفر میں پہلی بار کر رہا تھا۔ اگر بیٹھا تھا تو وہ بھی کسی کو بتائے بغیر لیکن دل میں یہ وسوسے ضرور تھے کہ جس طرح میرے بھائی غائب ہو گئے ہیں کہیں وقت نے میری تقدیر میں یہ تحریر نہ لکھ دی ہو۔ بہر حال۔۔۔ اب جو کچھ بھی ہے ہمت تو میں نے بہت زیادہ کر لی تھی اور یہ سوچا تھا کہ نتیجہ کچھ بھی نکلے مجھے جانا ہے۔۔۔ اور جا کر رہوں گا۔ انہیں تمام خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ بس ست رفتاری سے چل پڑی تھی اور میں باہر پھیلے ہوئے تاریک اندھیرے کو دیکھتا رہا۔ بارش آہستہ آہستہ ہو رہی تھی کھڑکی کے شیشے چڑھانے پڑے تھے۔ پھر میں نے اپنا رخسار شیشے سے لگایا اور اس کے بعد پلکیں بند کر لیں۔ ذہن میں تھوڑی دیر تک مختلف خیالات آتے رہے۔ سنگل پور کے بارے میں سوچتا رہا۔ بھائیوں کے بارے میں سوچتا رہا۔۔۔ حویلی کے بارے میں سوچتا رہا۔ دل میں طرح طرح کی آس جنم لے رہی

تھی۔ سوچ رہا تھا کہ واپس پلٹوں اپنے تینوں بھائیوں کے ساتھ اور اچانک امی کو سرپرائز دوں گا۔ ان سے کہوں گا دیکھئے امی! آخر میں آپ کے جگر گوشوں کو تلاش کر کے لے آیا انہی خیالات میں نیند آ گئی اور پھر جیسے ہی نیند آئی ذہن میں بنے ہوئے خیالات خواب کی شکل میں نمودار ہوئے اور میں اپنے بھائیوں کی بازیابی کا حسین خواب دیکھنے لگا۔ نجانے یہ خواب کب تک میرے وجود میں بسے رہے۔ پھر کسی نے میرا شانہ پکڑ کر ہلایا اور میں خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آیا۔ تاحد نظر باہر گہری رات پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے شانہ ہلانے والے کو دیکھا تو وہ بولا۔

"اٹھیں گے نہیں! بابو صاحب۔۔۔"

"ہیں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔؟"

"کیا آپ اپنے آپ کو اپنی کوٹھی میں سمجھ رہے ہیں۔۔۔ صاحب جی! اٹھئے یہ بس ہے۔"

"ایں۔۔۔ ہاں۔۔۔" میں نے کہا اور جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ بس رک گئی ہے۔ میں نے شانہ ہلانے والے سے پوچھا کہ "کیوں رک گئی ہے۔۔۔؟ بھائی۔"

"اس لئے کہ نواب پور آ گیا ہے۔۔۔"

"آ گیا ہے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ اسے آئے ہوئے بھی آدھا گھنٹہ گزر گیا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں نے کہا اور ہڑبڑا کر جگہ سے اٹھ گیا۔ پیروں کے پاس رکھے ہوئے اٹیچی پر ہاتھ دوڑایا تو وہاں اٹیچی نہیں تھا۔ میں نے دہشت سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اٹیچی کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ شخص مجھے گھور رہا تھا پھر بولا۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔؟"

"یہاں میرا اٹیچی تھی۔۔۔"

"اٹیچی۔۔۔"

"ہاں بھائی! میرا سارا سامان اس میں تھا۔"

"بابو صاحب! بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں آپ سفر میں اس طرح تو بندہ تو

نہیں سو جاتا۔ یہ دنیا ہے۔ ہاتھ تو صاف کر دیا ہو گا کسی نے آپ کے سامان پر۔ کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"ہیں---" میں نے خوف بھری آواز میں کہا۔

"ہاں جی--- اٹیچی سے اب ہاتھ دھو لیجئے۔ ایسے کیس تو اکثر ہوتے رہتے ہیں۔"

"او--- میں نے پریشانی سے کہا۔"

"آپ کو سونا ہی نہیں چاہئے تھا جی۔ کوئی مسافر آپ کو سوتا پا کر آپ کا سامان اڑا لے گیا۔ اب تو گاڑی کو بھی اتنی دیر ہو گئی یہاں کھڑے ہوئے۔"

"ایک بات بتا دو بھائی۔"

"ہاں جی--- بولو۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک بس سنگل پور کیلئے آئی تھی کیا وہ چلی گئی ہے---؟"

"ہاں جی--- وہ تو جا چکی ہے۔ بہت دیر ہو گئی۔"

"کوئی اور گاڑی مل سکتی ہے۔ سنگل پور تک کیلئے۔"

"نہیں جی--- اتنی رات گئے ادھر کون جائے گا---؟ اور پھر سنگل پور کوئی اتنی بڑی جگہ بھی نہیں ہے۔ ابھی ایسا کرو ادھر ہی تھوڑا سا وقت گزار لو۔ صبح کو سنگل پور نکل جانا۔"

"یہ تو بڑی مشکل ہو گی---" میں نے پریشانی سے کہا۔ بہر حال--- گاڑی سے نیچے تو اترنا ہی تھا۔ نیچے اترنے کے بعد میں کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ سردی چونکہ شروع ہی سے زیادہ ہو گئی تھی۔ خاص طور سے بارش نے سرد ہوائیں چلا دی تھیں اور سرد ہواؤں نے بھی موسم سرد کر دیا تھا۔ اسے میں اپنی خوش بختی ہی کہہ سکتا تھا کہ سرد موسم کی وجہ سے میں نے اوور کوٹ پہن لیا تھا کہ کمبل کا بھی کام دے گا اور اوور کوٹ چونکہ میرے بدن پر تھا۔ اس لئے بہت سی چیزیں بچ گئی تھیں۔ ورنہ شاید رقم--- ریوالور--- اور وہ ڈائری بھی میرے پاس سے غائب ہو جاتیں۔ میں نے ان چیزوں کی موجودگی کا احساس کیا اور اس کے بعد ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب یہ احساس ہو

رہا تھا کہ رات کے وقت میں نے یہ سفر اپنے لئے عذاب مول لینے ہی کے لئے کیا ہے۔ تاریکی میں کسی کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس کا وہ کنڈکٹر جس نے مجھے جگایا تھا کسی ایسی جگہ چلا گیا تھا جہاں سے اسے سردی سے نجات مل سکے۔ تاحد نظر کوئی ایسا انسان بھی نظر نہیں آ رہا تھا کہ کسی سے میں کچھ پوچھ لوں' میری پریشانی عروج کو پہنچ رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ واقعی میں نے جلد بازی کی ہے کہیں یہ جلد بازی مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ بہتر یہ ہوتا کہ رات کو باہر نہ نکلتا' بس کچھ عجیب و غریب وحشت ذہن پر سوار ہوئی تھی اور کبھی کبھی یہ احساس ہوتا تھا کہ اس وحشت کا میری اپنی عقل سے کوئی تعلق نہیں ہے اس تاریکی میں تو یہ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ جیسا کہ میرے شہر کے لاری اڈے پر کلرک نے مجھے بتایا تھا کہ میں پیدل بھی سفر کر سکتا ہوں' پیدل سفر کروں تو کس طرف' کون سا راستہ سنگل پور کو جاتا ہے؟ یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی' اچانک ہی مجھے ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی ایک آواز سنائی دی اور میرا سانس رک گیا۔ میں بغور اس آواز کو سننے لگا۔

○

یہ آواز گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز تھی غالباً" کوئی تانگہ—— کیونکہ کوئی گھوڑے سوار اگر اس طرح گزرتا تو اس کی آواز یہ نہ ہوتی' میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگا' جدھر سے یہ آواز آ رہی تھی لیکن کچھ نظر نہیں آیا البتہ یہ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ آواز قریب سے قریب تر آتی جا رہی ہے بہرحال تھوڑی دیر کے بعد ایک تانگہ میرے سامنے آ کر رک گیا' مجھے تعجب ہوا کہ مجھے تو تانگہ والا نظر نہیں آیا تھا لیکن تانگے والے کو میں کیسے نظر آ گیا۔

گھوڑے کے نتھنوں سے تیز سانس کی آواز نکل رہی تھی۔ میں نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تانگے والے کو دیکھا اور پھر دوڑتا وا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"سنو بھائی' میں نے اسے مخاطب کیا——"

"جی بابو صاحب——" تانگے سے آواز سنائی دی۔

"بھائی کیا تم مجھے سنگل پور لے جا سکتے ہو۔"

"سنگل پور——"

"ہاں بھائی دیکھو میں تمہیں منہ مانگے پیسے دوں گا اصل میں مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا سمجھے——؟"

"آیئے بابو صاحب بیٹھ جایئے" اس نے کہا۔

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے سے چڑھ کر تانگے پر جا بیٹھا۔

"کوئی اور بھی ہے آپ کے ساتھ بابو صاحب——؟"

"نہیں۔"

"چلوں——"

"ہاں بھائی——"

"چل بہادر——" تانگے والے نے شاید گھوڑے کو مخاطب کیا تھا اس وقت تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ میری تقدیر نے میری مدد کی تھی اور یہ تانگہ ادھر آ گیا تھا۔

گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا تو میں نے تانگے والے کو مخاطب کیا۔

"اس وقت تم کہاں جا رہے ہو' میرا مطلب ہے کہاں جا رہے تھے——؟"

"بس بابو جی ہمیں پتہ تھا کہ سواری ہمارا انتظار کر رہی ہے" تانگے والے کی آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب——؟"

"ہاں جی' بس' پتہ تو چل جاتا ہے——"

"مگر کیسے——؟ کیا اکثر سواریاں یہاں سے سوار ہوتی ہیں۔"

"اکثر تو نہیں بابو صاحب۔"

"تو پھر——؟" جواب میں تانگے والا ہنسنے لگا تو میں نے کہا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" تانگہ خوب تیز چل رہا تھا میں نے کہا۔

"سنو تانگے والے رات بہت گہری ہے بے شک تم ان راستوں کے بارے میں جانتے ہو گے لیکن پھر بھی تانگہ ذرا آہستہ چلاؤ۔

تانگے والے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پلٹ کر نگاہ دوڑائی تاریکی بے شک کافی تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ جہاں کوچوان بیٹھتے ہیں وہ جگہ مجھے نظر نہ آئے میں نے دیکھا کہ کوچوان موجود نہیں ہے۔ تب میں نے کہا۔

"تانگے والے——" تب مجھے کوئی جواب نہیں سنائی دیا۔ میں ایک دم سیدھا ہو گیا تھا' تانگے میں میرے علاوہ اور کسی اور کا متنفس کا وجود نہیں تھا۔ گھوڑے کی لگامیں تانگے کے ایک لوہے سے لٹکی ہوئی تھیں اور گھوڑا اتنی برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا کہ میرے حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ گھوڑا کسی چیز سے خوفزدہ ہو' میرا دل انجان خوف سے زور زور دھڑکنے لگا۔ میں ایک بار پھر پوری قوت سے چیخا۔

"تانگے والے تم کہاں ہو" لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا' نہ ہی گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی ہوئی تھی۔

"میں پوچھتا ہوں کہاں مر گئے تم---؟ کیا کہیں گر پڑے ہو---؟" میری آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تھی' میں نے بوکھلا کر کانوں پر ہاتھ رکھ لئے' میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوب رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں ختم ہو گئی تھیں' آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہوں' تانگہ برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور میں تاریکی کا پردہ چیر کر خلاء میں گھور رہا تھا۔ جسم میں ہلنے جلنے کی قوت بھی نہ رہی تھی' اعصاب ختم ہو گئے تھے اور میرے اندر اتنی ہمت تک پیدا نہیں ہو پا رہی تھی کہ میں گھوڑے کی لگامیں کھینچ لوں' بہر حال یہ برق رفتاری میرے لئے ناقابل یقین تھی' میں بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ میں تانگے سے نیچے گر جاتا کہ میرے جسم کو جھٹکا لگا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور تانگے کے ایسے حصے پکڑ لئے جنہیں میں مضبوطی سے پکڑ سکتا تھا بس اب مجھے یہ خوف تھا کہ کچھ ہونے والا ہے' گھوڑا جس رفتار سے دوڑ رہا ہے اگر کوئی پتھر کا بڑا سا ٹکڑا ابھی اس کے پہئے کے نیچے آگیا تو تانگہ الٹ جائے گا' گھوڑے کے دوڑنے کی رفتار کو بھی محسوس نہیں کر سکتا تھا اور اب کیا کروں--- کیا کرنا چاہئے تانگہ کتنی دیر دوڑا۔ مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا پھر گھوڑے کی رفتار سست ہوتی ہوئی محسوس ہوئی میرے دل میں بس ایک ہی آرزو تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے تانگہ رک جائے اور جیسے ہی وہ رکے میں اس سے نیچے کود پڑوں لیکن تانگہ دوڑ رہا تھا جب رفتار سست ہوئی تو میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی' پھر تانگہ ایک دم رک گیا اور میں وحشت زدہ انداز میں نیچے اتر گیا۔ میرے سارے وجود میں سرد لہریں دوڑ رہیں تھیں' لیکن پورا جسم پسینے سے تر تھا اور پسینے کی وجہ سے ٹھنڈ بھی لگ رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آہ کیسے خوفناک واقعات ہیں یہ' میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ گھر سے باہر قدم رکھتے ہی مجھے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن بہرحال جو کچھ تھا ہو رہا تھا' بمشکل تمام میں نے اپنے اپ کو سنبھالا' پھر اچانک ہی مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ گھوڑے کے قدموں کی چاپ نہیں تھی بلکہ انسانی قدم

ہی تھے میں نے پلٹ کر جلدی سے دیکھا تو لوہے کا ایک عظیم الشان پھاٹک اپنی نگاہوں کے سامنے پایا' آنکھیں اس قدر تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں کہ اب میں اس پراسرار عمارت کو دیکھ سکتا تھا جو زمانے کی سرد و گرم کا مقابلہ کرتے ہوئے کالی سیاہ ہو گئی تھی' عمارت کے گیٹ کے پاس آ کر کوئی رکا تھا' لوہے کے گیٹ کے تالے میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی تھی' آہستہ آہستہ ایک بھیانک آواز فضا میں ابھری اور آہنی پھاٹک کھل گیا پھر اندر سے آنے والا گھوڑے اور تانگے کے پاس آ کر کھڑا ہوا میں تاریکی میں اس کا ہیولا دیکھ رہا تھا۔

"کک کون ہو تم---؟" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کا خادم ہوں مالک' آپ کا غلام' رامو ہے میرا نام---"

اندھیرے میں کوئی عجیب سی چیز چمکی اور مجھے اسے سمجھنے میں دقت پیش آئی' وہ جو کوئی بھی تھا اس کا رنگ کالا سیاہ تھا صرف اس کے سفید سفید دانت اور چمکیلی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

"رامو---؟" میں نے سوال کیا۔

"جی سرکار۔"

"مگر تم---؟"

"مالک آپ کا نمک کھایا ہے ہم نے---"

"تم مجھے کیسے پہچانتے ہو---؟"

"کہا نا مالک' نمک کھایا ہے آپ کا---"

"مم مگر مجھے تو---؟"

"جی سرکار آگے کہیں---؟"

"مجھے تو کبھی کسی رامو کے بارے میں نہیں بتایا گیا اور یہ حویلی---؟"

"آپ ہی کی ہے سرکار---"

"تو کیا یہ سنگل پور ہے---؟"

"اپنے گھر کو نہیں جانتے مالک" رامو بولا۔

"کیا باتیں کر رہے ہو تم میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا---؟"

"آپ اندر تو آیئے سرکار---"

"یہ سنگل پور ہے نا---؟"

"کتنی بار پوچھیں گے مالک---؟"

"اور یہ حویلی---؟"

"یہ آپ ہی کی حویلی ہے۔"

"یعنی پرانی حویلی---؟"

"ہاں---"

"مگر---؟"

"مالک آپ یہاں آ چکے ہیں---؟"

"کب---؟"

"وہ بات بہت پرانی ہو گئی---"

"تمہیں کیسے معلوم---؟"

"ہم پہچانتے ہیں آپ کو' مالک کو نہیں پہچانیں گے۔"

"رات تو بہت ہو چکی ہے رامو۔"

"جی مالک---"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو---؟"

"آپ کا انتظار مالک---"

"کیا مطلب---؟"

"ہمیں پتہ تھا کہ آپ آ رہے ہیں---"

"تمہیں پتہ تھا---؟"

"جی سرکار---"

"مگر کیسے---؟"

"ساری باتیں یہیں پوچھ لیں گے مالک اندر تو آیئے---" آیئے اس نے کہا اور گیٹ اتنا کھول دیا کہ میں اندر داخل ہو سکوں' میں نے پلٹ کر اس تانگے کو دیکھا جو اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا لیکن کوچوان کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں تھا آہ کیا ہی خوفناک

بات تھی اس منحوس کوچوان نے خود میرے پاس تانگہ لا کر روکا تھا مجھ سے بات کی تھی' سنگل پور لانے کا وعدہ کیا تھا پھر ہوا کیا---؟ کیا گھوڑے کی تیز رفتاری سے وہ تانگے سے نیچے گر پڑا۔ مگر ایسی کوئی آواز بھی نہیں سنائی دی تھی اگر وہ تانگے سے نیچے گرتا تو گرنے کی آواز بھی آتی اور وہ چیختا چلاتا بھی۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا۔

"رامو---"

"جی سرکار---"

"تمہیں اندھیرے میں نظر آ رہا ہے---"

"ہم تو یہیں رہتے ہیں مالک---"

"مجھے راستہ بتاؤ---؟"

"میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں مالک اس نے کہا" اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا بڑی حیرانی تھی مجھے' میں نے اس سے کہا۔

"رامو ایک بات بتاؤ---؟"

"جی سرکار---"

"میں نے کبھی تمہارا نام کیوں نہیں سنا تم کب سے اس حویلی میں رہتے ہو---؟"

"سرکار ہم تو بہت پرانے نمک کھانے والے ہیں آپ کے' بڑے لمبے عرصے سے یہاں ہیں اب تو یاد بھی نہیں رہا کہ ہمیں کتنا وقت یہاں ہو گیا--- آیئے مالک۔"

ہم ایک برآمدے میں داخل ہوئے اور برآمدے کی سیڑھیاں عبور کر کے ایک بڑے سے دروازے میں جسے رامو نے کھولا تھا۔ پیتل کی کیلیں لگا ہوا یہ دروازہ آج بھی بالکل نیا معلوم ہوتا تھا اور اتنا مضبوط تھا کہ رامو ہی کے بدن کی جان تھی جو اسے آرام سے کھول لیا تھا' دروازے کے دوسری جانب ایک بڑا سا ہال تھا جس پر گرد کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہال میں کئی فانوس لٹکے ہوئے تھے اور ان فانوسوں میں شمعیں روشن تھیں شمعوں کی روشنی میں' میں نے ہال کا جائزہ لیا اور اتنا خوبصورت اور قیمتی سازو سامان یہاں موجود تھا کہ اس کی مالیت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہو جائے لیکن اس

اعلیٰ درجے کے فرنیچر پر دھول کی موٹی تہہ اٹی ہوئی تھی تب میں نے پہلی بار رامو کو دیکھا' رامو ایک بوڑھا آدمی تھا لیکن اس کا بدن کسی پہلوان کے بدن کی مانند تھا اس نے پنڈلیوں تک کی دھوتی باندھی ہوئی تھی اور سفید کرتا پہنے ہوئے تھا اس کے بال بھی بالکل سفید تھے لیکن یہ سفید بال مصنوعی معلوم ہو رہے تھے کیونکہ اس کا چہرہ گہرا کالا سیاہ' آنکھیں چمکدار تھیں' یہ حیرت کی بات تھی کہ رات کی تاریکی میں اس کے دانت اور آنکھیں تو چمکتی تھیں لیکن سفید بالوں کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔۔۔

"آیئے مالک' یہاں کہاں رک گئے آگے آیئے آپ کا کمرہ تو بہت آگے ہے۔۔۔"

"مم میرا کمرہ۔۔۔؟"

"جی مالک آپ آیئے' پریشان نہ ہوں ہم جو ہیں آپ کے غلام' آپ کے راس" وہ آگے بڑھا ایک بڑے سے دروازے کے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا اس نے یہ پردہ اٹھایا تو ہم ایک کوری ڈور میں آ گئے' کوری ڈوڑ میں دونوں سمت بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے تھے' سب سے آگے جا کر اس سامنے والے دروازے پر پہنچ کر رکا اور پھر اس نے وہ دروازہ بھی اسی طرح کھولا ایک انتہائی ہولناک چرچراہٹ کے ساتھ اس سناٹے میں چمگادڑوں کے پروں کی آوازیں سنائی دیں' جیسے یہ آوازیں سن کر رات کے شہزادوں کی نیند میں خلل اندازی واقع ہوئی ہو' پھر دروازہ کھل گیا اور اندر سے سیلن کا ایک بھبکا آیا۔ دوسری طرف کا کمرہ جو تھا وہ تاریک تھا' اور رامو اندر چلا گیا تھا' میں اس تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا' لیکن کم بخت رامو مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ البتہ اس کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی پھر کچھ دیر کے بعد مجھے ایک شعلہ سا چمکتا ہوا نظر آیا۔ غالباً" ماچس جلائی گئی تھی اور چند لمحوں کے بعد ایک شمع کی روشنی نظر آئی۔ مدھم' زرد جھلملاتی روشنی' جس سے کمرے کا پر اسرار ماحول نمایاں ہو گیا تھا یہ شمع ایک آتش دان پر رکھی ہوئی تھی رامو نے کہا۔

"اوپر چھت میں فانوس ہے مالک' میں ابھی فانوس جلاتا ہوں تاکہ روشنی تیز ہو جائے' آپ اندر آ جایئے۔" میں لرزتے قدموں سے اندر داخل ہوا' مجھے حیرت تھی۔ رامو اس طرح میرے ساتھ پیش آ رہا تھا جیسے ہمیشہ سے مجھے جانتا ہو۔ اس کی ساری

باتیں ہی پراسرار تھیں اس نے کہا تھا کہ وہ میرا انتظار کر رہا تھا یا تو یہ شخص جھوٹا ہے یا حد سے زیادہ خوش آمدید' مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے نہ تو والد صاحب نے کبھی رامو نامی کسی شخص کا تذکرہ کیا تھا جو حویلی کا مستقل ملازم ہو البتہ میرے علم میں حویلی کے دو ملازموں کا نام ضرور آیا تھا' مگر وہ مر چکے تھے اور پرانی بات ہے جو وہاں واقعہ پیش آیا تھا اس کے بعد مجھے پتہ چلا تھا کہ حویلی میں کوئی ملازم نہیں ہوتا' کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ رامو یہاں کیسے ہے اور پھر اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو رامو ویسے بھی ایک ہندو نام تھا لیکن وہ جس طرح مجھ سے پیش آ رہا تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حویلی کا واقعی پرانا ملازم ہی ہے اب یہ الگ بات تھی کہ میں نے اسے ایک عجیب و غریب شخصیت سمجھ لیا تھا کیونکہ عجیب و غریب واقعات مجھے پیش آ رہے تھے دل کو ہمت دی کہ بے و قوفی کی باتیں نہ کروں حالات سے مقابلہ کروں گا' چاہے کچھ بھی ہو جائے رامو ایک لمبی لکڑی کو آگ لگا کر اوپر فانوس میں لگی ہوئی شمعوں کو روشن کرنے لگا اور جب یہ ساری شمعیں روشن ہو گئیں تو یہ پورا کمرہ روشنی سے جھلملانے لگا' رامو نے وہ لکڑی بجھا کر رکھی اور بولا۔

"آ جایئے سرکار' میں کھڑکیاں کھولتا ہوں آپ اندر آ کر آرام کریں" میں وحشت زدہ انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس آبنوسی مسہری کے پاس پہنچا جس پر صاف شفاف بستر بچھا ہوا تھا رامو کھڑکیاں کھول رہا تھا بہر حال میرے ذہن میں لاتعداد سوالات تھے میں اپنے آپ کو اس ماحول کے سحر سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے اس میں کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی جا رہی تھی۔

"رامو تم نے یہ بتایا نہیں کہ میرے آنے کا علم تمہیں کیسے ہو گیا۔۔۔؟ میں تو بڑی خاموشی سے یہاں آیا ہوں۔۔۔" میں نے کہا۔

"مالک یہ جو کھڑکی نظر آ رہی ہے نا آپ کو' یہ دریائے سنگل کی طرف نکلتی ہے اور اس طرف سے آنے والی ہوائیں بڑی خوشگوار اور ٹھنڈی ہوتی ہیں آپ اس کھڑکی سے صبح و شام کا جائزہ لے سکتے ہیں اور یہ صبح اور شامیں اس قدر خوبصورت ہوتی ہیں کہ آپ دیکھیں گے تو آپ کو لطف آ جائے گا۔۔۔"

"یہ میرے سوال کا جواب ہے۔۔۔؟"

"آپ ضرور دن کی روشنی میں اسے دیکھئے اب کمرے کا ماحول ٹھیک ہو گیا ہے مالک' آپ کے لئے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کروں۔۔۔؟"

"مگر میں تمہاری بات سے ابھی مطمئن نہیں ہو سکا ہوں۔۔۔"

"ابھی آتا ہوں مالک بس تھوڑی دیر میں' اس نے کہا اور آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا بہر حال میں وحشت زدہ انداز میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ میری اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ میں آگے بڑھ کر اس کھڑکی کے پاس جاؤں۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

رات کمبخت اتنی طویل ہو گئی تھی معلوم ہوتا تھا کہ چھ راتوں کو ملا کر ایک رات بنا دی گئی ہے کھڑکی سے باہر کالا آسمان جاگ رہا تھا اکا دوکا ستارے بھی ٹمٹماتے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن اجالوں کا کہیں وجود نہیں تھا میرے ذہن میں لاکھوں وسوسے آنے لگے میرے بھائی بھی یہیں آئے تھے اور یہاں آ کر نجانے وہ کیسے حالات کا شکار ہو گئے تو کیا وہ حالات ایسے ہی تھے؟ جیسے مجھے پیش آ رہے ہیں؟ کیا انہیں بھی ایک ایسا ہی تانگہ ملا تھا جس کے اوپر سے کوچوان کی آواز تو سنائی دی تھی لیکن کوچوان نہیں تھا آخر تک نہیں تھا تانگہ حویلی کے دروازے کے باہر تھا۔ ساری باتیں سوچنے کے قابل تھیں پہلی بات تو یہ کہ اتنی رات گئے تانگہ وہاں کیسے پہنچا۔ میں جو اوور کوٹ میں ملبوس اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ خود اپنے آپ کو بھی نظر نہ آؤں تانگے والے نے مجھے کیسے دیکھا لیا' اور پھر وہ تانگے پر سے کہاں غائب ہو گیا اس کے علاوہ تانگہ سیدھا حویلی کے دروازے پر آ کر رکا۔ کیسے معلوم تھا گھوڑے کو کہ میں یہیں آنا چاہتا ہوں۔ باپ رے باپ انتہائی خوفناک اور پھر وہ خوفناک چھپکلی' ڈائری میرے اوور کوٹ کے جیب میں اب بھی میرے سینے کے پاس محفوظ تھی میں چاہتا تھا تو اوور کورٹ اتار دیتا کیونکہ یہاں آنے کے بعد ماحول خاصا گرم گرم محسوس ہو رہا تھا اور ماحول کی وہ کیفیت نہیں تھی جو باہر کی تھی اصولی طور پر مجھے یہ اوور کوٹ بھی اتار دینا چاہئے تھا لیکن اوور کوٹ نے بہت سے راز چھپائے ہوئے تھے اس میں ڈائری بھی تھی' رقم بھی تھی' ریوالور بھی تھا فالتو راونڈ بھی تھے یہ سب میری حفاظت کی چیزیں تھیں اچانک ہی مجھے محسوس ہوا کہ میرے سینے کے پاس کوئی چیز کلبلا رہی ہو اور

میرے رونگٹے خوف و دہشت سے کھڑے ہو گئے آہ کیا چھپکلی۔۔۔ چھپکلی کتاب سے باہر نکل آئی ہے' میرے سینے پر باقاعدہ پنجے جیسی کلبلاہٹ محسوس ہو رہی تھی ہلکی ہلکی گدگدی کا سا احساس' لیکن اس سے زیادہ خوف دہشت اور میرے حلق کا تمام پانی خشک ہو گیا تھا زبان تالو سے چپک گئی تھی' آنکھیں وحشت زدہ انداز میں پھٹ کر رہ گئی تھیں' کیا کروں آہ اب کیا کروں۔

○

کافی دیر اسی انداز میں گزر گئی' میں اپنے اندر جو بے کلی آور بے چینی محسوس کر رہا تھا وہ مسلسل تھی میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ میں اوور کوٹ میں ہاتھ ڈال کر وہ ہولناک ڈائری نکال لوں' اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں' میری اپنی کیفیت بڑی عجیب سی تھی یہ ڈائری بڑے پراسرار رموز کی حامل تھی میں اس کا راز حاصل کرنا چاہتا تھا انسان اپنا سب سے برا محاسب ہوتا ہے اپنا جائزہ خود لے سکتا ہے' اپنا حساب خود ہی کر سکتا ہے اگر وہ اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کرلے تو ایک شاندار شخصیت عالم وجود میں آتی ہے' میں نے خود کو سمجھایا اور کہا۔

"فیروز شاہ کیوں ڈر رہے ہو زندگی سے اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟ تین بھائی گم ہو چکے ہیں ان کے بارے میں کم از کم معلومات حاصل کرنا تمہارا فرض ہے؟ تمہاری ذمہ داری ہے۔ بے شک باپ کی موت کے بعد تم پر ذمہ داریوں کا بے پناہ بوجھ آ پڑا ہے لیکن یہ ذمہ داریاں نام نہاد ہیں کس کی ذمہ داری ہے تم پر' صرف ماں کی نا' یا پھر اپنی جان بچانے کا شوق رکھتے ہو۔ اپنے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے اور اس کے علاوہ کوئی اور بات بھی ہے؟ جہاں تین چلے گئے ہیں اگر تمہاری کیفیت ایسی ہی رہی تو بھلا تم کیا کر سکو گے؟ ہو سکتا ہے ان کے بارے میں تمہیں صحیح علم ہو جائے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں ان کی زندگی حاصل ہو جائے۔ اپنے اپ کو سنبھالو' ہوش و حواس قائم کرو' دیکھ تو سہی کہ صورتحال کیا ہے" یہ اپنے آپ کو حوصلہ دینے کی کوشش تھی اور اس کی بنیاد پر میں کہہ رہا ہوں کہ اپنے اندر کا محاسب اگر بیدار ہو جائے تو بعض اوقات بڑا کار آمد ثابت ہوتا ہے۔ میں نے خود کو مکمل طور پر ڈھارس دی اور ان واقعات کے بارے میں غور کرنے لگا پہلی بات تو یہ تھی کہ رات کے ختم

ہونے کے امکانات ہی نظر نہیں آ رہے تھے یہ رات کچھ ضرورت سے زیادہ ہی طویل ہو گئی تھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ رات کبھی ختم نہیں ہو گی' سورج نکلنا بھول گیا ہے' واقعی ایسی ہی بات ہے یا پھر یہ میرے اپنے احساسات ہیں جو مجھے اس انداز میں سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں' ہمت کرنی چاہئے۔ یہ حویلی میری خاندانی حویلی ہے اسے جاننا میرے لئے بے حد ضروری ہے اور ہو سکتا ہے میری جدوجہد مجھے میرے بھائیوں کا پتہ دے دے' ہاں بہت ضروری ہے یہ--- بہت ہی ضروری ہے۔ مجھے اپنے جسم میں ایک نئی قوت دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں نے سوچا کہ ہمت کر کے مجھے اس حویلی کا جائزہ لینا چاہئے' پہلی بات تو یہ کہ حویلی کی تاریخ میں رامو نامی کسی خدمت گار کا کوئی نام موجود نہیں تھا۔ پھر یہ رامو کہاں سے آ گیا---؟"

مجھے تو یہ کردار ہی بڑا ہی پراسرار معلوم ہوتا تھا۔ بہر حال میں نے اپنے نئے فیصلے کے تحت اپنی جگہ چھوڑ دی ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک شمع اٹھا لی۔ شمع کے نزدیک ہی ایک ماچس رکھی ہوئی تھی۔ پھر اسے دیکھ کر میں چونکا تو نہیں کیونکہ بہر حال رامو یہاں موجود تھا۔ وہ بھی کسی نہ کسی طرح شمع کو روشن کرتا ہی ہو گا۔ اس لئے ماچس کا یہاں موجود ہونا کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔ میں نے ماچس جیب میں رکھ لی۔ شمع بجھ بھی سکتی ہے۔ کوئی بھی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ہی شمع کا شعلہ بری طرح بھڑکا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے شمع کی روشنی ضرورت سے زیادہ تیز ہو گئی ہو۔ عام طور سے موم کی بنی ہوئی ایسی شمعوں کی روشنی بڑی مدھم ہوتی ہے لیکن یہ صورتحال کافی مختلف تھی۔ میں نے آخری فیصلہ کر لیا تھا کہ رامو کے زیر اثر کام کرنے کے بجائے اپنے طور پر بھی اس حویلی کا جائزہ لوں۔ دل میں بڑا عزم بڑی ہمت پیدا کر لی تھی میں نے۔ حالانکہ انسانی فطرت بہت عجیب ہے۔ ہم بیشتر بار اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو نجانے کیسے کیسے احساسات کے دباؤ میں لاتے ہیں لیکن دل کچھ نہیں مانتا وہ احساسات کا گھر ہوتا ہے۔ غصہ' خوف--- نفرت--- محبت ہر چیز اس میں رہتی ہے اور حالات کے تحت اس کا اپنا کام جاری رہتا ہے۔ بہر حال میں نے کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔

کوریڈور پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ کئی کمرے موجود تھے۔ میں آگے بڑھا اور جو سب سے پہلے دروازہ نظر آیا میں نے اس کو دبا کے دیکھا۔ دروازہ کھل گیا تھا۔ میں شمع ہاتھ میں لئے اندر داخل ہو گیا اور میں نے اس وسیع و عریض کمرے کو دیکھا۔ شمع کی تیز روشنی میری رہبری کر رہی تھی۔ وسیع و عریض کمرے میں انگریز کے زمانے کا بیش قیمت فرنیچر بڑی عمدگی سے سجا ہوا تھا۔ انتہائی خوب صورت فرنیچر لیکن گرد کی ایک دبیز اور بدبودار تہ اس پر جمی ہوئی تھی۔ میں کمرے کا مکمل جائزہ لینے لگا۔ اونچی چھت کے درمیان ایک بہت بڑا فانوس لٹک رہا تھا۔ دیواروں پر چاروں طرف لکڑی کے قیمتی فریم سجے ہوئے تھے۔ ان میں غالباً" میرے اباؤاجداد کی تصویریں آویزاں تھیں۔ بڑی بڑی خوبصورت تصویریں۔ جن میں زمانہ قدیم کی فنکاری جھلک رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان تصویروں کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ آنکھیں متحرک ہوں۔ سب کی سب مجھے دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ یہ تمام بزرگ تھے۔ اپنے مخصوص انداز کے لباسوں میں ملبوس۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آج سے کئی سو سال پہلے فن مصوری اتنی بلندیوں پر تھا۔ یہ تصویریں نہیں بلکہ میرے احساسات تھے۔ جو ان تصویروں میں نمایاں تھے۔ میں آپ کو کیا بتاؤں---؟ آپ لوگ شاید میری بات کا یقین نہ کریں۔ ان سب کے چہروں کے نقوش متحرک تھے۔ کبھی کچھ مسکراتیں نظر آتیں کبھی سرزنش کا ایک انداز--- آنکھوں کی پتلیاں گردش میں تھی۔ میں آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا اور میرے ذہن میں پھر خوف کا بسیرا ہو رہا تھا۔ اچانک ہی مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ چونکہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر میرے بدن میں ٹھنڈک دوڑ رہی تھی لیکن اچانک ہی مجھے جو احساس ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اب یہ کمرہ پہلے کی طرح سرد نہیں رہا تھا اس کی فضا آہستہ آہستہ گرم ہو رہی تھی۔ یہ بات بھی میرے لئے ناقابل یقین تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میری نگاہوں کے سامنے ایک آتش دان میں کوئلے روشن ہوتے ہوئے نظر آئے۔ ان کوئلوں کی تپش سے کمرے کے ماحول میں سردی کا خاتمہ ہوا تھا لیکن ان کوئلوں کو روشن کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ آہ--- ایسا لگتا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوتیں میرے ساتھ گردش میں ہوں۔ مجھے آسائش فراہم کر رہی ہوں۔ کیا یہ میرے آباؤ

اجداد کی روحیں ہیں---؟ جو اپنی نسل کے فرد کو درمیان دیکھ کر خوش ہیں اور اسے آسائشیں فراہم کرنا چاہتی ہیں۔ خیالات نظر کا کرشمہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسا عمل جسے صرف وہم تصور کیا جا سکے۔ آتش دان میں کوئلے سلگ رہے تھے۔ حالانکہ جب میں یہاں داخل ہوا تھا تو ایسی کوئی چیز یہاں موجود نہیں تھی۔ بلکہ کمرے میں سرد ہواؤں کا راج تھا۔ بہر حال سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے---؟ لیکن دل وہی آواز دے رہا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے اس حویلی کا جائزہ لے لینا چاہئے۔ ہو سکتا ہے--- کہیں سے میرے بھائیوں کا نشان مجھے مل جائے۔ میں کچھ دیر اس کمرے میں رہا۔ پھر شمع لیکر کمرے سے باہر نکل آیا۔ یہاں اور بھی بہت سے کمرے تھے۔ بات وہی تھی کہ خوف اپنی جگہ--- لیکن ایک طلب ایک خواہش--- ایک آس--- ایک امید دل میں شمع کی طرح روشن تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کمبخت رامو کا کہیں پتا نہیں چل رہا تھا۔ کہیں سے تو اس کی آواز آتی۔ وہ کیا کرنے گیا تھا---؟ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون تھا---؟ اور کیا تھا---؟ یہ بات بھی صیغہ راز میں تھی۔ لیکن کوئی پتا نہیں چل رہا تھا کہ رامو کون تھا---؟ اور یہ سب کچھ کیا ہے---؟ بہر حال اس کے بعد کافی فاصلے پر میں نے ایک کمرے کے دروازے کو کھولا۔ میری آنکھیں اب چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کمرے میں داخل ہوا تو یوں لگا جیسے دروازہ کسی نے باہر سے بند کر دیا ہو۔ میرے رونگٹے پھر کھڑے ہو گئے تھے۔ اگر دروازہ بند کر دیا گیا تھا تو دو ہی آدمیوں کی کاروائی ہو سکتی ہے۔ یا تو رامو--- یا پھر وہ پراسرار ماورائی قوتیں جنہیں میں اپنے قرب و جوار میں محسوس کر رہا تھا۔ پھر اچانک ہی مجھے مدھم مدھم سی جھنجھناہٹ سنائی دی۔ سرگوشیوں جیسی آواز جیسے کوئی کہیں سے کچھ کہہ رہا ہو۔ یقیناً" یہ وہم ہے--- ہاں یہ وہم ہے۔ آواز پھر سنائی دی۔

"شی--- شی--- سو--- سنو--- دیکھو--- وہ آ گیا ہے--- ہاں وہ آ گیا ہے۔ کیا واقعی یہ وہی ہے---؟"

"ہاں وہی ہے---"

"تو پھر---"

"پھر کیا۔۔۔؟"
"کیا کریں اس کا۔۔۔؟"
"دیکھو۔۔۔" یہ ایسی سرگوشیاں تھیں جو اس بند کمرے میں ابھر رہی تھیں اور میرے بدن کا رو نگٹا رو نگٹا کھڑا ہو گیا تھا۔ میں بیوقوفوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن کوئی آواز یا کوئی انداز ایسا نہیں تھا۔ جس سے کسی کی موجودگی کا پتہ چلے۔ البتہ سرسراہٹیں میرے قرب و جوار سے گھوم رہی تھیں۔ میرے اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یا خدا یہ کیا راز ہے۔۔۔؟ یہ کہیں مجھے پاگل نہ کر دے۔۔۔؟ یقینی طور پر یہ گھر خالی نہیں ہے۔۔۔ میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ کمرے کی شمالی دیوار میں ایک دروازہ نظر آیا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں کے ساتھ اس دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ بھاری لکڑی کا بنا ہوا تھا اور خاصا پرانا محسوس ہوتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ایک دم احساس ہوتا تھا کہ اسے مدت سے نہیں کھولا گیا ہے۔ شمع بائیں ہاتھ میں تھام کر دائیں ہاتھ سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دروازہ آہستہ آہستہ اندر کھلنے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی اچانک مجھے وہ سرگوشیاں اور سرسراہٹیں مجھے ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس سے پہلے وہ باقاعدہ گونج رہی تھیں اور میرے اعصاب بری طرح کشیدہ ہوئے جا رہے تھے لیکن یہ خاموشی بھی ایک خطرناک عمل تھی۔ تاہم میں نے ہمت کر کے اپنے آپ پر غور کیا اور پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہ بھی ایک بہت وسیع و عریض کمرہ تھا۔ جس میں وہی قدیم زمانے کا فرنیچر اور دوسرا سازو سامان سجا ہوا تھا۔ البتہ یہاں دیواروں پر تصویروں کے بجائے بارہ سنگھوں کے سر۔۔۔ شیر اور ریچھ کے سر۔۔۔ تلواریں اور خنجر آویزاں تھے۔ مجھے اپنے آباؤ اجداد کا شوق یاد آ رہا تھا۔ جیسے حیدر شاہ کے بارے میں یہ بات میرے علم میں تھی کہ وہ ایک زبردست شکاری تھے اور سنگل پور کے شکاری کی مہارت کی کہانیاں چھپائے ہوئے تھے۔ بہر حال۔۔۔ میں کچھ اور آگے بڑھا اور کمرے کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کی ہر شے زندہ ہو رہی ہے۔ خنجر۔۔۔ تلواریں۔۔۔ اور لمبے لمبے چھرے حتی کہ جانوروں کے سر بھی

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میرے جسم میں تھرتھراہٹیں پیدا ہو گئیں اور میں شمع کی مدھم سوگوار روشنی میں ایک اور دروازے کے پاس جا پہنچا لکڑی کے اس مضبوط بند دروازے پر نہایت خوبصورت نقش نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے تھے لیکن انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ ابھی ابھی بنائے گئے ہوں۔ بہر حال یہ وقت ان کی فن پاری کا جائزہ لینے کا نہیں تھا اور میں صرف اس حویلی کا راز جاننا چاہتا تھا۔ آخر میرے بھائی یہاں آ کر کہاں گم ہو گئے۔۔۔؟ علی شاہ اور حسین شاہ کے بارے میں تو میں یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ وہ سیر و سیاحت کرتے ہوئے کتنی دور نکل گئے ہوں اور وہاں کی رنگ رلیوں میں مصروف ہو گئے ہوں لاابالی نوجوان تھے۔ بے شک انہیں والد صاحب کا ڈر و خوف بھی تھا لیکن نوجوانی کی عمر ایسی ہی ہوتی ہے حالانکہ وہ مجھ سے بڑے تھے لیکن میں ان کے بارے میں سوچ سکتا تھا کہ کوئی تفریح ان کے ہاتھ میں آ گئی ہو۔ ممکن ہے وہ کسی کے عشق میں گرفتار ہو گئے ہوں اور وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ کسی عام لڑکی کے چکر میں گرفتار ہو گئے تو والد صاحب کسی طور پر اس لڑکی کو قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو روپوش کر لیا۔ یہ صرف وہ خیالات تھے جو میرے نوخیز ذہن میں آ سکتے تھے لیکن جمال شاہ کا مسئلہ بالکل مختلف تھا۔ آخر جمال شاہ کہاں غائب ہو گئے۔۔۔؟ وہ ایک ذمہ دار آدمی تھے۔ میرا سب سے بڑا بھائی جس نے اپنے آپ کو والد صاحب کی جگہ ثابت کر دیا تھا۔ بہر حال۔۔۔ اگر وہ لوگ یہاں آئے ہیں اور ان حالات کا شکار ہوئے ہیں اور ممکن ہے انہیں کوئی نقصان بھی پہنچ گیا ہو تو پھر یہاں مجھے کہیں نہ کہیں سے ان کے بارے میں ضرور معلوم ہونا چاہئے۔ اب اس وقت یہی صورتحال ہے کہ یا تو میں چیخ کر حویلی سے باہر بھاگ جانے کی کوشش کروں۔ چونکہ اس آسیب زدہ حویلی کیلئے اب تک جتنے مجھے نقش ملے تھے۔ وہ سب خوف و دہشت پیدا کرنے والے تھے لیکن بہرحال میں اپنے آپ کو سمبھالے رکھنا چاہتا تھا۔ اس کمرے سے بھی باہر نکلا اور آگے بڑھ کر میں نے ایک چوکور سی کمرہ نما جگہ دیکھی۔ جس میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہاں آ کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا تھا اور یہ سیڑھیاں اوپر کی جانب جاتی تھیں۔

میں نے سوچا بھلا اب جب یہاں تک آیا ہوں تو ان سیڑھیوں سے خوفزدہ ہونا کیا معانی رکھتا ہے چنانچہ میں سیڑھیاں چڑھنے لگا اور نہایت احتیاط سے دبے پاؤں چلتا ہوا اوپر کی منزل پر پہنچ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب بھی کچھ پر اسرار قوتیں میرا تعاقب کر رہی ہیں۔ بہر حال سیڑھیاں طے کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو ایک طویل راہداری میں پایا۔ یہاں مجھے ایک عجیب سی ناگوار بدبو بھی محسوس ہوئی تھی۔ شمع اپنے سر سے اونچی کر کے میں نے اس راہداری کو دیکھنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس بدبو کا سراغ ملے مگر راہداری سنسان پڑی تھی۔ البتہ اس کے آخری سرے کے بائیں ہاتھ ایک بڑا سا دروازہ دکھائی دیا۔ جس کے آگے سرخ رنگ کا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا اس دروازے تک گیا اور پردہ اٹھا کر دوسری طرف جھانکا۔ یہ ایک چھوٹا سے گول کمرہ تھا۔ جس کے درمیان رکھی ہوئی لکڑی کی سیاہ میز پر ایک عجیب سا مٹکا رکھا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ یہ برتن کیسا ہے---؟ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اس برتن کے پاس پہنچا اور میں نے اس برتن میں جو دیکھا۔ اسے دیکھ کر میری جان ہی نکل گئی۔ برتن میں یقینی طور پر خون بھرا ہوا تھا لیکن تیرتا خون اور بدبو شاید اس برتن سے اٹھ رہی تھی۔ خون کے اوپر سیاہی کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ خون نیچے تک جم گیا ہے۔ یا صرف اوپر ہی اوپر یہ تہ جمی ہوئی ہے۔ اچانک ہی پھر میرے کانوں میں وہی سرگوشیاں گونجنے لگیں اور میں نہیں سمجھ پایا کہ یہ سرگوشیاں کیسی ہیں۔ کوئی کیا کہہ رہا ہے---؟ اس کا اندازہ مجھے تھا کہ کچھ آوازیں ہیں اور یہ آوازیں یقینی طور پر ایک اور دروازے سے آ رہی تھیں۔ میں نے شمع آہستہ سے فرش پر رکھی اور دروازے کے قریب پہنچ کر ادھر سے سننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہاں وہ مکروہ آواز اسی کمرے سے آ رہی تھی لیکن ابھی اس میں ایک اور کیفیت پھیلی ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے---؟ بہرحال دیکھ لوں--- یہاں بھی دیکھ لوں کہ کیا ہوتا ہے---؟ پھر میں نے دروازے کو آہستہ آہستہ کھولنے کی کوشش کی۔ شمع اپنے ہاتھ میں اٹھا لی اور اس کی روشنی کمرے میں ڈالی۔ اندر مکمل طور پر خاموشی تھی لیکن ایک طرف تین مسہریاں رکھی ہوئی

تھیں۔ جن کے چاروں طرف باریک ریشم کے پردے لٹک رہے تھے۔ مسہریوں کے دوسری جانب بھاری کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے---؟ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ایک بار پھر میرے کانوں میں وہی سرگوشی گونجی لیکن اس مرتبہ مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے بائیں شانے پر کوئی سوئی سی چبھوئی ہو۔ میں نے بلبلا کر اپنے بائیں شانے پر ہاتھ مارا لیکن پھر دائیں شانے میں یہی چبھن محسوس ہوئی اور اس کے بعد یہی چبھن میرے پورے جسم میں محسوس ہونے لگی مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے بدن میں سوئیاں چبھوئی جا رہی ہوں۔ مسلسل سرگوشیاں جو مجھے ہوشیار رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ میرے بارے میں ایک دوسرے سے سوالات کر رہی تھیں۔ میرے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں کہ میں کون ہوں---؟ اب میرے خلاف عمل پیرا ہو گئیں تھیں۔ بدن میں چبھنے والی سوئیاں اس قدر اذیت پہنچا رہی تھیں کہ میرے حلق سے چیخیں آزاد ہونے لگیں۔ میں دیوانوں کی طرح شمع پھینک کر وہاں سے بھاگا۔ شمع کے گرتے ہی چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں پوری قوت سے دوڑ رہا تھا مختلف جگہوں سے ٹکرا رہا تھا اور میرے حلق سے دہشت بھری آوازیں ابھر رہی تھیں۔ اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے پیروں تلے زمین نکل گئی ہو۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش میں ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ میرے ہاتھ کسی غیر مرئی شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں گر پڑا۔ اور اس کے بعد نیچے لڑھکنے لگا۔ مجھے احساس تھا کہ میں سیڑھیوں سے نیچے گر رہا ہوں اور تقریباً" چالیس یا شاید اس سے کچھ کم سیڑھیاں گرنے کے بعد میں کسی ایسی جگہ جا گرا۔ جہاں شاید اور بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن ایک عجیب سی آواز یہاں بھی ابھر رہی تھی۔ ٹک ٹک--- ٹک ٹک--- ٹک ٹک--- جیسے پانی کے دو دو قطرے کہیں گر رہے ہوں۔ بڑا عجیب ماحول تھا۔ بہت ہی حیران کن ماحول اچانک ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور میں نے وحشت زدہ انداز میں اپنے بدن کی ٹوٹ پھوٹ کا جائزہ لیا۔ کہیں کوئی تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ وہ سوئیاں جو بدن میں چبھ رہی تھیں۔ ایک دم ہی ختم ہو گئیں تھیں اور حیران کن بات یہ تھی کہ

جس جگہ سوئیاں چبھ رہی تھیں۔ وہاں اب سوزش بھی نہیں ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ سب ایک وہم ایک خیال ہو یا پھر ان غیر مرئی قوتوں نے مجھے وہاں سے نکالنا چاہا ہو۔ اس ماحول کو دیکھنے کی ممانعت کی ہو۔ آہ--- میرے خدا یہ کیسا طلسمی جال ہے---؟ جس میں گرفتار ہو کر میں مصیبتوں میں پڑگیا ہوں۔ کیا میرے بھائیوں کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا لیکن یہ سب کچھ ہے کیا---؟ مجھے کچھ معلوم تو ہو۔ اب لمحے کیلئے تو میں یہی سمجھا تھا کہ میں نے جو سیڑھیاں عبور کی تھیں انہیں سے نیچے آ گرا ہوں لیکن یہ سحرزدہ ماحول اور یہ سب کچھ مجھے عجیب لگ رہا تھا اور مجھے احساس ہو رہا تھا کہ یہ دوسری جگہ ہے۔ یہاں بھی مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے ٹٹول کر دیکھا تو میرے ہاتھ کسی میز کے پائے سے ٹکرائے۔ میں نے اس پائے کا سہارا لیکر سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کی اور میرا اندازہ بالکل درست نکلا یہ کوئی گول میز ہی تھی۔ میں نے میز کو ٹٹولا تو میرا ہاتھ ایک بار پھر ایسی تھالی نما چیز سے ٹکرایا جو کسی دھات کی بنی ہوئی تھی اور اس پر چھ سات شمعیں لگی ہوئی تھیں لیکن بجھی ہوئی۔ اگر یہ شمعیں روشن ہو جاتیں تو ممکن ہے مجھے یہاں کے ماحول سے آگاہی ہو اور اچانک ہی مجھے اس ماچس کا خیال آیا جسے میں نے جیب میں رکھ لیا تھا۔ حالانکہ وہ صرف ایک اضطراری عمل تھا لیکن اس وقت تو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ شمعیں میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہوں۔ میں نے جیب سے ماچس نکالی اور ایک ایک کر کے ساری شمعیں روشن کر دیں۔ شمع روشن کرنے سے پہلے میں نے اس جگہ کے ماحول کا کوئی اندازہ نہیں لگایا تھا لیکن پھر جب اس ہال میں تیز روشنی پھیل گئی تو مین نے قرب و جوار میں دیکھا۔ بہت ہی عجیب و غریب جگہ تھی یہ چھت کے قریب ایک جگہ سے پانی کے دو دو قطرے ٹپک رہے تھے اور نیچے زمین میں وہ اس طرح جذب ہو رہے تھے جیسے کوئی مخصوص نظام قائم کیا ہو۔ زمین میں چھوٹے چھوٹے دو گڑھے بنے ہوئے تھے جو پانی کے انہی قطروں سے پیدا ہوئے تھے لیکن سب سے زیادہ ہولناک بات جو تھی وہ انسانی ڈھانچے تھے جو بے شمار تعداد میں یہاں موجود تھے۔ یہ ڈھانچے جگہ جگہ بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ ان کے جسموں کی ہڈیاں ساری کی ساری پوری تھیں اور

ان کے ہاتھ زمین پر جس ڈائریکشن میں اٹھے ہوئے تھے اسی میں ساکت تھے اور کوئی گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا اور کوئی ہاتھ زمین پر ٹکائے بیٹھا تھا۔ خوف سے جو کیفیت کسی انسان کی ہو سکتی ہے۔ جو زندگی میں کبھی ایسے واقعات سے نہ گزرا ہو۔ میری کیفیت اس سے مختلف نہیں تھی اور ہو بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ بہرحال انسان تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خوفناک ماحول کو دیکھتا رہا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لباس کے کچھ ٹکڑے بھی یہاں پڑے ہوئے تھے اور ان ٹکڑوں کو اگر غور سے دیکھا جاتا تو شاید ان سے کچھ اندازہ ہوتا۔ میں بہت دیر تک اپنے حواس جمع کرتا رہا اور اس کے بعد میں نے سوچا کہ اب یہاں آ ہی گیا ہوں۔ اس خوفناک آسیبی حویلی میں پھنس ہی گیا ہوں۔ تو پھر مجھے یہاں کی صورتحال کے بارے میں مکمل طور پر اندازہ لگانا چاہئے۔ چنانچہ آگے بڑھ کر لباس کے ان ٹکڑوں کے پاس پہنچ گیا جو ادھر ادھر بے ترتیب شکل میں بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ لباس کبھی پانی میں بھیگ گئے ہوں۔ میرے ہاتھ میں اٹھاتے ہی وہ ریزہ ریزہ ہونے لگے۔ وہاں مجھے کچھ کارڈ وغیرہ بھی ملے۔ یہ کارڈ بھی پانی یا نمی کی وجہ سے خستہ ہو چکے تھے۔ ایک کارڈ پر میں نے میجر آرتھر لکھا ہوا دیکھا۔ ایک اور شخص کے لباس سے مجھے اس کا نام معلوم ہوا۔ یہ سارے کے سارے ڈھانچے انگریزوں کے تھے۔ میں نے ان کی تعداد گنی یہ اکیس ڈھانچے تھے۔ مگر بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پانی کے دو دو قطرے اور اس کے بعد یہ سارا ماحول اس قدر دہشت ناک تھا کہ دل دھڑکنا بھول جائے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا ایک بار پھر میں نے تھال میں سے شمع اٹھائی۔ سیڑھیوں کی طرف دیکھا ذہن میں سوچا کہ اگر تقدیر مجھے باہر نکلنے کا موقع دے تو میں یہاں سے باہر نکل جاؤں۔ ایک ایک کر کے میں وہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ جن سیڑھیوں سے گر کر یہاں تک پہنچا تھا۔ بہرحال نجانے کس طرح گرتے پڑتے وہ سیڑھیاں عبور کیں۔ ایک کھلا ہوا دروازہ تھا جس کے دوسری طرف مدھم مدھم روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس روشنی کی موجودگی میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کیونکہ اس سے پہلے بھی اس کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں ہوا تھا۔ آخری

سیڑھی کے بعد میرا سانس چڑھ گیا تھا۔ میں اس کھلے ہوئے دوازے سے باہر نکل
لیکن اچانک ہی میرے ہاتھ سے شمع گر پڑی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھ
کمرے کے وسط میں ایک پستہ قد آدمی کھڑا ہوا تھا۔ جس نے شانوں سے لیکر ٹخ
تک ایک لبادہ پہنا ہوا تھا۔ چیتے نما لباس اس کے سر پر کپڑا بندھا ہوا تھا اور اس
آنکھیں میری جانب نگراں تھیں۔ اس کے چہرے کے نقوش سخت تھے۔ یقینی طور
وہ ایک زندہ وجود تھا۔ یا تو زندہ یا پھر ایسا جسے زندگی کے قریب کہا جا سکے۔ میرے ق
اپنی جگہ جم گئے تھے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی نفرت کے نقوش دیکھے
میرے ہوش و حواس کام کر رہے تھے اور میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ
تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"اپنے دادا کی جاگیر کی پوری طرح دیکھ بھال کر لی۔" اس کے الفاظ نے ج
میری قوت کا طلسم توڑ دیا۔ ایک دم سے مجھے اپنے وجود میں چنگاریاں سی دوڑ
محسوس ہوئیں۔ اب تک میں کسی انوکھی مشکل میں گرفتار تھا۔ یہ صرف میرے خو
کی وجہ تھی۔ خوف کو دل سے نکال دینا چاہئے۔ زندگی آنی جانی شے ہے۔ بے ش
دنیا میں کوئی بھی بدترین موت نہیں مرنا چاہتا لیکن جب موت اس طرح تنگ
شروع کر دے تو اندر سے ایک قوت ابھر آتی ہے۔ شاید کچھ لمحوں کیلئے۔ میرے ا
وہی قوت ابھر آئی تھی۔ میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"کون ہو تم---"

"جو کچھ تم تلاش کر رہے ہو' وہ تمہیں یہاں نہیں ملے گا۔ میرے ساتھ آؤ
اس نے یہ الفاظ کہہ کر واپسی کیلئے قدم اٹھا دیئے۔

"سنو--- بات سنو!" میں نے ہمت کر کے اسے پکارا لیکن وہ دروازے
باہر نکل گیا تھا۔ رامو کے بعد یہ ایک زندہ وجود مجھے نظر آیا تھا۔ چنانچہ میں تیز
قدموں سے چلتا ہوا خود بھی دروازے سے باہر نکل آیا۔ باہر ایک طویل راہدا
تھی۔ وہ اس راہداری میں کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ جیسے اسے یقین ہو کہ میں اس
پیچھے پیچھے آؤں گا۔ میں نے اس سلسلے میں بھی کوتاہی نہ برتی اور تیز تیز قدم اٹھاتا

اس کے پیچھے چلنے لگا لیکن میرے اور اس کے درمیان جو فاصلہ پیدا ہو گیا تھا اس
فاصلے میں کمی نہیں ہوئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا راہداری کے آخری سرے
سے مڑ گیا۔ اس جگہ کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں پہلے
میں آ چکا ہوں۔ اب تک میں دوسرے علاقے میں بھٹکتا رہا تھا اور یہ جگہ میرے لئے
بالکل اجنبی تھی لیکن بہرحال راہداری میں میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔ آگے جا کر یہ
راہداری ایک سمت گھوم گئی تھی۔ وہ راہداری کے کونے میں کھڑا میرا انتظار کر رہا
تھا۔ ویسے مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ اس کی رفتار کتنی تیز ہے لیکن اب میں کسی چیز پر
تعجب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس دوسری راہداری کا اختتام بھی ایک دوسرے دروازے
پہ ہوا۔ پتا نہیں میرے دادا مرحوم حیدر شاہ صاحب نے یہ حویلی کیوں بنوائی تھی اور
ان کا مقصد کیا تھا---؟ یہ حویلی اگر نئی بھی بنی ہو گی تب بھی اس میں جو انداز اختیار
کئے گئے تھے۔ وہ بڑے عجیب و غریب تھے اور اس وقت بھی انتہائی خوفناک محسوس
ہوتی ہو گی لیکن اب تو خیر اس کی بات ہی کیا تھی۔ سینکڑوں سال گزر چکے تھے اس کو
بنے ہوئے۔ بہرحال وہ دروازے کو کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔
میں بھی ہمت کر کے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور پھر دروازے سے اندر داخل ہو
گیا۔ وہ ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ میں نے سامنے نگاہ ڈالی۔ کمرے میں اچھی خاصی
روشنی تھی۔ کمرے کے درمیان ایک سنگی چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس سنگی چبوترے کی
کمرے میں موجودگی بھی میرے سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن اس وقت سنگی چبوترے
پر میں نے جو شے دیکھی۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے کیلئے پھر میرے حواس کانپ اٹھے۔
سفید شے سے ڈھکی ہوئی تین انسانی لاشیں وہاں موجود تھیں۔ ایک نگاہ دیکھ کر یہ
اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لاشیں ہی ہیں۔ سفید لٹھا ان کے منہ پر ڈھکا ہوا تھا اور اتنا سفید
تھا کہ اس سے ایک روشنی سی پیدا ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ اوپر ایک روشندان
سے روشنی کی تیز شعاع بھی اس پر پڑ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کچھ زندہ انسان ہوں جو یہ
کفن نما لباس پہنے لیٹے ہوئے ہوں۔ میں نے اس کو دیکھا تو وہ بولا۔

"ان کے چہرے کھول کر دیکھو۔"

ایک لمحے کیلئے میرا دل دھڑک اٹھا۔ تین کی تعداد ہی میرے لئے خوفناک تھی۔ میرے قدم بے اختیار اس طرف بڑھے تھے اور میں نے ان میں سے ایک کا چہرہ کھول دیا تھا یہ دیکھ کر میرے بدن کی جان نکل گئی کہ یہ علی شاہ کا چہرہ تھا۔ زندگی سے محروم اس طرح آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جیسے وہ چھت کو دیکھ رہا ہو۔ میرے سینے میں ایک دم درد کی لہر اٹھی اور میں نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر باقی دونوں چہرے بھی کھول دیئے۔ یہ جمال شاہ اور حسین شاہ کے چہرے تھے۔ آہ--- میرے تینوں بھائی زندگی سے محروم ہو گئے تھے۔ اس خونی حویلی میں میرے بھائیوں کی زندگی ختم ہو گئی تھی۔ یہ کیسے ہو گیا---؟ ایک گولا سا میرے حلق میں آ پھنسا--- آنکھوں سے آنسوؤں کی نمی سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ اسی وقت اس شخص کی خوفناک آواز ابھری۔

"ہاں--- تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ یہ تینوں تمہارے ہی بھائی ہیں اور اچھا ہوا تم بھی یہاں آ گئے۔" میری آنکھوں میں آگ سلگ اٹھی۔ میں نے غراتے ہوئے انداز میں اسے کہا۔

"کس نے ہلاک کیا ہے انہیں---؟"

"جو تمہیں ہلاک کرنے والا ہے---"

"میں پوچھتا ہوں انہیں کس نے ہلاک کیا ہے۔"

"تمہاری جیب میں ایک ڈائری موجود ہے۔ وہ ڈائری نکال کر مجھے دے دو۔ ورنہ چند لمحوں کے اندر اندر یہاں چوتھی لاش بھی پڑی ہو گی اور انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہو گا۔"

"ڈائری چاہئے تمہیں---" میں نے کہا اور انتہائی پھرتی سے کام لے کر جیب سے پستول نکال لیا اور دانت پیس کر بولا۔

"یہ بتاؤ--- انہیں کس نے قتل کیا---؟"

"میں کہتا ہوں ڈائری مجھے دے دو---"

"لو---" میں نے کہا اور اس پر فائر کر دیا اس کمرے میں ریوالور کا دھماکا اس

طرح گونجا تھا جیسے توپ سے گولا داغ دیا ہو۔ کمرے کے در و دیوار لرز کر رہ گئے تھے۔ گولی اس شخص کے سینے پر پڑی تھی۔ دھواں اٹھا تھا لیکن وہ اس طرح کھڑا تھا۔ اس نے پھر کہا۔

"لاؤ--- ڈائری مجھے دے دو--- ورنہ تمہارا انجام اس سے مختلف نہیں ہو گا۔" یکے بعد دیگرے میں نے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی لیکن گولیاں اس کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر گم ہوتی گئیں اور وہ خاموشی سے کھڑا مجھے گھورتا رہا۔ اس نے پھر ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

"ڈائری مجھے دے دو ورنہ۔" میں نے دوبارہ جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور لوڈ کیا لیکن اتنی دیر میں وہ پلٹ کر باہر بھاگ نکلا تھا اور میں نے بھاگتے ہوئے اس پر ایک فائر کیا تھا لیکن وہ دروازہ سے باہر نکل گیا۔ میرا سانس تیز چل رہا تھا۔ دل و دماغ میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے چکر آ جائے گا۔ میں نے پلٹ کر اپنے بھائیوں کی لاش کو دیکھا لیکن ایک بار پھر میں ناچ کر رہ گیا۔ سنگی چبوترے پر اب کوئی لاش موجود نہیں تھی۔ سنگی چبوترہ خالی پڑا ہوا تھا۔ آہ--- میرے خدا کتنے طلسمی واقعات ہو رہے ہیں۔ کیا کیا کچھ ہو رہا ہے---؟ ایک لمحے کیلئے مجھے اپنا سر چکراتا ہوا اور دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ میں بری طرح نروس ہو گیا تھا۔ میں سنگی چبوترے کے پاس پہنچا اور اس کے بعد نے چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی جہاں پر لاشیں غائب ہو سکیں--- اس کے بعد میں واپس پلٹا۔ بھائیوں کی لاشیں دیکھنے سے غم کا جو احساس دل میں پیدا ہوا تھا وہ لمحاتی طور پر انتقام کے جوش میں سرد پڑ گیا تھا لیکن پھر اب میرے دل میں ڈوبتے ہوئے خیالات پیدا ہوئے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ بھائیوں کی لاشیں سامنے آنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس حویلی میں کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں۔ اچانک ہی مجھے اپنی گردن کے پاس کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ خاصی وزنی چیز تھی۔ یعنی کوئی ایسا ہلکا پھلکا بال وغیرہ نہیں تھا جس سے گردن پر بوجھ محسوس کروں بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی کی انگلی میری گردن پر رینگ رہی ہو۔ میں نے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکال کر گردن پر

ہاتھ مارا تو انگلی جیسی ہی کوئی چیز میرے ہاتھ میں آگئی۔ میں نے اسے چٹکی سے پکڑ کر سامنے کیا اور دوسرے ہی لمحے دہشت بھری آواز نکلی وہ کالے رنگ کی چھپکلی تھی۔ ہاں۔۔ وہ کالے رنگ کی چھپکلی تھی۔ میں نے اسے پوری قوت سے دیوار پر دے مارا اور اس کے بعد وحشت سے چیختا ہوا باہر بھاگا لیکن میرے پاؤں کسی چیز سے ٹکرائے اور دروازے سے باہر نکلتے ہی میں دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ کتنی چوٹیں میرے جسم پر آ چکی تھیں مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ میں گرنے کے بعد سنبھلنے بھی نہ پایا تھا اور میرا سر چکرا رہا تھا کہ اچانک مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دیں اور میں آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے تاریکی محسوس ہو رہی تھی اور میں آنکھیں پھاڑے دروازے کی سمت دیکھ رہا تھا لیکن اعصاب بے قابو ہو چکے تھے۔ ہاتھ اٹھانے کی ہمت تک نہیں رہی تھی۔ حالانکہ میرے پاس ریوالور موجود تھا اور میں نے دوبارہ اسے لوڈ کر لیا تھا لیکن جب اعصاب ہی قابو میں نہ ہوں تو بھلا ریوالور سے کیا گولیاں چلائی جا سکتی ہیں۔ پھر مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے یہ آہٹیں دروازے کے قریب آ کر رک گئی ہوں پھر کوئی آہستہ سے چلتا ہوا میرے قریب آگیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آنے والوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن میری آنکھوں کے سامنے سفید سفید چمکیلے دانت اور انگارے کی طرح دہکتی ہوئی آنکھوں کے سوا اور کوئی چیز نہ آ سکی۔ جو کوئی بھی تھا انتہائی خوفناک شکل و صورت کا مالک تھا۔ اس نے جھک کر میرے سینے پر ہاتھ رکھا اور میرے سینے کو ٹٹولنے لگا۔ میں نے چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ اسی لمحے دروازے کے قریب سے کچھ اور لوگ بھی میرے قریب آ گئے اور وہ مجھ پر جھک گئے۔ میرا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا تھا۔ دل نے اتنی وحشت خیزیاں برداشت کی تھیں کہ اب اس کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئی تھیں۔ وہ مجھ پر جھکے ہوئے مجھے ٹٹولتے رہے۔ چند لمحات اسی عالم میں گزر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ پیچھے ہٹ گئے اور پھر ان میں سے کچھ ہاتھوں نے مل کر مجھے اٹھا لیا۔ مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ میں کسی کے بازوؤں میں ہوں اور وہ ایک سے زیادہ ہیں۔ وہ مجھے

اٹھائے ہوئے چلتے رہے۔ میں نے ریوالور ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ اور میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ نجانے کیا ہونے والا ہے۔۔۔؟ شاید میں بھی ابھی اس طرح گم ہو جاؤں جیسے میرے تینوں بھائی گم ہو چکے ہیں اور اب میرا وقت ہے۔ میرے ماں باپ یعنی میری ماں کو یا دلدار چچا یا اقبال بیگ کو اب میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔ وہ تو یہ بھی نہیں پتا چلا سکیں گے کہ میں سنگل پور آیا ہوں۔ میرے بھائی تو بہرحال اطلاع دینے کے بعد یہاں پہنچے تھے اور اس وقت سے رخصت ہو چکے تھے۔ لیکن ماں میری زندگی سے اپنی زندگی کا چراغ جلائے ہوئے تھی۔ پھر دیئے کے جلنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔ کیا مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔۔۔؟ کیا واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔۔۔؟ اقبال بیگ تو یہ سراغ نہیں لگا سکے تھے کہ میرے بھائیوں کی لاشیں اس حویلی میں موجود تھیں لیکن مجھے یقین ہو گیا تھا۔ البتہ۔۔۔ شاید میں یہ اطلاع دوسروں کو دینے کیلئے اس دنیا میں نہ رہوں۔ یہ پراسرار قوتیں مجھے چھوڑیں گی نہیں۔ وہ بڑی بے دردی سے مجھے اٹھائے ہوئے چل پڑے تھے۔ مجھے یہ بھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔۔۔؟ لیکن بہرحال پھر مجھے مسہری پر ڈال دیا گیا اور مجھے یہاں لانے والے تیزی سے چل پڑے۔ میں خوف بھری نگاہوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

○

کافی دیر اسی طرح گزر گئی اور میں اپنے آپ کو زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار محسوس کرتا رہا۔ پھر دوبارہ مجھے قدموں کی آواز سنائی دی اور میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور مجھے ایک دم یہ احساس ہو گیا تھا کہ یہ وہی کمرہ ہے جسے رامو نے مجھے میری آرام گاہ کے طور پر دیا تھا۔ میں آنے والے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک بار پھر میں نے ریوالور پر اپنی گرفت مضبوط کر لی حالانکہ پہلے اس کا نتیجہ دیکھ چکا تھا لیکن اب پھر اس کے لئے تیار تھا کہ کوئی سنگین صورتحال پیش آئے تو پہلی جیسی کوشش کر کے دیکھ لوں مگر آنے والا رامو تھا۔ باوجود اس کے کہ مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی پھر بھی میں اس کا چہرہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ مجھے اس کے انداز سے اور بعد میں اس کی آواز سے پتا چل گیا کہ وہ رامو ہے۔ اس نے لباس بھی تبدیل کر لیا تھا اور ریشمی دھاری دار چغے نے اس کے چہرے کو پوری طرح چھپا رکھا تھا۔ اس نے کہا ـــ

"مجھے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی ـــ چھوٹے مالک۔" میں بھلا اسے کیا جواب دیتا ـــ

"میں آپ کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرنے گیا تھا۔ کھانا یہیں لے آؤں مالک۔ آپ حکم دیں۔" نجانے کس طرح میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر سہارا لیکر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بتایئے مالک ـــ کھانا یہیں لے آؤں۔"

"رامو ـــ میں نے اپنی آواز پر قابو پا کر کہا۔"

"جی مالک۔"

"تمہارے علاوہ اس حویلی میں اور کون کون رہتا ہے ـــ؟"

"ہمارے علاوہ سرکار۔"

"ہاں۔"

"کیا مجال ہے سرکار ـــ کسی کی۔ حویلی ہمارے مالک کی ہے۔ مالک کی اجازت کے بغیر بھلا حویلی میں کون آ سکتا ہے ـــ؟"

"لیکن تمہارے جانے کے بعد سے اب تک میں کئی آدمیوں کو دیکھ چکا ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں مالک ـــ؟"

"ہاں ـــ وہی کہہ رہا ہوں جو تم نے سنا۔"

"ہم سمجھے نہیں مالک۔"

"میں کہہ رہا تھا ـــ تمہارے یہاں سے جانے کے بعد میں کئی آدمیوں کو یہاں دیکھ چکا ہوں۔"

"سرکار ـــ آپ نے کہیں خواب تو نہیں دیکھا۔"

"جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھتا ہے ـــ رامو ـــ میرے قریب آؤ۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور میرے سامنے پہنچ گیا۔ اچانک ہی میں نے ریوالور اس پر تان لیا تھا۔"

"سچ سچ بتاؤ ـــ کیا چکر چل رہا ہے اس حویلی میں ـــ؟ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"چھوٹے سرکار ـــ ہم تو اس حویلی کے بہت پرانے خادم ہیں۔ ہم سے ایسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ سرکار آپ کے پرکھوں کے نمک خوار ہیں۔ آپ ہم سے یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں ـــ؟"

"میں کسی آسیبی جال میں پھنس گیا ہوں۔"

"آپ کون سے آسیبی جال میں پھنس سکتے ہیں ـــ صاحب؟"

"تمہیں کس نے ملازم رکھا تھا ـــ میں نے سوال کیا۔"

"سرکار--- آپ کے پردادا راؤ حیدر شاہ نے---"

"کیا مطلب---؟"

"سرکار--- آپ کے پردادا کا مطلب--- آپ کے پردادا ہی ہیں؟"

"یعنی--- یعنی--- راؤ حیدر شاہ۔"

"جی سرکار۔"

"مگر--- تم--- میرا مطلب ہے---"

"سرکار--- آپ کے دادا کو میں نے گودوں میں کھلایا ہے۔"

"کون سے دادا کو؟"

"صابر شاہ کو--- غلام شاہ کو۔"

"کیا؟" میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جی سرکار--- رامو جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"لیکن رامو ان کے انتقال کو تو سو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔"

"ضرور ہو گئے ہوں گے۔" رامو نے لاپروائی سے کہا۔

"دیکھو! مجھ سے بکواس مت کرو۔ یہ میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو کیا ہے---؟"

"دیکھ رہے ہیں--- سرکار! ان کھلونوں سے آپ لوگ ہی دل بہلاتے ہوں---"

"تمہارے سینے میں سوراخ ہو جائے گا--- بیوقوف۔"

"سرکار! ہم کھانے کیلئے پوچھنے آئے تھے---"

"پہلے میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"کیا جواب دوں سرکار---؟ آپ باتیں ہی ایسی کر رہے ہیں جو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آ رہیں۔"

"ٹھیک ہے--- اب تم جہنم رسید ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور ریوالور اس کے سینے کی جانب تان لیا لیکن اچانک ہی کوئی بھاری چیز میرے ہاتھ پر آکر گری اور اس طاقت سے گری کہ میں خود بھی اوندھے منہ زمین پر آ پڑا۔ ریوالور تو پہلے ہی میرے

ہاتھ سے نکل چکا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ جو چیز مجھ سے ٹکرائی کیا وہ کیا ہے---؟ لیکن جب وہ چیز پرواز کرتی ہوئی آگے بڑھی تو میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ایک سیاہ رنگ کا خوفناک پرندہ تھا جو اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے ایک کھڑکی سے اندر آیا تھا۔ میرے ہاتھ پر جھپٹا مار کر نہ صرف ریوالور بلکہ اس نے مجھے بھی گرا دیا تھا اور اس کے بعد وہ سامنے والی کھڑکی سے باہر نکل گیا تھا۔ میں ایک بار پھر وحشت زدہ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن میرے ہاتھوں پر خراشیں آ گئی تھیں۔ وہ پرندہ جیسا بھی تھا اس نے میرے ہاتھوں کو زخمی کر دیا تھا مگر میرے بدن پر اوورکوٹ نہ ہوتا جو اب تک میں نے نہیں اتارا تھا۔ درحقیقت بڑی خراب صورتحال ہو جاتی۔ رامو ان تمام حالات سے بے خبر مڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ کلائیوں پر پڑی ہوئی خراشوں کو دیکھا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحے کیلئے میں نے سوچا تھا کہ دوڑ کر رامو کا پیچھا کروں اور اس پر گولیوں کی بارش کر دوں۔ دیکھوں تو سہی کہ اس پر کیا ردعمل ہوتا ہے---؟ کیا وہ پہلے کی طرح---؟ میرا مطلب ہے تہ خانے میں مجھے جو افراد ملے تھے اور میں نے ان پر گولیوں کی بارش کی تھی--- بچ جائے گا--- آہ--- اس منحوس حویلی کی رات کی صبح کبھی ہو گی کہ نہیں--- یہ تو صدیوں کی رات ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے اس حویلی میں وقت ٹھہر گیا ہو۔ میں کب گھر سے چلا تھا---؟ کتنی مشکلات مجھ پر بیت گئیں تھیں لیکن رات کا اندھیرا اس طرح مسلط تھا کہ چھٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جادو کی اس حویلی میں--- اس آسیب زدہ حویلی میں سورج کی روشنی یا اجالے کا گزر ہی نہ ہوتا ہو اور خوفناک پراسرار روحیں یہاں اپنا بسیرا کیے ہوں اور انہوں نے ہر طرح کے کام بند کر دیئے ہوں اور کوئی کچھ نہ کر پاتا ہو۔ بہرحال--- یہ تمام احساسات مجھے پریشان کر رہے تھے۔ میں نے چند لمحوں تک سوچا اور پھر باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب جو کچھ بھی ہونا ہے یہیں ہونا ہے۔ مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھا تو تینوں بھائیوں کے چہرے سامنے آ گئے۔ زندگی سے محروم--- اس طرح آنکھیں پھاڑے ہوئے جیسے کسی انتہائی خوفناک چیز کو دیکھ کر ان کے دل کی حرکت رک گئی ہو۔ آہ--- وہ خوفناک چیز کیا تھی---؟ کیا یہی سب کچھ---؟ جو

میں دیکھ رہا ہوں۔ میں تو شاید ان لوگوں سے کہیں زیادہ دل والا تھا جو اب تک پیش آنے والے حالات کے باوجود اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھا۔ ممکن ہے کہ وہ صورتحال کو برداشت نہ کر سکے ہوں۔ میرے خدا۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ کیا کروں۔۔۔؟" بھائیوں کے چہرے اب بری طرح میرے حواس پر سوار ہو گئے تھے اور میری آنکھوں میں ایک بار پھر آنسوؤں کی نمی نمودار ہو چلی تھی۔ میرا دل اندر سے رو رہا تھا۔ کیا میرے بھائی بھی انہیں واقعات کا شکار ہوئے تھے۔۔۔؟ آہ۔۔۔ کاش! وہ ہمت سے کام لے لیتے۔ علی شاہ اور حسین شاہ تو ناتجربہ کار تھے۔ انہوں نے زندگی میں یہ سب کچھ نہیں دیکھا تھا لیکن جمال شاہ تو دنیا دار تھے انہوں نے بہت کچھ دیکھا تھا۔ وہ بھی کسی خوف کا شکار ہو گئے لیکن پھر ایک اور خیال میرے دل میں آیا۔ اچانک ہیؔ ان تینوں کی لاشیں غائب کیسے ہو گئیں۔ حالانکہ وہ۔۔۔ جو مجھے وہاں تک لے گیا تھا وہ تو تنہا ہی واپس چلا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی تھا بھی نہیں۔۔۔ نجانے کیوں ایک بات میرے دل میں آئی۔۔۔؟ وہ یہ کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے بھائی زندہ ہوں اور صرف کسی شیطانی چکر میں پھنسے ہوں۔ آہ۔۔۔ اگر ایسا ہے تو میں زندگی کی قیمت پر بھی ان کا سراغ لگانے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھایا اور دل میں کہا کہ ""فیروز ہمت سے کام لے ماں کو بتائے بغیر گھر سے تو چلا آیا ہے ماں کا واحد سہارا تو رہ گیا ہے۔ ابو تینوں بیٹوں کے غم میں زندگی ہار بیٹھے ہیں اگر میرے تینوں بھائی زندہ ہیں اور صرف کسی شیطانی چکر میں پھنسے ہوئے ہیں تو ہزار زندگیاں بھی قربان کر کے انہیں بچانے کی کوشش کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ شیطانی چکر کیا ہے؟ کون مجھ سے کیا چاہتا ہے۔۔۔؟ کوئی ایک بات تو سمجھ میں آئے۔ لیکن بہرحال! کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔۔۔ اب اتنا کچھ دیکھنے کے باوجود بھی انسان اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش کرے تو اس سے زیادہ بیوقوف کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اپنے آپ کو ہزار بار سمجھانے کی کوشش کرنے کے باوجود میں خوف و دہشت کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ خیر یہ تو انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ میں بھلا اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔۔۔؟ پھر میں نے سوچا کہ ذرا اس کمرے کا جائزہ تو لیا جائے۔ اب تک تو بس خوف کے عالم میں یہ گزر رہی ہے۔ اب ذرا ہوش و حواس قائم کر کے ذرا دیکھوں تو

سہی! پھر میں نے اس کمرے کا بھرپور جائزہ لیا۔ دیواروں پر خوبصورت سینریاں لگی ہوئی تھیں۔ آتش دان پر ایک بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ دھندلے دھندلے نقوش سے ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی معزز شخص ہے۔ لیکن واضح نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون ہے۔۔۔؟ اور کس کی تصویر ہے۔۔۔؟ ممکن ہے گرد و غبار نے اس کے نقوش کو چھپا دیا ہو۔ میں نے اس پرندے کے بارے میں بھی سوچا۔ وہ بھیانک پرندہ یقینی طور پر۔۔۔ پرندہ۔۔۔ نہیں بلکہ کوئی بدروح تھی۔ جو پرندے کی شکل اختیار کر کے یہاں داخل ہوئی تھی اور اس نے رامو کو میرے ہاتھوں سے بچایا تھا۔ میں ایک بار پھر اپنے ہاتھوں کی خراشوں کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ ریوالور جو زمین پر پڑا ہوا تھا اٹھایا اور اس کے بعد سنبھل کر تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوا لیکن اچانک ہی میں نے قدموں کی چاپ سنی اور بجلی کی طرح پلٹ کر دیکھا تو رامو نظر آیا۔ وہ ہاتھوں میں ایک بڑی سی ٹرے اٹھائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔۔۔

"کھانا حاضر ہے سرکار۔"

"میں نے رامو کا چہرہ دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کسی بات کا احساس ہی نہ ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے اس کے ساتھ انتہائی سخت سلوک کیا تھا اور وہ میرے سوالات کا جواب دیئے بغیر لاپروائی سے باہر نکل گیا تھا۔ بڑی عجیب سی صورتحال تھی۔ رامو نے کھانے کی ٹرے ایک بڑی سی میز پر رکھ دی۔

○

ٹرے میں نفیس کھانا چنا ہوا تھا اور اس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی' ایسے لگتا تھا جیسے رامو نے یہ کھانا بالکل تازہ تیار کیا ہو۔ ایک لمحے کے لئے میں سوچنے لگا۔ رامو واپس پلٹ گیا تھا۔ میں نے کھانے کے قریب جا کر اس کا جائزہ لیا اور چند لمحات اس میں کھویا رہا۔ میں نے سوچا کہ واقعی رامو کو اس بارے میں کچھ معلوم ہی نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آ چکے ہیں۔ وہ باورچی خانے میں کھانا تیار کرتا رہا ہو' کیا یہ آدمی بے قصور ہے؟ کہیں میں اس کے ساتھ کوئی بلاوجہ کی سختی تو نہیں کر رہا۔۔۔ یہ تمام باتیں سوچتا ہوا میں کھانے کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد

رامو واپس آ گیا۔ وہ پانی کے برتن لئے ہوئے تھا۔ میں نے اسے بغور دیکھا اور کہا---

"رامو بات سنو---؟"

"جی سرکار---" وہ رک گیا۔ اب اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار تھا اور وہ مجھے کسی قدر ناگوار انداز میں دیکھ رہا تھا۔"

"رامو ایک بات بتاؤ---"

"پوچھئے سرکار--- آپ تو ہر بار ہی کوئی نہ کوئی بات ہم سے پوچھتے ہیں اور اس پر یقین بھی نہیں کرتے---"

"جو میں پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤں۔"

"جی پوچھئے نا' کچھ پوچھ بھی تو نہیں رہے ہیں آپ---؟"

"یہ کھانا تم نے ابھی تیار کیا ہے---؟"

"جی سرکار۔"

"کھانا تم خود بناتے ہو---؟"

"تو اور کیا---"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ کھانا ٹھیک ہے---؟"

"ہم کیوں کہیں گے سرکار' آپ کھا کر دیکھئے آپ کو خود پتہ چل جائے گا کہ ٹھیک ہے یا نہیں--؟"

سرکار آپ کھانا کھا کر آرام سے سو جائیں۔ دروازہ چاہیں تو اندر سے بند کر لیں۔ میں نے ایک گہری سانس لی' مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ رامو مجھے کوئی خاص بات نہیں بتائے گا۔ بہرحال وہ پھر واپس پلٹ گیا۔ پہلی تو یہ کہ اس کا نام رامو تھا اپنی گفتگو سے اپنے انداز سے وہ ہندو نظر آتا تھا۔ کسی ہندو کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھانا چاہئے یا نہیں' میں سوچتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کیا اور اس کھڑکی کی جانب چل پڑا جس سے وہ پرندہ اندر داخل ہو کر دوسری کھڑکی سے نکل گیا تھا' پرندے کے بارے میں بھی کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا' میں نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا اور مجھے دریائے سنگل بہتا ہوا نظر آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آگرے میں بنے ہوئے

تاج محل کے بارے میں' میں نے یہ سنا تھا کہ وہ جمنا کے کنارے ہے اور تاج محل کے جھروکوں سے جھرنا نظر آتا ہے لیکن دریائے سنگل بھی اس وقت جمنا سے کم نہیں تھا۔ آسمان پر صبح کی مدھم مدھم روشنی نمودار ہوتی جا رہی تھی اور میں نے سکون کی گہری سانس لی تھی' چلو ہو سکتا ہے روشنی ہونے سے میری زندگی میں پیش آنے والے ان سنگین واقعات میں کوئی فرق پڑ جائے' کھانا تو خیر میں نہیں کھا سکتا تھا اور ویسے بھی رات کا کھانا کھا لیا تھا اب یہ الگ بات ہے کہ اس رات کے واقعات ہزار راتوں کے واقعات معلوم ہوتے تھے۔ اتنی طویل' اتنی سنگین کیفیات کی حامل رات میں نے کبھی نہیں گزاری تھی۔ بے اختیار آنکھوں میں نیند اترنے لگی' ذہن بوجھل ہوتا چلا گیا' میں نے سوچا کہ تھوڑی دیر مسہری پر لیٹ کر آرام کر لوں اور میں اس خیال کے تحت مسہری پر لیٹ گیا لیکن میں نے اپنے بدن سے اوورکوٹ جدا نہیں کیا۔ اوورکوٹ میرا مسلسل اثاثہ تھا اور اس میں وہ سب کچھ موجود تھا جس سے میں فی الحال اپنی بچت کر سکتا تھا۔ ارادہ تو یہ تھا کہ چند منٹ لیٹ کر آنکھیں بند کر کے ذہن کو پرسکون کروں گا لیکن نیند ایسی ظالم چیز ہے کہ آ جائے تو پھر کسی کو بخشتی نہیں' ایسی گہری نیند سویا کہ ہوش و حواس کھو بیٹھا---"

اور پھر اتنی تھکن' اور اتنی زیادہ پریشانی کے بعد جب سکون کی نیند آتی ہے تو پھر اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا' ایسا سویا---- ایسا سویا کہ بس جاگنے کو دل ہی نہیں چاہا پھر نجانے کس وقت جاگا تھا۔ آنکھ کھولتے ہی یہ احساس ہو گیا تھا کہ خوب دن نکل آیا ہے۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا' پونے ایک بج رہا تھا۔ میں سونے کے بعد دنیا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ ایک ایسی آسیب زدہ حویلی کے کمرے میں سو رہا ہوں جہاں چاروں طرف آسیب ہی آسیب بکھرے ہوئے ہیں۔ بھٹکی ہوئی آوارہ روحوں کے درمیان گہری نیند سو جانے والے کو آپ کیا کہیں گے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان تمام باتوں کا احساس ہوتے ہی میں چیختا چلاتا حویلی سے بھاگ نکلتا لیکن شاید دل کے اندر کوئی اور احساس بھی تھا۔ غالباً" یہ احساس کہ میں اس حویلی کا ایک فرد ہوں اور اس کا تعلق میرے خاندان سے ہے یہ میری ملکیت ہے۔ پھر بستر پر لیٹا سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ یہ بات بھی جانتا تھا کہ والدہ سخت پریشان ہونگی لیکن دل میں بس ایک آرزو تھی وہ یہ کہ اگر میرے بھائیوں کا کوئی پتہ چل سکے تو اس کے لئے جس طرح بھی بن پڑے جدوجہد کروں اور انہیں زندہ ساتھ لیکر جاؤں' حالانکہ رات کو جو منظر میں نے دیکھا تھا اسے دیکھ کر مجھے یہ یقین ہو جانا چاہئے تھا کہ میرے بھائی اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا کہ وہ تینوں مر چکے ہیں۔ بس چیخ چیخ کر اندر سے ایک ہی آواز ابھر رہی تھی وہ یہ کہ وہ لوگ کسی شیطانی جال میں گرفتار ہو گئے ہیں ان کا لاشوں کا نظر آنا اور اس کے بعد ان لاشوں کا گم ہو جانا کوئی گہرے معنی رکھتا ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا----"

"فیروز شاہ دنیا میں لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں' کون زندہ نہیں رہنا چاہتا لیکن اگر کسی بڑے مقصد کے لئے زندگی کی بازی لگا دی جائے تو بات ہی کیا ہوتی ہے اور اگر تقدیر موقع دے اور اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو جائے تو پھر صحیح معنوں میں زندگی کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ ہمت کرو' نہ تو اس حویلی کو چھوڑو اور نہ ہی ناکام واپسی کا تصور کرو' جان کی بازی لگا کر صورتحال کا جائزہ لو' یقینی طور پر قدرت تمہاری مدد کرے گی' کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ بہرحال اسی خیال نے دل کو بڑی تقویت دی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا پھر دروازہ کھول کر باہر نکلا تو بالکل سامنے رامو ایک اسٹول پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ اس طرح منتظر بیٹھا ہوا تھا جیسے میرے جاگنے کا انتظار کر رہا ہو۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ دن کی روشنی میں' میں نے اس بھیانک صورت کو دیکھا۔ نجانے کیوں اس کے چہرے پر ایک نرمی سی نظر آ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ایک اداسی سی تیر رہی تھی۔ مجھ سے کہنے لگا----"

"مالک ناشتے کا وقت تو نکل گیا ہے۔ رات کو کھانا بھی نہیں کھایا آپ نے' اب کھانا ہی لے آتا ہوں----"

"رکو رامو' میں نے کہا اور وہ چلتے چلتے رک گیا----"

"رامو میں نے رات کو کھانا نہیں کھایا تھا۔ صبح کو اگر جاگ بھی جاتا تو ناشتہ نہ کرتا اور اب بھی کھانا نہیں کھاؤں گا----"

"کیوں مالک----؟"

"اس لئے کہ رامو تم ہندو ہو---- اور ہم مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاتے----"

"لیکن مالک میں نے تو آپ ہی کا نمک کھایا ہے ہمیشہ اور بڑے سرکار کبھی مجھ سے پرہیز نہیں کرتے تھے----"

"کون بڑے سرکار----"

"غلام شاہ صاحب----"

"تمہاری یہ باتیں میرا دماغ اور خراب کر دیتی ہیں جانتے ہو غلام شاہ کو مرے ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا ہے----؟"

"مرضی ہے مالک کی ہم کیا کہیں۔۔۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ کھانا بھی کھالوں گا ناشتہ بھی کر لوں گا' میری فکر مت کرو' ہاں یہ بتاؤ پانی کہاں ہے۔۔۔"

"ہر طرف ہے مالک' نلکے لگے ہوئے ہیں' غسل خانوں میں ہے' جہاں بھی چاہیں آپ' اس نے کہا۔۔۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ' اب میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ خوف کو دل سے نکالوں گا اور اس کے بعد تحقیق کروں گا۔ رات سے لیکر اب تک جو واقعات پیش آئے تھے ان میں بے شک ایسے واقعات تھے کہ خوف سے دل پانی پانی ہو جائے لیکن ایک بات اب میں نے سوچی تھی وہ یہ کہ اگر اس حویلی میں پراسرار خبیث روحیں بھٹک بھی رہی ہیں تو کم از کم انہوں نے مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ بظاہر تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن اس سے میرا عزم پختہ ہو گیا تھا اگر مجھے ان سارے معاملات سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو یقینی طور پر میرے بھائیوں کو بھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا ہو گا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ میری طرح دلیر نہ ثابت ہوئے ہوں اور ان روحوں کے شیطانی جال میں پھنس گئے ہوں جبکہ میں غیر فطری طور ہی ہی دہشت زدہ ضرور ہوا تھا ان سے' لیکن خوف سے پاگل نہیں ہو گیا تھا۔ یہاں سے نکل کر بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی میں نے اور نہ ہی میں اب بھی خوف کا شکار ہوں گا۔ میں ان روحوں سے مقابلہ کروں گا۔ میں ان سے اپنے بھائیوں کو چھین کر لے جاؤں گا۔ ایک انوکھا عزم میرے دل میں پیدا ہو گیا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کچھ غیر مرئی قوتیں میری مدد کر رہی ہوں اور مجھے ان شیطانی قوتوں سے محفوظ رکھنا چاہتی ہوں' حالانکہ سخت بھوک لگ رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب پیٹ بھرنے کے لئے مجھے کچھ نہ کچھ ضرور سوچنا ہو گا۔۔۔ لیکن اس سے پہلے میں دن کی روشنی میں بھی اس حویلی کا جائزہ لے لینا چاہتا تھا۔ میں باہر نکل آیا تھا او رامو بھی تک راہ داری میں ہی کھڑا ہوا تھا پھر اس کے بعد میں رات کے تجربات کو ذہن میں رکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا اور اس کے بعد تقریباً" ایک یا سوا گھنٹے کے بعد میں حویلی کے مختلف گوشوں

میں چکراتا رہا اور ان تمام جگہوں کا جائزہ لیتا رہا جہاں رات کو میں بھٹکتا پھرا تھا لیکن حیرت کے کچھ اور نقوش میرے ذہن پر منجمد ہو گئے' کیونکہ رات کو جو بھیانک ماحول میرے سامنے آیا تھا دن کی روشنی میں اس کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔۔۔ میں اس وقت اپنے آپ کو ذہنی طور پر بہت مضبوط کئے ہوئے یہاں کا جائزہ لینا چاہتا تھا کیونکہ بہرحال ایک مقصد کے لئے گھر سے نکل آیا تھا اگر یہ مقصد ہی پورا نہ ہو تو اس طرح ماں کو پریشان کر کے گھر چھوڑنا ایک بے ایمانی سی بات ہوتی تھی غرض یہ کہ میں حویلی کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور اس کے بعد میں نے حویلی کا ایک ایک گوشہ دیکھ ڈالا' لیکن نہ تو مجھے کہیں رامو کا نشان نظر آیا تھا اور نہ ہی کوئی اور ذی روح مجھے ملی تھی میں حیران حیران سا آگے بڑھتا رہا لیکن اچانک ہی مجھے یوں بھی محسوس ہوا کہ حویلی کا نقشہ بھی کچھ تبدیل ہو گیا ہے' میں نے انتہائی کوشش کی کہ مجھے لکڑی کا وہ زینہ نظر آ جائے جس کی ریلنگ ٹوٹی ہوئی تھی لیکن وہ زینہ بھی نظر نہیں آیا اس وقت دھوپ کی چمکیلی کرنیں حویلی کے ایک ایک حصے کو روشن کر رہی تھیں تقریباً" آدھے گھنٹے تک میں حویلی میں چکراتا رہا۔ کئی خاک آلود کمرے اور گیلریاں چھان ماریں لیکن اپنی کوشش میں ناکام ہی رہا تھا اور اس کے بعد مجھے کچن نظر آیا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے برسوں سے کچن میں کوئی داخل ہی نہ ہوا ہو' دروازہ بھی اسی طرح بند تھا کہ کھولنے کی کوشش سے کوئی فائدہ نہ ہو' جبکہ رامو کہہ رہا تھا کہ وہ کھانا گھر پر ہی بناتا ہے۔ خیر اب اس بات میں تو کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ واقعی حویلی مکمل طور سے آسیب زدہ ہے اور یہاں روحوں کا بسیرا ہے لیکن ساری باتیں اپنی جگہ' میرے دل میں اپنے بھائیوں کے لئے جو آگ تھی اس آگ کو کسی طور سرد نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ اس خوف کو دل سے نکال دینا ہو گا اور ہمت سے کام لینا ہو گا دیکھتا ہوں یہ بھوت کب تک مجھے ڈراتے ہیں اور میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔ آخر کار میں بڑے گیٹ سے گزر کر برآمدے میں آ گیا' باہر کے حصے میں ویران باغ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں بھی زندگی کے آثار نہیں تھے۔ باغ میں بکھرے ہوئے درخت پانی نہ ملنے کی وجہ سے سوکھ گئے تھے۔ احاطے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ سوکھے پتوں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے گھاس بھی اپنا رنگ کھو بیٹھی تھی۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آہنی گیٹ کے قریب آ

گیا۔ گیٹ بند تھا لیکن اس میں تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ گیٹ کھولنے کے لئے آگے بڑھے لیکن اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ صدر دروازے کا گیٹ کھلا چھوڑ آیا ہوں اسے بند کرنے کا کوئی ضروری جواز نہیں تھا لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ اسے بند کر دوں واپس پلٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گیٹ بند ہے۔ میرے خدا! کمال کی بات ہے جو کچھ ہو رہا ہے وہ سچی بات ہے کہ کلیجہ پانی کر دینے کی بات ہے لیکن ہمت۔۔۔ اگر میں نے ہمت کو آواز نہیں دی تو کچھ بھی نہیں کر سکوں گا' بھاگ جانا بہت آسان کام ہے لیکن زندگی کبھی کبھی کسی خاص مقصد کے لئے ہی وقف ہوتی ہے اگر یہ مقصد میں نے دل سے نکال دیا تو زندگی بھر کچھ نہیں کر سکوں گا۔۔۔ آخر کار میں حویلی کے گیٹ سے باہر نکل آیا۔۔۔"

○

کافی فاصلے پر مجھے کچے پکے مکانات نظر آ رہے تھے درمیانی راستہ' خادار جھاڑیوں اور درختوں سے بھرا پڑا تھا حویلی سے کچھ دور آ کر میں نے پلٹ کر دیکھا کافی وسیع و عریض جگہ پر یہ حویلی بنی ہوئی تھی تھوڑے فاصلے پر ہی دریائے سنگل بہہ رہا تھا۔ پوری حویلی سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی اور پرانی ہونے کی وجہ سے شکستہ نظر آ رہی تھی اگلے حصے کے کچھ کمروں پر دو منزلہ کمرے بنے ہوئے تھے اور ان پر ٹین کی چھت پڑی ہوئی تھی بہرحال مجھے اس حویلی کی کہانی جس طرح معلوم ہوئی تھی وہ بڑی عجیب و غریب بات تھی میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آخر کار آبادی کی طرف پہنچ گیا۔ سنگل پور کے بارے میں میرا اندازہ غلط نکلا' بے شک ایک خوبصورت سی جگہ تھی اور اس کے بارے میں' میں نے غور سے کبھی سوچا بھی نہیں تھا لیکن اب جب میں غور سے دیکھ رہا تھا تو مجھے صاف ستھرے اور کرینے سے بنائے گئے مکانات نظر آ رہے تھے۔ قرب و جوار میں کھیت پھیلے ہوئے تھے' ٹیوب ویل لگے ہوئے تھے اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہاں کے لوگ کافی سلیقے والے ہیں لیکن ایک بات مجھے محسوس ہوئی کہ ان میں سے کسی نے مجھے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کھیتوں پر بھی لوگ کام کر رہے تھے میں ان کے درمیان سے گزرا تھا انہوں نے نگاہیں اٹھا کر مجھے

دیکھا تھا اور پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ عورتیں بھی کام کر رہی تھیں۔ بچے بھی نظر آ رہے تھے لیکن سب کے سب مجھ سے بے نیاز حالانکہ ایسی غریب بستیوں کے لوگ اتنے برے نہیں ہوتے۔ کسی مہمان کو تو ایسی آبادیوں میں بہت بڑا درجہ دیا جاتا ہے لیکن مجھ سے کوئی مخاطب نہیں ہو رہا تھا۔ جب مجھے کوئی بھی اس طرح کا انسان نہ ملا تو میں خود ہی ایک ٹیوب ویل کی جانب بڑھ گیا یہاں کچھ عورتیں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں لڑکیاں بھی تھیں۔ میں ان کے قریب پہنچا اور میں نے ان سے کہا۔۔۔"

"بی بی ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں میں؟"

لڑکیوں نے مجھے دیکھا اور اس کے بعد بڑی تیزی سے وہاں سے چلی گئیں۔ وہ پانی بھر رہی تھیں لیکن انہوں نے اپنے اپنے خالی برتن اٹھائے اور چلی گئیں' میں وہیں انہیں دیکھتا رہ گیا۔ پھر مجھے خود ہی احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے مجھے اس طرح ان لڑکیوں سے مخاطب نہیں ہونا چاہئے تھا اس کے بعد میں کسی مرد کی تلاش میں آگے بڑھا' لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے احساس کہ یہ تو پوری آبادی ہی آسیب زدہ ہے۔۔۔ لوگوں کے چہرے ہی مجھے دیکھ کر سکڑ جاتے تھے اور مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے ان کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت ابھر آئی ہو' یہ کیسی نفرت ہے' بستی کے آخری سرے تک چلا گیا۔ آخری سرے پر ایک مکان نظر آ رہا تھا اور میں دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ مکان اس آبادی سے الگ تھلگ کیوں ہے۔ چھوٹی چھوٹی پختہ دیواریں جن کے پاس کھڑے ہو کر اندر احاطے میں جھانکا جا سکتا تھا' دروازہ بھی لگا ہوا تھا۔ ایسی دیواریں دیکھ کر اکثر مجھے ہنسی آتی تھی' دروازے کا کوئی جواز نہیں تھا سوائے اس کے کہ جانوروں' بھیڑ بکریوں' کتوں اور بھینسوں سے محفوظ رہا جا سکے' کسی انسان کو اگر اس مکان میں داخل ہونا ہو تو دروازہ کھلوانے کا انتظار کرنے کے بجائے اس احاطے کی دیوار با آسانی کود کر اندر داخل ہوا جا سکتا ہے' حالانکہ میں نے اس مکان کی دیوار کے قریب پہنچ کر اندر جھانک لیا تھا' اندر کا ماحول دیہاتی ماحول سے بالکل اتفاق کرتا تھا۔ تین بھینس بندھی ہوئی تھیں ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی ان کے قریب ہی تھا' ایک چھوٹی سی عمارت اندر تھی' یہ سارا جائزہ لینے کے بعد میں نے

دروازے کی زنجیر بجائی اور برابر کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر اس زنجیر بجانے کا ردعمل دیکھنے لگا' پتہ نہیں اندر موجود لوگوں کو زنجیر بجانے کا علم ہوتا بھی ہے یا نہیں لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد میں نے اندر کی عمارت سے ایک خاصی عمر کے بوڑھے شخص کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا وہ دروازے کی جانب آ رہا تھا میں اخلاقاً" دیوار کے پاس سے ہٹ گیا۔ میں نے سوچا کہ کہیں بوڑھا شخص محسوس نہ کرے کہ میں اس کے گھر میں جھانک رہا ہوں' کچھ لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا' آنے والا کافی عمر کا آدمی تھا اس کے سر' بھنویں اور داڑھی بالکل سفید تھی لیکن صحت کافی اچھی معلوم ہوتی تھی اس نے مجھے دیکھ کر کہا---"

"ہاں بولو' کیا بات ہے---؟"

"بابا صاحب میں باہر سے آیا ہوں اور آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں---"

"کیا بات کرنا چاہتے ہو---؟"

"کیا اس بستی کے لوگ مہمانوں سے اسی طرح گریز کرتے ہیں---؟"

"مہمان---"

"جی ہاں' میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں باہر سے آیا ہوں---"

"کہاں سے آئے ہو---"

"شہر سے---"

"کیوں آئے ہو---"

"ایک ضروری کام سے آیا ہوں---"

"کیا ضروری کام ہے---؟" بوڑھا کسی وکیل کی طرح مجھ سے سوالات کر رہا تھا---

"اصل میں گاؤں میں ایک بڑی حویلی ہے جو حویلی حیدر شاہ کے نام سے مشہور ہے---"

"تو پھر---"

"حیدر شاہ کے دو بیٹے تھے غلام شاہ اور صابر شاہ---"

"ہاں--- ہاں' آگے کہو---"

"میں صابر شاہ کا بیٹا ہوں---"

"اچھا تو یہ بات ہے---"

"جی---"

"کہو کیسے آنا ہوا---؟"

"بابا صاحب میں بہت پریشان ہوں---"

"جتنے بڑے آدمی کے تم بیٹے ہو اتنے بڑے آدمی کے بیٹے کو تو پریشان نہیں ہونا چاہئے--- میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں---"

"مجھے مالی مدد کی ضرورت نہیں ہے---"

"تو پھر---؟"

"یہاں میرے تین بھائی گم ہو گئے ہیں حویلی میں آئے تھے اور اس کے بعد واپس نہیں پہنچے' میں اس سلسلے میں معلومات کرنے آیا ہوں" بوڑھے نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا--- پھر پیچھے ہٹتا ہوا بولا---

"آؤ" میں نے سکون کی گہری سانس لی' کم از کم اسے اتنی توفیق تو ہوئی کہ مجھے اندر آنے کے لئے کہا' جبکہ بستی والے مجھے پاگل نظر آ رہے تھے میں نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا تھا' نجانے کیوں وہ لوگ مجھ سے نفرت کا اظہار کر رہے تھے' بہرحال میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ احاطے سے گزر کر میں نے دروازے میں قدم رکھا' پتہ نہیں کیا بات تھی اندر کا ماحول باہر کے ماحول کی نسبت اتنا ٹھنڈا تھا کہ اس کا کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال میں نے اس پر غور نہیں کیا اور اندر داخل ہو گیا۔ بوڑھا جس کمرے میں لیکر مجھے پہنچا تھا وہ دیہاتی طرز پر آراستہ تھا۔ زمین پر چٹائی بچھی ہوئی تھی ایک طرف تخت پڑا ہوا تھا جس پر بستر لگا ہوا تھا بوڑھے نے کہا۔

"بیٹھو---"

میں نے اس کی دعوت قبول کر لی اور بستر پر بیٹھ گیا' بوڑھے نے ایک اسٹول گھسیٹا اور میرے سامنے بیٹھ گیا' میں نے کہا۔

"بابا صاحب میں آپ کا تعارف حاصل کر سکتا ہوں---؟"

"میرا نام سراج خان ہے---" اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں غلام

شاہ کا دوست تھا کیا سمجھے وہ' وہ دیکھو' کیا وہ تصویر غلام شاہ کی نہیں ہے۔۔۔ ؟"

میں نے چونک کر بوڑھے کے اشارے کی جانب دیکھا' دیوار پر ایک فریم میں میرے تایا کی تصویر موجود تھی میں نے کہا۔

"لیکن محترم بزرگ' آپ میرے تایا کے دوست ہیں لیکن آپ نے اتنی دیر تک مجھ سے سوالات کئے' جبکہ میں آپ کو بتا چکا تھا کہ میں صابر شاہ کا بیٹا ہوں۔۔۔"

"ایسی باتیں نہ کرو جن کا جواب میرے پاس نہ ہو" بوڑھے نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے انداز میں میرے لئے کچھ سختی ہے خیر' میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو میرے تینوں بھائیوں کے بارے میں کچھ معلومات ہیں۔۔۔؟"

"ہاں' وہ مجھ سے مل چکے ہیں' پہلے دو' بعد میں ایک۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں۔۔۔"

"تو آپ کو ان کے بارے میں معلوم ہو گا۔۔۔؟"

"اگر کوئی کسی سے آ کر ملتا ہے تو دوسرا اس کی خاطر مدارت کرتا ہے اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ۔۔۔ کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ ان کا قیام کہاں تھا۔۔۔؟"

"سیدھی سی بات ہے۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟"

"حویلی میں رہتے تھے وہ' پہلے دو آئے تھے' دونوں نے یہاں سیر و سیاحت کی اور ہر جگہ گھومتے پھرے' مجھ سے بھی ملے' گاؤں کے پنگھٹ پر نوجوان لڑکیوں کو بھی چھیڑا اور غلام شاہ کی تاریخ دوہرائی' اس کے بعد حویلی چلے گئے' اس کے بعد مجھے نہیں معلوم۔۔۔"

"لڑکیوں کو چھیڑا۔۔۔ غلام شاہ کی تاریخ۔۔۔"

"اس سے آگے ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتا تمہیں' بوڑھے نے سنگین لہجے میں کہا' اس کا لہجہ حتمی ہوتا تھا اور یوں لگتا تھا کہ جیسے واقعی جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس کے بعد مزید کچھ نہیں کہے گا لیکن یہ انکشاف میرے لئے بڑا سنگین تھا میں نے کہا۔۔۔"

"اس کے بعد کیا ہوا۔۔۔؟"

"تیسری بار جو شخص آیا اس کا نام جمال شاہ تھا اور اس نے بھی تمہاری ہی طرح اپنے دونوں بھائیوں کے سلسلے میں تشویش کا اظہار کیا' مگر ہم میں سے کون کیا جانتا تھا کہ ظاہر ہے کوئی بھی کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا اور وہ بھی چلا گیا' جس طرح تھوڑی دیر کے بعد تم چلے جاؤ گے' تم بھوکے ہو شاید' ٹھہرو میں تمہارے لئے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"بابا صاحب میں واقعی بھوکا ہوں لیکن پہلے آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔"

"جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تمہارا کام ہے اور جو مجھے کرنا ہے وہ میرا کام ہے نہ میں تمہیں تمہارے کام سے روکتا ہوں نہ تم مجھے میرے کام سے روکو" بوڑھا اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔۔۔ میرے دل میں امید کی ایک شمع روشن ہو گئی تھی اور کچھ نہ تو کم از کم اتنا تو معلوم ہوا مجھے کہ میرے تینوں بھائی یہاں آئے تھے' شاید بوڑھے نے جو الفاظ کہے ان کا مطلب بھی میری سمجھ میں آ رہا تھا' غلام شاہ کو سنگل پور میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہو گا' اڑتی اڑتی باتیں میں نے بھی سنی تھیں کہ غلام شاہ عیاش تباہ آدمی تھے اور انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ برائیوں میں گزارا تھا۔ سنگل پور کی حویلی ان کی ملکیت تھی ہو سکتا ہے انہوں نے حویلی کے لوگوں کے ساتھ یعنی سنگل پور کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا ہو اور شاید بستی کے لوگ یہ بات جانتے ہوں کہ حویلی میں غلام شاہ کے اہل خاندان ہی آ سکتے ہیں اور ان کے چہروں پر جو نفرتوں کے نشان نظر آ رہے تھے اس بات کے امکانات تھے کہ وہ حویلی کے رہنے والوں کی وجہ سے ہوں بات اب کسی حد تک سمجھ میں آ رہی تھی' چنانچہ میں نے سوچا کہ میں اس تصور کو بھی قائل کرنے کی کوشش کروں گا اور اگر سنگل پور میں کچھ دن قیام کرنا پڑا تو یہاں رہنے والوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی نکالنے کی

کوشش کروں گا کہ حویلی آنے والے تمام ہی لوگ برے نہیں ہوتے ہیں' تھوڑی دیر کے بعد بزرگ آ گئے' کھانے کی ٹرے ساتھ لائے تھے اس وقت یہ کھانا میرے لئے جس قدر اہمیت کا حامل تھا اس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا' جانوروں کی طرح میں نے کھانا کھایا' سراج خان صاحب مجھے خاموشی سے اپنے اسٹول پر بیٹھے دیکھتے رہے' پانی پینے کے بعد میں نے ان سے کہا۔

"اصل میں سراج چچا انسان جب اپنی اصلیت میں ہوتا ہے ایسی ہی شکل میں نظر آتا ہے' جیسا میں آپ کو نظر آیا' میں جس قدر بھوکا تھا اس کے بعد اگر میں تکلف سے کھانا کھاتا تو وہ حقیقت نہ ہوتی۔" میں نے سراج خان کے چہرے پر اپنے الفاظ کا تاثر تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ چہرہ تو کسی پتھر کی طرح سپاٹ تھا۔ کوئی تاثر اس چہرے پر نہیں ابھرا تھا میں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔

"سراج چچا ایک بات بتائیے' اصل میں' میں چچا آپ کو اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ خود میرے تایا کے دوست تھے آپ یہ بتائیے کہ آپ کیا رامو نامی کسی شخص سے واقف ہیں---؟"

"رامو---"

"ہاں' اسی حویلی میں رہتا ہے---"

"اوہ رامو' وہ رہتا ہے نہیں رہتا تھا---؟"

"کیا مطلب---؟"

"اسے مرے ہوئے تو برسوں بیت گئے' بہت ہی پرانی بات ہے' بہت پرانی---"

"لل لیکن--- مم میں نے تو اسے دیکھا ہے--- محترم بزرگ---"

"کیا مطلب ہے تمہارا---؟"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے اسے ابھی دیکھا ہے وہ حویلی میں میری خدمت گار کی حیثیت سے مجھے نظر آتا رہا ہے۔" سراج خان نے لاپرواہی سے مجھے دیکھا اور بولے۔

"یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جو تم مجھے بتاؤ---"

"سراج چچا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کہتے ہیں کہ وہ کتنے طویل عرصے پہلے مر چکا ہے---"

"تو میں تم سے جھوٹ تو نہیں بول رہا---"

"لیکن سراج چچا---"

"کیا مطلب ہے اس کا---"

"سراج چچا' رات ہی کو میں اسے حویلی میں دیکھ چکا ہوں' میری اس سے بات چیت ہوئی ہے اس نے مجھے خوش آمدید کہا تھا' حویلی کا گیٹ کھولا تھا کہتا تھا کہ میرا انتظار کر رہا ہے---"

"کر رہا ہو گا---" بزرگ نے لاپرواہی سے کہا۔

"سراج چچا ایک مردہ شخص بھلا ایسا کر سکتا ہے--- ؟"

"کیوں---؟" اس میں کیا خاص بات ہے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں نہیں آ رہا---"

"ایک مردہ شخص سب کچھ کر سکتا ہے جسے میں نے کیا---" سراج چچا نے کہا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور دوسرے لمحے وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ایک لمحے کے اندر اندر ان کا کوئی نام و نشان نہیں ملا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔ لیکن یہ کیا' میرے خدا--- میرے خدا' میں نے بڑی مشکل سے اپنے چکراتے ہوئے ذہن کو سنبھالا تھا آہ کیا عذاب ہے۔ کسی انسان کو اپنی زندگی میں اس قدر ہوشربا واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہو گا کاش کوئی مجھے بتا سکتا۔

لیکن کون تھا بتانے والا--- اپنی مشکل و عذاب سے انسان کو خود سنبھالنا پڑتا ہے اور اسی وقت میری یہی کیفیت تھی۔

ناقابل یقین--- آہ--- ناقابل یقین--- یہ کیا ہے---؟ آخر یہ کیا ہے---؟ کچھ سمجھ میں تو آئے۔ میری تو عقل ہی میرا ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کمرے کا ماحول جو کچھ تھا وہ اب نہیں تھا۔ سامنے سے سٹول بھی غائب ہو گیا تھا۔ دیواریں پلستر کے بغیر بری طرح ادھوری نظر آ رہی تھیں۔ ایک جگہ چھت کے پاس ایک بڑا سا حصہ ٹوٹا ہوا تھا اس سے اینٹوں کا ڈھیر جھانک رہا تھا۔ میں وحشت زدہ انداز میں تخت سے نیچے اتر آیا اور تیزی سے دروازے کی جانب لپکا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ کمرے کی چھت گر پڑے گی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے پلٹ کر دیکھا اور میرے حلق سے چیخ نکل گئی وہ تخت بھی غائب تھا جس پر میں بیٹھا ہوا تھا اور ابھی ایک لمحے قبل اس پر سے اترا تھا۔ میرے دل میں خوف و دہشت منجمد ہونے لگی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے پورا سنگل پور ہی بھوت نگری ہو۔ یہاں انسانوں کے بجائے بھوت رہتے ہوں۔ میں باہر نکلا اور پھر میں نے اس احاطے پر نظر ڈالی۔ میرے خدا--- میرے خدا--- پاگل ہو جاؤں گا میں--- دماغ پھٹ جائے گا میرا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھینسیں جو زندہ سلامت تھیں اور میرے سامنے بندھی ہوئی چارا کھا رہی تھیں۔ وہاں موجود نہیں تھیں بلکہ ان بھینسوں کی جگہ اب تین جانوروں کے سوکھے ہوئے پنجر نظر آ رہے تھے۔ جنہیں غور سے دیکھنے پر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ بھینسوں کے جسموں کے ڈھانچے ہی ہیں۔ پورے احاطے میں لمبی لمبی سوکھی گھاس کہیں کہیں بہت اونچی اور کہیں نیچی--- میں نے باہر قدم بڑھا دیے اور تیزی سے دوڑ کر اس دروازے کی طرف جانے لگا جو کھلا ہوا تھا۔ اچانک ہی دوڑتے

ہوئے مجھے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ میں نے گردن اٹھا کر دیکھا تو ایک خوفناک سانپ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اب زندگی بچانے کا تصور باقی تمام احساسات پر حاوی تھا۔ میں نے تیزی سے باہر دوڑنا شروع کر دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ موذی جانور جب کسی کے پیچھے لگتا ہے تو اس کی رفتار بھی بہت تیز ہوتی ہے۔ بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ جس قدر تیزی سے بھاگ سکتا ہوں بھاگوں۔ چنانچہ میں دوڑنے لگا دروازے سے کیسے باہر نکلا یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی بچانے کیلئے دوڑ رہا تھا اور میری چیخیں بس رکی ہی ہوئی تھیں۔ آخر کار اس دروازے سے باہر نکل آیا۔ سمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ جدھر منہ اٹھا دوڑنا شروع کر دیا۔ پلٹ کر یہ دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی کہ سانپ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ یا رک گیا۔ میں ایک سمت بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر کھیت بکھرے ہوئے تھے انہیں کھیتوں کے درمیان سے گزر کر میں یہاں تک آیا تھا۔ راستہ بھی یہی تھا میں نے کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر دوڑنا شروع کر دیا اور پھر جب سانس بالکل ہی اکھڑ گیا اور سینہ کسی طرح میرے قابو میں نہ آیا۔ تو میں رکا میں نے پلٹ کر وحشت زدہ نگاہوں سے عقب میں دیکھا اور یہ دیکھ کر مجھے کس قدر سکون ہوا کہ سانپ اب میرا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اس مکان کے دروازے ہی سے باہر نہ نکلا ہو لیکن بھلا میری کیا مجال تھی کہ میں رک کر ادھر دیکھتا پھر میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں سامنے ہی ایک بڑا سا درخت نظر آیا۔ پیپل کا درخت تھا اس کا نچلا حصہ چونے سے سفید کر دیا گیا تھا اور اس سفیدی کے پاس مٹھائی رکھی ہوئی تھی۔ جو پتوں کے بنائے ہوئے ایک برتن میں تھی۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ ہندو پیپل کی پوجا کرتے ہیں اور مٹھائی وغیرہ چڑھاتے ہیں۔ میں نے ابھی اسے گھر میں باقاعدہ کھانا کھایا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ میرا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ نہ بھی بھرا ہوتا پھر بھی اس مٹھائی کی جانب میری توجہ نہ جاتی۔ تاہم میرے قدم اس طرف اٹھ گئے اور میں نے تھوڑی دیر کے بعد پیپل کے پاس پہنچ کر چاروں طرف دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی کمر پہ پانی کا برتن لئے جا رہی ہے۔ اس کا لباس بڑا ہی خوبصورت تھا۔ اس کی پنڈلیاں گھٹنوں تک کھلی ہوئی

تھیں اور اس کے پیروں میں چاندی کی پازیبیں پڑی ہوئی تھیں۔ جن سے چھن
چھن--- چھن چھن کی آوازیں ابھر رہی تھیں ایک لمحے کیلئے میں نے سوچا کہ کہیں
اس لڑکی کو روکنے اور بات کرنے کا نتیجہ کہیں برا نہ نکلے۔ ویسے ہی بستی کے لوگ
مجھے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں لیکن پھر میں نے اپنی وحشت پر قابو پا کر اس
طرف کا رخ کیا اور دوڑتے ہوئے اس لڑکی طرف جانے لگا۔ پھر میں نے اسے آواز
دی۔

"سنو--- بات سنو لڑکی--- میری بات سنو--- لڑکی رکی اور اس نے مجھے
پلٹ کر دیکھا میرے قدم ایک دم رک گئے۔ مجھے یوں لگا جیسے چاند نے انسانی شکل
اختیار کر لی ہو۔ اس کے روشن چہرے پر کسی حسین لڑکی کے نقوش ابھر آئے ہوں۔
بڑی بڑی حسین آنکھیں--- ہر نقش اپنی جگہ بے مثال گھنے سیاہ بال--- خاص طرح
کی چوٹیوں کی شکل میں گندھے ہوئے۔ وہ بے حد حسین تھی لیکن ایک لمحے تک میں
اس کے حسن کے سحر میں گرفتار رہا۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔ لڑکی
میری جانب دیکھ رہی تھی۔

"میری بات سنو--- میں تم سے---" میں آگے بڑھا تو وہ پیچھے ہٹنے لگی۔ میں
نے کہا۔

"ڈرو نہیں--- میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" لیکن اچانک ہی
لڑکی نے ایک لمبی چھلانگ لگائی ہاتھوں میں پکڑے ہوئے مٹی کے برتن کو زمین پر
پھینک دیا۔ جو زمین پر گر کر ٹوٹ گیا اور لڑکی نے دوڑنا شروع کر دیا۔

"سنو--- میری بات سنو--- میں تم سے وعدہ کرتا ہوں---" لیکن وہ نہ رکی
میں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا اور کافی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ لڑکی کی رفتار مجھ سے
زیادہ تیز تھی۔ اس کے پیروں سے چھن چھن کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ مجھے ایک
دم غصہ آ گیا۔ جانوروں کی اس بستی میں کوئی بھی انسان نہیں ہے۔ لڑکی نے آخر مجھے
سمجھا کیا ہے---؟ میں ایک شریف آدمی ہوں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں
دوڑتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور میرا فاصلہ لڑکی سے کم ہونے لگا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ

لڑکی نے کتنا فاصلہ طے کیا ہے کہ لڑکی نے اچانک چھلانگ لگا دی۔ یہ سیدھی پگڈنڈی
کے بجائے بڑے بڑے قد آدم کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ باجرا پک چکا تھا اور اس کی بالیں
فضا میں لہرا رہی تھیں۔ لڑکی ان کے درمیان گھس گئی تھی اور شاید بیٹھ گئی تھی کیونکہ
جب میں اس جگہ پہنچا جہاں وہ باجرے کے کھیتوں میں گھس تھی مگر وہ مجھے نظر نہیں
آئی تھی۔ میں وہاں رک کر ہانپنے لگا۔ تقدیر ہی خراب تھی۔ ہر کام الٹا ہو رہا تھا۔ اب
اس بیوقوف لڑکی کو میں کیا بتاتا---؟ کہ اس جیسے حسن کو تو میلی نگاہ سے چھونے کو
بھی جی نہ چاہے کہ کہیں میلا نہ ہو جائے۔ بہت حسین تھی لگتا تھا دودھ اور ہیرے کو
گوندھ کر ایک انسانی وجود تراشا گیا ہو۔ سنگ مرمر کی طرح سڈول--- لیکن اس
وقت اس کا حسن میرے لئے باعث کشش نہیں تھا۔ میں اس سے اس بستی کے
بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ اچانک ہی چھن کی ہلکی سی آواز ابھری۔ جو اس کی پازیب
سے نکلی تھی میں نے یہیں سے چیخ کر کہا۔

"بیوقوف لڑکی--- میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔
میری مدد کر--- اس وقت مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے۔ پاگل--- کیوں مجھے میری
نگاہوں میں ذلیل کر رہی ہے---؟ بات سن--- میری بات سن۔" لیکن اس کے بعد
وہ چھن کی آواز بھی بند ہو گئی اور میں پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر میں
نے کہا۔

"ٹھیک ہے--- تم سب ہی جانور ہو تو پھر میں کیا کروں---؟" میں وہاں سے
تھوڑا سا آگے بڑھا اور اس کے بعد بڑھتا چلا گیا۔ جب یہاں کسی کی سننے والا ہی نہیں
ہے تو پھر کیا فائدہ---؟ ابھی تھوڑا سا آگے بڑھا تھا کہ اچانک ہی ایک درخت کے
پیچھے مجھے کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا یہ جو بھی تھا۔ خاموشی سے کمبل اوڑھے ہوئے بیٹھا ہوا
تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا---؟ میرے قدم اس کی جانب اٹھ گئے اور جب میں اس کے
قریب پہنچا تو وہ کمبل پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ
یہ وہی بوڑھا سراج خان تھا--- اس کی شعلہ بار نگاہیں میری طرف گھور رہی
تھیں--- اس نے کہا---

"غلام شاہ کا دوست ہوں میں اور غلام شاہ ہی کے رشتے سے بتا رہا ہوں
یہاں کوئی ایسی ویسی حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ تمہیں بچانے والا کوئی نہ
ہوگا۔"

"میری بات سنئے--- آپ--- میں کہتا ہوں کہ کیا ہے یہ سب کچھ---
لیکن بوڑھے نے میری بات نہ سنی اور دوبارہ کمبل اوڑھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ پھر
کمبل زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے کھینچا--- مجھے یوں لگا تھا ج
بوڑھا زمین کے اندر چلا گیا ہو۔ کمبل میرے ہاتھ میں آگیا لیکن بوڑھا اس کے
موجود نہیں تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے ہوش و حواس جواب دے
ہوتے لیکن جیسے جیسے پراسرار واقعات میرا تعاقب کر رہے تھے۔ ویسے ویسے می
طبیعت میں نڈر پن پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ دیکھ لوں گا ان سب کو--- اگرچہ بھوتوں ک
ہے تو تب بھی میں یہاں اپنے بھائیوں کو تلاش کروں گا۔ مجھے میرے بھائی مل جائ
مجھے اس بھوت نگری سے اور کچھ نہیں چاہئے کمبل اس کی جگہ پھینک کر میں غص
انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ تھکن سے تو برا حال تھا ہی۔ میں اگر ایسی ذہنی کیفیت
شکار نہ ہوتا تو شاید وہیں زمین پر گر پڑتا لیکن میرے اندر کے جنون نے مجھے یہ تھ
سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ویسے بھی کسی کے تین جوان بھائی اس طرح کھو جائیں تو
صاحب دل کو برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخر کار--- میں بستی میں داخل
گیا۔ پتا نہیں--- کتنا لمبا فاصلہ طے کر کے اس راستے سے پہنچا تھا---؟ بستی جو
کی توں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دوکان کے پاس رک کر میں نے کہا۔

"میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلاؤ گے---"

"نہیں---"

"ایک بات سنو--- مجھے جانتے ہو تم---"

"نہیں---"

"تو کیا تم آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہو---"

"نہیں---"

"نہیں کے علاوہ بھی کچھ اور آتا ہے---"

"نہیں---"

"مجھے پانی پلاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" میں نے کہا اور دوکاندار کے چہرے پر
خوف کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ جلدی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ دوکان کا سامان
ایک شوکیس طرح کی الماری میں چنا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں--- میں تمہیں جانور نظر آتا ہوں۔" اس نے کوئی
جواب نہیں دیا اور تیزی سے شوکیس کے پیچھے چلا گیا۔ مجھے شدید غصہ آ رہا تھا۔
ٹھیک کروں گا ایک ایک کو--- میں نے دل میں سوچا تھا۔ پھر میں دکان میں چڑھ گیا
اور میں نے کہا۔

"شرافت سے باہر نکل آؤ--- ورنہ میں تمہاری دکان کو آگ لگا دوں گا۔"
میں آگے بڑھ کر شوکیس کے پیچھے پہنچ گیا لیکن خدا کی پناہ--- وہاں
کوئی نہیں تھا۔ میرا دل چاہا کہ اپنے بال نوچ لوں۔ پاگل پن کی حدود میں داخل ہو گیا
تھا میں۔ میں نے شوکیس کو ایک ٹھوکر ماری اور چیزیں نیچے گر پڑیں--- کوئی جرم
نہیں کرنا چاہتا تھا وہاں--- پستول میرے پاس موجود تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ پستول نکال
کر چاروں طرف فائرنگ شروع کر دوں۔ یہ کیسے لوگ ہیں---؟ کیسے انسان
ہیں---؟ البتہ ایک کام میں نے کیا۔ دکان میں کھانے پینے کی بہت ساری چیزیں موجود
تھیں۔ بسکٹوں کے پیکٹ جن پر گرد جمی ہوئی تھی لیکن چونکہ وہ سلوفین میں پیک تھے
اس لئے اندر سے یقینی طور پر تر و تازہ ہوں گے۔ میں بسکٹوں کے کچھ ڈبے اٹھا کر اپنی
جیب میں رکھنے لگا اور پھر وہیں سے میں نے پلاسٹک کا ایک لوٹا بھی لیا۔ جو میرے کام
آ سکتا تھا۔ جیب سے ان چیزوں کی رقم نکال کر اس جگہ رکھی جہاں دوکاندار بیٹھا ہوا
تھا اور زور سے کہا۔

"مجھ جیسے آدمی کو برداشت کرنا پڑے گا تم لوگوں کو---" میں نے کہا--- تم
اگر اس دنیا سے رشتہ توڑ چکے ہو تو ٹھیک ہے۔ میرا رشتہ اس دنیا سے قائم ہے۔ میں
زندہ رہنا چاہتا ہوں اور اپنے بھائیوں کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے بغیر میں واپس

نہیں جاؤں گا۔ بلا سے خود میری زندگی کا چراغ گل کیوں نہ ہو جائے۔۔۔؟ سمجھے تم لوگ پیسے رکھ دیئے ہیں میں نے تمہارے سامان کے یہ نہ سمجھنا کہ میں لٹیرا ہوں۔ ایک ایک کو ٹھیک کر کے جاؤں گا میں۔۔۔ میرا نام بھی فیروز شاہ ہے۔ سمجھے۔۔۔ فیروز شاہ ہے میرا نام۔۔۔ اور پھر میں جوش کے عالم میں وہاں سے چل پڑا۔ دل میں فیصلہ کر لیا تھا میں نے کہ حویلی کا راز معلوم کرنا تو اب میری زندگی کا پہلا مقصد ہے۔ دیکھتا ہوں کہ یہ بھوت مجھے کتنا ڈراتے ہیں۔ پھر اس کے بعد میں نے حویلی ہی کا رخ کیا تھا۔ حویلی کا ماحول جوں کا توں تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو مجھے کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ البتہ ایک تبدیلی میں نے اپنے اندر ضرور محسوس کی تھی وہ یہ کہ اب میں الرٹ ہو چکا تھا۔ جتنا ڈرنا تھا ڈر چکا تھا۔ اب مجھ سے ان بھوتوں کے ڈرنے کی باری تھی اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور دنیا میں وہ ساری مخلوق جو کسی ن کسی شکل میں موجود ہے۔ انسان کے سامنے پست اور بے مقصد ہے۔ زمانہ قدیم کے پہاڑ نما جانور موجودہ دور کے درندے۔۔۔ سارے کے سارے انسان سے پناہ مانگتے ہیں۔ جب اس کا ذہن گھوم جاتا ہے تو یہ درندے بے حقیقت ہو جاتے ہیں کیونکہ ب انسان سے برے درندے نہیں ہوتے۔ میں حویلی میں اپنے اسی کمرے میں پہنچ گیا۔ جس میں رامو نے میرے لئے بندوبست کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اطمینان سے جوتے اتارے اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ وقت گزرتا رہا۔ گزرے ہوئے واقعات نے جو تھکن میرے بدن پر طاری کر دی تھی۔۔۔ اب بھی مجھ پر مسلط تھی۔ پھر بھی میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ حویلی میں واقعی بہت سے نل لگے ہوئے تھے۔ ایک ن کو کھول کر میں اس سے پانی گرانے لگا پائپ لائنیں پرانی تھیں لیکن پانی شفاف آ ر تھا۔ میں نے پانی کو ہاتھ میں لے کر سونگھ کر دیکھا۔ پھر زبان سے چکھا۔ قدرت کی امانت دنیا کی کثافتوں سے محفوظ تھی۔ میں نے مطمئن ہو کر اسے لوٹے میں بھر لیا او واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر بسکٹوں کے ڈبے نکالے اور ایک طرف رکھ دیے۔ پھر اچانک ہی مجھے اس ڈائری کا خیال آیا اور میں نے جیب سے ڈائری نکال لی لیکن بد قسمتی جیسے ہی میں نے ڈائری نکالی۔ اچانک ہی ڈائری سے د

چھپکلی باہر نکلی اور میرے ہاتھ کی کلائی پر ہوتی ہوئی کندھے پر چڑھ گئی میں نے ایک دم سے دوڑ لگائی تھی اور میرے حلق سے آوازیں نکل گئیں تھیں۔ میں نے چھپکلی کو بری طرح سے اپنے کندھے پر سے جھاڑا لیکن وہ نیچے نہیں گری تھی۔ یہاں تک کہ میں نے اپنا کوٹ اتارا اور اسے زور زور سے جھٹکنے لگا۔ ڈائری مجھ سے نیچے گر پڑی تھی اور اس کے اوراق کھل گئے تھے۔ پھر میں دیکھنے لگا کہ چھپکلی نیچے گرتی ہے یا نہیں لیکن وہ نہیں گری تھی۔ میں نے کوٹ کی ایک ایک جیب تلاش کر لی۔ پھر اچھی طرح کوٹ کو دیکھا لیکن چھپکلی کوٹ میں نہیں تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا اور جب وہ مجھے نظر نہیں آئی تو میں نے واپس کوٹ اپنے بدن پر پہن لیا۔ یہ کوٹ میرا بہترین ساتھی تھا اور اسے اپنے آپ سے الگ کرنا میرے لئے کسی طور مناسب نہیں تھا۔ مگر وہ چھپکلی۔۔۔ آہ۔۔۔ وہ چھپکلی۔۔۔ میں نے اسے اپنی کلائی پر چڑھتے ہوئے دیکھا تھا پھر کندھے پر۔۔۔ پھر اس کے بعد گردن کے قریب۔۔۔ میں ڈائری کے پاس آیا اور خوفناک ڈائری کو میں نے اٹھا کر جھٹک کر دیکھا۔ ڈائری کا جو ورق کھلا ہوا تھا اس پر چھپکلی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ بالکل ویسی ہی تصویر جیسی میں نے ابھی دیکھی تھی۔۔۔

"تم جو کوئی بھی ہو۔۔۔ تمہارا جو کوئی بھی راز ہے۔۔۔ کوشش کرتے رہو مجھے خوفزدہ کرنے کی بے شک انسان ہوں خوف سے دور نہیں ہوں لیکن تم سے ہار نہیں مانوں گا۔ دیکھوں گا میں بھی۔۔۔ کہ کیا ہوتا ہے۔۔۔؟ پھر اچانک ہی مجھے رات کے ان واقعات کا خیال آیا۔۔۔ وہ منحوس لوگ جو مجھے تہہ خانے میں لے گئے تھے اور انہوں نے مجھے میرے بھائیوں کی لاشیں دکھائی تھیں۔ مجھ سے ڈائری مانگ رہے تھے۔ اس ڈائری کو اپنے پاس رکھنا میرا فرض ہے۔ چاہئے اس میں کتنے ہی راز کیوں نہ چھپے ہوئے ہوں۔۔۔؟ چنانچہ میں نے اسے بند کر کے اپنے لباس میں محفوظ کر لیا۔ پھر اچانک ہی مجھے رامو کا خیال آیا۔ پھر بے اختیار ہی میرے منہ سے آواز نکل گئی۔۔۔

"رامو۔۔۔ کیا تم اب بھی یہاں موجود ہو۔۔۔؟" جواب میں دروازہ کھلا اور

رامو اپنے مخصوص انداز میں میرے پاس پہنچ گیا۔

"ہم کہاں جائیں گے--- چھوٹے سرکار؟ مالک ہیں آپ ہمارے--- نمک کھایا ہے برسوں حکم کریں۔ آپ نے تو ہمارا دیا ہوا کھانا بھی نہیں کھایا---"

"رامو--- تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں میں---"

"کہو مالک--- وہ بولا---"

"رامو--- یہ سب کیا ہے---؟"

"کہاں سرکار---؟"

"تم یہ بتاؤ--- کہ تم زندہ ہو یا مرچکے ہو۔" میں نے سوال کیا اور رامو مجھے عجیب سی آنکھوں سے دیکھنے لگا پھر میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں میں خون اترتا آ رہا ہے۔ ان آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے پھر اپنا سوال دہرایا---

"رامو--- تم نے مجھے جواب نہیں دیا---"

"سرکار--- کچھ چاہئے تو ہمیں بتاؤ۔ جو سوال تم ہم سے کر رہے ہو وہ نہ کرو تو اچھا ہے۔ ہم تمہیں اس کا جواب نہیں دیں گے۔ یہ بتاؤ کیا خدمت کریں ہم---؟"

"کچھ نہیں--- مجھے صرف یہ بتاؤ کہ سراج خان کون تھا---؟ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ تم مرچکے ہو۔ دیکھو رامو--- اس بات کو دل میں رکھنا--- میں اس طرح یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اگر تم بھوت ہو تو زندگی میں پہلی بار تمہیں بھی لطف آئے گا کسی انسان سے مقابلہ کرنے کا--- رامو خاموشی سے میری باتیں سن رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا---

"جواب دو--- رامو---"

"جواب دیں گے سرکار--- تو آپ سے برداشت نہیں ہو گا۔ مشورہ دے رہے ہیں--- مان لو نہ مانو--- تمہاری مرضی--- پر ایک بات تمہیں کہہ دے رہے ہیں کہ ہو گا تمہیں نقصان--- کیا سمجھے؟ یہ کہہ کر رامو مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے اسے دو تین آوازیں دی تھیں اور اس کے بعد میرے ہونٹوں پر تلخی پھیل گئی تھی۔

"تین مرچکے ہیں--- رامو--- تین مرچکے ہیں--- ماں بچاری ان تینوں کا غم اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہے۔ میرے بڑے تھے وہ--- اگر قدرت نے ان کو زندگی دی ہے اور تم شیطانوں نے انہیں کسی جال میں پھانس لیا ہے تو ایک بات ذہن میں رکھو انہیں لے کر جاؤں گا اور اگر وہ مر بھی چکے ہیں تو ان کی لاشیں لے کر یہاں سے جاؤں گا۔ دوسری صورت میں خود بھی انہی کہانیوں میں گم ہو جاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ ماں مجھے نہ سمجھ کر خود بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گی۔ ہم پانچوں وہیں اپنے خاندان کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔ موت کے بعد کی زندگی جو ہمارا ایمان ہے۔ لیکن تم--- تمہیں بڑی مایوسی ہو گی مجھ پر قابو پانے کی کوششوں میں--- میں تلخ آواز میں زور زور سے کہہ رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے اندر حوصلے کا پہاڑ پیدا ہوتا جا رہا ہو۔ بہرحال--- انسان تھا جوش میں آکر انسان جوش کی بات کرنے لگتا تھا۔ میں بھی بہت باتیں کر رہا تھا۔ اب باقی قدرت کا معاملہ تھا کہ اس کی طرف سے میری کتنی مدد کی جاتی ہے۔

میں جاگتا رہا اور باہر رات اتر آئی۔ رات کے اندھیرے پراسرار کہانیوں میں
بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں اور لگتا ہے کہ دن کی روشنی۔۔۔ سورج کا وجود پراسرار
روحوں کیلئے بھی کوئی ناپسندیدہ وجود ہوتا ہے جو کچھ کہانیاں جنم لیتی ہیں ان میں رات کا
بڑا دخل ہوتا ہے اور رات کے واقعات کے بعد میرے ذہن کے اور بہت سے خانے
روشن ہوتے چلے گئے۔ میرے دل میں شدید آروز تھی کہ میں ایک بار پھر اس تہ
خانے کا جائزہ لوں اور اپنے بھائیوں کی لاشیں تلاش کروں یا تقدیر اگر میری مدد کرے
اور وہ مجھے زندہ مل جائیں تو انہیں اس حویلی کے سحر سے آزاد کرانا میری زندگی کا
اولین مقصد ہو گا۔ چنانچہ میں نے اپنا پیٹ بھرا' بسکٹ وغیرہ جو میں اپنے ساتھ لایا تھا
وہ کھائے۔ ریوالور چیک کیا اور انتظار کرنے لگا کہ وقت گزر جائے تو ذرا اس جگہ کا
جائزہ لوں۔ پھر۔۔۔ میں تمام تر تیاریاں کرنے کے بعد باہر نکل آیا۔ میں نے سب سے
پہلے سامنے والی سیڑھیوں پر قدم رکھا اور سیڑھیاں طے کرتا ہوا پہلی منزل پر پہنچ گیا۔
میرے پاس وہ لالٹین تھی جو میں نے یہیں دیکھی تھی۔ اس لالٹین کو میں نے اپنے
پاس محفوظ کر لیا تھا اور اس وقت وہ میرے کام آ رہی تھی۔ سب سے زیادہ مجھے رامو
کا خطرہ تھا۔ اب اس بات میں تو کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ رامو نام کی ایک
آوارہ روح یہاں رہتی ہے اور اگر میرے لئے کوئی چیز خطرناک ثابت ہو سکتی ہے تو
صرف رامو ہی ہو سکتا ہے۔ سیڑھیاں طے کر کے میں پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ سامنے ہی
ایک طویل برآمد تھا۔ جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لکڑی کے منقش ستون لگے
ہوئے تھے۔ ان ستونوں کے درمیان لکڑی کا ایک جنگلا تھا۔ جو سیڑھیوں کے دائیں
اور بائیں دونوں طرف چلا گیا تھا۔ سامنے قطار میں تین دروازے تھے۔ تیسرے اور

آخری دروازے سے کچھ فاصلے پر پھر ویسی سیڑھیاں تھیں جو دوسری منزل پر جا رہی
تھیں۔ میں نہیں جانتا تھا۔۔۔ کہ پہلی منزل پر جو کمرے بنے ہوئے ہیں ان میں کیا
ہے۔۔۔؟ لیکن بہرحال۔۔۔ جاننے کی تمنا میرے دل میں تھی۔ پہلے ان جگہوں کو دیکھ
لوں پھر تہ خانہ تلاش کروں گا۔ چنانچہ۔۔۔ میں ان کمروں کے دروازوں پر نگاہ ڈالتا ہوا
آگے بڑھنے لگا۔ اوپر جانے والی سیڑھیاں آخری کمرے سے کچھ فاصلے پر بنی ہوئی
تھیں۔ پہلی منزل کا یہ دروازہ خاصا طویل تھا اور میرے قدموں کی آواز سے فرش پر
کافی دھمک پیدا ہو رہی تھی۔ پھر۔۔۔ میں دوسری منزل کی سیڑھیوں پر پہنچ گیا اور جب
ان سے اوپر پہنچا تو یہاں مجھے سامنے ہی دو کمرے نظر آئے۔ ان دونوں کمروں کے
دروازے کھلے ہوئے تھے اور ان پر تالے نہیں تھے۔ البتہ لوہے کی دو بڑی بڑی
کنڈیاں لگی ہوئی تھیں جو بند تھیں۔ ان کنڈیوں کے اوپر کچھ فاصلے پر ایک پیتل کی
زنجیر سی لٹکی ہوئی تھی اور اس زنجیر کے دوسرے سرے پر زنجیر کو بند کرنے والی ایک
سلاخ لگی ہوئی تھی۔ پھر۔۔۔ میں نے تھوڑے فاصلے پر دیکھا تو یہاں مجھے ایک اور
دروازہ نظر آیا۔ البتہ جو چیز میرے لئے باعث حیرت تھی وہ مدھم مدھم خوشبو تھی۔ جو
شاید موتیا کے پھولوں کی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ یہ پھول
یہاں کہاں سے آ گئے۔۔۔؟ میں غیرارادی طور پر اس جانب چل پڑا۔ پھول مجھے نظر
نہیں آ رہے تھے لیکن جس جگہ میں پہنچا' یہاں مجھے کچھ اور دروازے نظر آئے۔ باہر
سے تو اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس حویلی کی کیفیت کیا ہے۔۔۔؟ لیکن اندر سے
دیکھنے میں بڑی عجیب عجیب سی چیزیں نظر آ رہی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ
پراسرار حویلی اپنے اندر نجانے کیسی کیسی کہانیاں سمیٹے ہوئے ہو۔ میں بڑی دیر تک
وہاں چکراتا رہا اور میرے ذہن میں عجیب و غریب تصورات جنم لیتے رہے۔ پھر میں
وہاں سے پلٹا۔ اس جگہ سے کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کے بعد جب میں پہلی
منزل کی سیڑھیوں سے نیچے اترا تو اچانک ہی سیڑھیوں کے قریب مجھے چھن کی ایک
آواز سنائی دی۔ یہ میرے کانوں کا وہم نہیں تھا بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ مجھے
یوں لگا۔۔۔ جیسے کوئی دبے قدموں چل رہا ہو لیکن پیروں میں بندھی ہوئی پازیبیں
آہستہ آہستہ بج رہی ہوں۔ پازیبوں کے تصور کے ساتھ ہی یہ شناسا آواز مجھے اس لڑکی

کا تصور دلانے لگی جسے میں نے دیکھا تھا۔ میں حیرانی سے آگے بڑھتا رہا۔ لالٹین کی روشنی میں میرا سایہ آگے کی طرف پھیلتا اور لہراتا ہوا ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ میں پہلی منزل پر آگیا تھا اور ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ چھن چھن کی آواز تو یہیں سے آئی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ آواز رک کیوں جاتی ہے۔۔۔؟ پھر ایک بار مجھے وہ آواز دوبارہ سے سنائی دی۔ اب یہ آواز نیچے سے آ رہی تھی۔ گویا جو کچھ بھی تھا نیچے ہی تھا۔ میں ایک لمحے تک سوچتا رہا اور اس کے بعد میں نے پوری قوت سے نیچے والی سیڑھیوں پر ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ میں یہ خیال رکھنا چاہتا تھا کہ رات کی اس تاریکی میں کہیں میرا ہی کباڑا نہ ہو جائے۔ اپنے آپ کو گرنے سے بھی محفوظ رکھنا تھا لیکن جیسے ہی میں دوڑا تو مجھے یوں لگا۔۔۔ جیسے چھن چھن کی آواز مجھ سے آگے دوڑ رہی ہو۔ لالٹین اچانک ہی میرے ہاتھ سے گر کر بجھ گئی لیکن میں نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ میں تیزی سے دوڑتا رہا۔ یہ آواز مسلسل آ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اپنی جان بچانے کیلئے دوڑ رہا ہو۔ پھر۔۔ "ہم حویلی کے بیرونی حصے میں نکل آئے۔ ہم کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ دوڑنے والی شخصیت کا سایہ اب مجھے صاف نظر آ رہا تھا۔" اور میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ لڑکی وہی تھی مگر وہ حویلی میں کیا کر رہی ہے۔۔۔؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سایہ آہستہ آہستہ حویلی سے باہر نکل گیا۔ میں نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ خیر۔۔۔ اس لڑکی پر تو میں کیا گولی چلاتا لیکن یہ بات میں نے محسوس کر لی تھی کہ لڑکی خوفزدہ ہو کر بھاگ رہی ہے۔ ہاں۔۔۔ اگر کوئی اور مداخلت ہوتی تو یقینی طور پر ریوالور کے استعمال سے دریغ نہ کرتا۔ ایک بار پھر اس لڑکی نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ پھر ایک آواز آئی۔۔۔

"رک جا۔۔۔ میں کہتا ہوں۔۔ رک جا۔۔۔" اس کے ساتھ ہی حویلی کی بائیں سمت سے کوئی اور سایہ نمودار ہوا۔ میں حویلی سے باہر نکل آیا تھا۔ اب میں ان سایوں کو بخوبی دیکھ سکتا تھا کیونکہ باہر مدھم مدھم چاندنی پھیلی ہوئی تھی لیکن دوسرا سایہ جو اس لڑکی کے پیچھے بھاگ رہا تھا وہ مجھ سے آگے تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ اس لڑکی کا تعاقب کیوں کر رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ چیخوں۔۔۔ اور سائے کو لڑکی کا

تعاقب کرنے سے روکوں لیکن میری کوشش کے باوجود میرے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔ لڑکی دریائے سنگل کی سمت دوڑنے لگی تھی اور سایہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اچانک ہی لڑکی دریائے سنگل کے قریب پہنچی اور اس نے بے اختیار پانی میں چھلانگ لگا دی۔ سایہ رک گیا تھا۔ میں دیوانوں کی طرح دوڑتا ہوا سائے کے قریب پہنچا تو اس نے لمبی لمبی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔ جو دریائے سنگل کے کنارے پر زسروں کی شکل میں اگی ہوئی تھیں۔ میں نے سائے کو نظرانداز کر کے دریا کی طرف دیکھا۔ پانی میں بلبلے اٹھ رہے تھے۔ جیسے کوئی ڈوبنے والا ڈوبتا تھا۔ آہ۔۔۔ کیا وہ لڑکی جان کھو بیٹھی۔۔۔؟ لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دریائے سنگل کے بہنے کی رفتار تیز تھی اور جس جگہ پانی کے بلبلے اٹھ رہے تھے اب کوئی وجود نظر نہیں آ رہا تھا لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد چاند کی مدھم روشنی میں۔۔ میں نے ایک رنگین کپڑے کو پانی کے دھارے پہ بہتے ہوئے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کپڑا دور نکل گیا۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ لڑکی کا دوپٹہ تھا۔ میری آنکھوں میں ایک عجیب سی دیوانگی ابھر آئی۔ اس کا مقصد ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے زندگی چلی گئی لیکن وہ سایہ۔۔۔ میں نے دانت پیس کر دیکھا۔ دور کافی فاصلے پر وہ مجھے جاتا ہوا نظر آنے لگا۔ لڑکی کی تو میں کوئی مدد نہیں کر سکا تھا لیکن دانت پیس کر میں اس سائے کی جانب دوڑا اور میرے دوڑنے کی آواز سن کر سائے نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ چاند کی مدھم روشنی اور ستاروں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں مجھے سایہ دوڑتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اچانک ہی میں نے پوری قوت سے چیخ کر کہا رک جاؤ۔۔۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔ جواب میں خاموشی رہی۔ میری آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی سائے کو چیرتی ہوئی گونج رہی تھی لیکن سایہ نہیں رکا تھا۔ تب میں نے سیدھا ہاتھ کر کے سائے کا رخ کیا اور ٹریگر دبا دیا۔۔۔ فائر کی زور دار آواز گونجی اور سایہ بدستور دوڑتا ہوا آخر کار حویلی میں داخل ہو گیا۔ میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ چنانچہ میں اس کے پیچھے پیچھے اندر پہنچا۔ مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی ہے۔ حویلی کے اندر داخل ہونے کے بعد میں ایک لمحے کے لئے رکا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ میں نے پوری قوت سے

پکارا--- رامو--- جہاں بھی ہے میرے سامنے آ--- رامو--- رامو--- لیکن
میری آواز یہاں بھی گونج کر رہ گئی۔ میں رامو کو تلاش نہیں کر سکا تھا۔ آہستہ آہستہ
میں آگے بڑھا اور مختلف راہداریوں کو دیکھتا ہو چلتا رہا۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے
ہوئے میں نے بڑے دروازے کی چرچراہٹ سنی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا او
پھر کوئی اس سے اندر داخل ہو گیا تھا۔ میں نے ادھر کا رخ اختیار کر کے پھر ریوالو
سے فائر کیا لیکن بے کار--- کوئی خاص بات محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ البتہ جھینگرو
کا شور اور مختلف کیڑے مکوڑوں کی آوازیں فضا میں ابھر رہی تھیں۔ اس پر ہوا
خاموشی میں مجھے خود اپنے آپ سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ نجانے کب تک میں ا
مشکل کا شکار رہا۔ میرے سارے وجود میں ٹھنڈی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ یہا
تک کہ کچھ دیر کے بعد میں ہال کمرے سے راہداری میں کھلنے والے دروازے
اندر داخل ہوا اور اچانک ہی مجھے لگا جیسے یہاں کوئی موجود ہے۔ ابھی میں چند قدم
آگے بڑھا تھا کہ میں نے دروازہ اپنے پیچھے بند ہونے کی آواز سنی۔ پلٹ کر دیکھا
سامنے ہی رامو کھڑا شعلہ بار نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس وقت اس کے اندا
میں ایک عجیب سی سرکشی تھی۔ مجھے اس کا غصے سے گھورتا ہوا چہرہ صاف نظر آ
تھا۔ پھر اس کی غرائی ہوئی آواز سنائی دی---

"بہت ہو گئی--- مالک--- بہت ہو گئی--- سمجھایا تھا ہم نے تمہیں پر
سے آگے ہی بڑھ رہے ہو تم۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو میں نے ریوا
سیدھا کر لیا---

"رک جاؤ--- رامو---" لیکن وہ میری جانب بڑھتا رہا۔ میں اپنی قوت
دوبارہ چیخا---

"میں کہتا ہوں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا۔" میری آواز گونج کر میرے کا
سے ٹکرا رہی تھی۔ رامو اس انداز میں آگے بڑھ رہا تھا جیسے کچھ کرنا چاہتا ہو۔
کے چہرے پر ایک خوفناک تاثر طاری تھا۔ اچانک ہی میں نے نشانہ لے کر ٹریگ
دیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی ایک بھیانک قہقہہ گونجا تھا--- اور رامو مسلسل
جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ قہقہہ اس کا نہیں تھا۔ وہ تو با

سنجیدہ چہرہ بنائے میری جانب قدم بڑھا رہا تھا۔ کچھ ایسا محسوس ہوا مجھے جیسے کسی نے
میرے دل و دماغ پر گرفت کر لی ہو۔ میرے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔
میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ یہ ہولناک قہقہے میرے وجود
کو لرزا رہے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا
جیسے میرے گرد لاتعداد روحیں رقص کر رہی ہوں۔ موت کا بھیانک رقص شاید میں
اپنے ہوش و حواس پر کچھ دیر تک قابو پائے رکھتا لیکن اچانک ہی میں نے یوں محسوس
کیا جیسے رامو نے آگے بڑھ کر اپنے آہنی ہاتھوں سے میری گردن دبا دی ہو۔ میری
آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر گردن تک لے جانا
چاہا لیکن آنکھیں کھل ہی نہیں رہی تھیں۔ اچانک ہی میں نے پھر جھٹک کر اپنے
دونوں ہاتھ گردن پر لپٹی کلائیوں پر ڈالنا چاہے۔ لیکن آہ--- ایک عجیب احساس ہوا۔
مجھے لگا جیسے کسی جانور یا چھپکلی نے اپنے پنجے میری گردن میں پیوست کر دیئے ہوں۔
میری گردن میں جلن ہونے لگی تھی۔ خوف اور تکلیف کی دہشت سے میں نے ایک
بار پھر چیخ ماری اور اس کے بعد میرے قدم تھوڑے سے اور آگے بڑھے اور میں لہرا
کر گر پڑا۔ چھپکلی بدستور میری گردن سے لپٹی ہوئی تھی۔ یہ میرا آخری احساس تھا۔

○

سورج کی پہلی کرن چہرے پر پڑتے ہی مجھے ہوش آگیا تھا لیکن اٹھنے کی ہمت قطعی نہیں ہو رہی تھی۔ بس یوں محسوس ہو رہا تھا--- جیسے کسی نے میرا سارا خون میرے بدن سے نچوڑ لیا ہو۔ ہاتھ اور پیروں میں جان نہیں تھی اور ذہن کل کے واقعات دہرانے سے عاری تھا۔ کچھ لمحوں کے لئے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں سلب ہو گئی تھیں۔ اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں کہاں ہوں---؟ اور کیا کر رہا ہوں---؟ کیا ہو گیا ہے مجھے---؟ میں اٹھ کیوں نہیں پا رہا---؟ بمشکل تمام میں نے نگاہیں اٹھا کر اس روشن دان کی طرف دیکھا جہاں سے دھوپ کی سنہری کرنیں میرے سینے پر عین دل کے مقام پر ترچھی ہو کر پڑ رہی تھیں اور اس میں چمکتے ہوئے ذرات مجھے اس وقت کسی لکیر کی شکل میں تبدیل ہوتے نظر آ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔ میں نے دل میں سوچا--- اور نگاہوں کا زاویہ بدل کر میں نے بڑے دروازے کی جانب دیکھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس وقت صرف میری آنکھیں ہی میرا ساتھ دے رہی تھیں۔ میں نے ان آنکھوں سے دائیں بائیں گردش کی لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی تبدیلی ہوئی تھی۔ سامنے کچن کی جانب کھلنے والا دروازہ بدستور کھلا ہوا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس میں گزر کر آنے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کسی غیر مرئی قوت کے باعث واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ بھی میرا وہم ہو سکتا ہے۔ میں اس وہم کو دور کرنے کے لئے اٹھ کیوں نہیں جاتا---؟ میں نے ایک بار پھر اپنے بدن کو جنبش دینے کی کوشش کی لیکن میرے ہاتھ جیسے سن ہو کر رہ گئے تھے۔ میں نے پھیلی ہوئی ٹانگوں کو برابر کرنے کی کوشش کی۔ میں نے بائیں ٹانگ اٹھانے کی کوشش کی لیکن میں کیسے اٹھاتا اسے---؟ ذہن تو صرف سوچنے کیلئے

ہوتا ہے بوجھ اٹھانے کے لئے نہیں اور میں صرف اپنے تمام تر حواس کو مجتمع کر کے سوچ سکتا تھا کہ اپنے بدن کو ہلانا میرے بس سے باہر ہے۔ کیا ہو گیا ہے مجھے---؟ میں اپنی بے بسی پہ آنسو بہانے لگا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا-- اے مالک--- میری مدد کر--- میں بے بس ہوں۔ اس وقت میرا اس کائنات میں تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں نے چھت پر نگاہیں گاڑھتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کو پکارا۔ اس وقت تک دھوپ کی کرنیں پھیل کر گردن تک آگئی تھیں لیکن ان میں وہ شدت نہیں تھی جو سورج کے کافی بلند ہونے پر پیدا ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ سورج ابھی طلوع ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ روشندان ہال کے کمرے میں بنا ہوا تھا اور سورج کی کرنیں وہاں تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ذہن میں پیدا ہونے والے اس خیال کی تصدیق کے لئے میں نے نگاہوں کا رخ پھر روشندان کی طرف کر دیا۔ اس لمحے مجھے احساس ہوا جیسے میری گردن سے کسی شے نے سرکنا شروع کر دیا ہو۔ میرا پورا بدن کانپ گیا یہ سرسراہٹ نجانے کیوں شناسا محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے نگاہیں ہٹا کر اپنی گردن دیکھنے کی کوشش کی لیکن زیادہ کوشش کرنے پر بھی میں صرف اپنے شانوں تک ہی دیکھ سکا۔ چھپکلی بڑھتی ہوئی میری ٹھوڑی تک آگئی۔ اس وقت میرے ذہن نے صرف ایک بات سوچی۔ گردن سے سرکنے والی شے اس منحوس چھپکلی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس خیال کے آتے ہی مجھے ڈائری اور اس کتاب کی یاد آگئی۔ جو میری جیب میں موجود تھی لیکن آہ--- میرے ہاتھ تو اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر پا رہے تھے لیکن تمام جسم سن ہو جانے کی وجہ سے میں محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میری پسلیوں پر ڈائری موجود ہے کہ نہیں۔ لیکن وہ لمحہ مجھے چونکانے کیلئے کافی تھا۔ گردن سے سرکنے والی شے جسے چھپکلی ہی کہا جا سکتا ہے میرے قریب سے سرسراتی ہو گزری۔ پیلے اور نیلے رنگ کی خوفناک مخلوق اس چھپکلی کو میں نے اچھی طرح دیکھا۔ اس کی موٹی سی دم گولائی کی شکل میں میری کمر سے جا لگی تھی اور ایسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسے آنکھوں میں ہیرے جڑ دیئے گئے ہوں۔ میرے خدا--- کس قدر ہیبت ناک ہے اس کی آنکھوں کی چمک۔ میرا سارا وجود لرز رہا تھا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی اتنی بڑی جسامت کی چھپکلی نہیں دیکھی تھی۔ میری آنکھوں نے

اسے اپنے بدن پر سے گزر کر کچن کی جانب کھلنے والے دروازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن چوکھٹ عبور کرنے سے قبل ہی وہ میری نظروں سے غائب ہو گئی تھی۔ کیا یہ میرا وہم ہے---؟ میں نے دل میں سوچا لیکن یہ حقیقت تھی کہ مجھ پر پڑنے والی کرنیں چھپکلی کے اوجھل ہوتے ہی یک لخت غائب ہو گئی تھیں۔ ایک بار پھر میں نے گھبرا کر روشندان کی طرف دیکھا مگر آہنی سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کی تاب مجھ میں نہیں تھی۔ ہوتی بھی کیسے---؟ جبکہ روشندان لکڑی کے مضبوط ہول سے بند تھا۔ میں یہ سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے---؟ پھر اچانک ہی مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور میں نے دروازے کی جانب دیکھا لیکن اس بار مجھے جو کچھ نظر آیا تھا اسے دیکھ کر میرے سارے وجود میں ٹھنڈی لہریں دوڑ گئیں۔ یہ رامو تھا جو آگے آ رہا تھا۔ اس کے بدن پر ایک دھاری دار لمبا چغہ تھا اور اس کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں--- آہ---وہ آنکھیں خوفناک اور چمکیلی آنکھیں۔ میرے ذہن میں سوچنے سمجھنے کی اتنی صلاحیت تو موجود تھی کہ میں چند لمحے پہلے کی چھپکلی کی آنکھوں اور اس کی آنکھوں میں تمیز کر سکوں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ یہ میرا وہم نہیں تھا بلکہ حقیقت تھی۔ نجانے میرے ذہن میں کہاں سے ایک احساس ابھرا---؟ رامو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا--- بالکل نقصان نہیں پہنچا سکتا--- اچانک ہی رامو کی آواز ابھری---

"چھوٹے سرکار--- آپ اس طرح یہاں کیوں لیٹے ہوئے ہیں---؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور رامو کی طرف دیکھتا رہا۔

"اٹھئے--- چھوٹے سرکار! اپنے کمرے میں چل کر آرام کیجئے۔" اس نے پھر کہا اور میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ کر بھی کیا سکتا تھا---؟ وہ اور آگے بڑھا پھر بولا---

"چھوٹے سرکار! کچھ بتائیے تو سہی مجھے اپنے بارے میں۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ وہ جھکا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ دوسرے لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پورے بدن کو ایک شدید کرنٹ لگا ہو۔ اس کے ساتھ ہی میرے جسم میں ہلنے جلنے کی قوتیں پیدا ہو گئیں۔ میں نے زمین پر

ہاتھ ٹکائے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے شدید حیرت تھی کہ ابھی چند لمحے پہلے میرا جسم جو غیر متحرک تھا اچانک ہی صرف رامو کے چھونے سے کیسے ٹھیک ہو گیا۔ میرے خدا--- میرے ذہن میں رات کے واقعات آ گئے۔ وہ لڑکی جو دریائے سنگل میں کود گئی تھی اور وہ پراسرار وجود جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ رامو کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور پھر رامو نے میرے ساتھ جو رویہ اختیار کیا تھا وہ پھر تھوڑی دیر پہلے کا تاثر اور اس کے بعد رامو کا اس طرح معصومیت سے میرے پاس آ جانا اور مجھے چھونے سے میری بدن کی قوتوں کا متحرک ہو جانا' یہ ساری باتیں بڑی عجیب و غریب تھیں' آہ مگر ان باتوں کا کوئی حل میرے سامنے نہیں تھا' یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ رامو مر چکا ہے اور ایک مردہ وجود زندہ حالت میں بالکل میرے سامنے--- کیسے یقین کر لوں--- کیسے یقین کر لوں؟ لیکن' یقین کرنا ہی تھا' رامو نے کہا---

"آیئے چھوٹے سرکار مجھے یوں لگا کہ جیسے اس کے لہجے میں میرے لئے حکم ہو' بدن کی جو بھی کیفیت تھی لیکن دل و دماغ صحیح طور پر کام کر رہے تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں اس حویلی پر رامو کی حکمرانی ہو اور مجھے اس کی مدد کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رامو سے رابطہ کس طرح قائم کروں؟ وہ ایک روح ہے اور نجانے مجھ سے تعاون کرے یا نہ کرے؟ اس بات کے امکانات بھی ہو سکتے تھے کہ میرے بھائیوں کا قاتل وہی ہو؟ اس کی خوفناک اور پراسرار شخصیت میرے لئے ایک عذاب بن گئی تھی۔ بہرحال میں نے اپنے آپ پر قابو پایا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرے بدن کی قوتیں بحال ہو چکی تھیں اور میں اپنے آپ کو بہتر حالت میں محسوس کر رہا تھا۔ بہرحال میں رامو کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا--- جب میں اس کمرے میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میز پر کھانے پینے کی اشیاء سجی ہوئی ہیں۔ رامو نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا---"

"سرکار ہم سے کب تک منہ موڑتے رہیں گے' حویلی سے چلے جائیے اور اگر حویلی میں رہنا ہے تو پھر اپنے پرانے خادم سے رابطے کیوں توڑے ہوئے ہیں آپ---؟"

"میں نے ہمت کی اور آہستہ سے کہا۔۔۔"

"رامو' میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔"

"یہی تو مشکل ہے چھوٹے سرکار۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"ابھی اس کا سمے ہی تو نہیں آیا۔۔۔"

"کب آئے گا اس کا وقت۔۔۔؟"

"آ جائے گا' آپ ہم سے دوستی تو کریں' یہ کھانا کھائیں اس کے بعد آپ بات کریں گے۔ رامو نے کہا اور پھر بغیر کچھ کہے وہاں سے باہر نکل گیا۔ میں میز پر چنے ہوئے ان خوش رنگ کھانوں کی جانب دیکھنے لگا پھر میرے دل میں ایک ہی خیال گزرا جو کچھ بھی ہے بہرحال یہ ایک ایسی بری روح کا فراہم کیا ہوا سامان ہے جسے قبول کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ ایک مسلمان ایسی غلیظ روح کے ساتھ اس طرح کے تعلقات باہم نہیں رکھ سکتا۔ میں نے ایک بار پھر رامو کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ تھوڑی دیر تک اس کمرے میں رکا اور پھر وہاں سے باہر نکل آیا۔۔۔ نہیں کسی طور یہ ممکن نہیں ہے اس کے بعد میں نے حویلی سے باہر جانے کے راستے پر قدم بڑھا دیئے' میرے راستے میں کوئی مفاہمت نہیں ہوئی تھی اور میں دل میں سوچ رہا تھا کہ میرے اور رامو کے درمیان یہ جو کچھ بھی چل رہا ہے' چلتے رہنا چاہئے' دیکھوں تو میں بھی کہ یہ کب تک میرے بس میں نہیں آتے' سارے کے سارے کردار بڑے عجیب و غریب رہے تھے اور میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ سکتی تھی' حویلی کے باہر کا علاقہ بالکل ویران اور سنسان پڑا ہوا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہاں جاؤں۔ دل میں ایک بار یہ خیال آیا کہ کیوں نہ واپس گھر چلا جاؤں۔ تینوں بھائیوں کو تو کھو ہی چکا ہوں' ماں کو بھی کھو بیٹھوں گا' یہ تو میں اچھی طرح ہی جانتا تھا کہ میری غیر موجودگی میں ماں کی کیا کیفیت ہو گی؟ ہو سکتا ہے وہ میرے لئے بھی صبر کر چکی ہو' جس طرح باقی تینوں بھائیوں کو کیا تھا' ہو سکتا ہے وہ اس دنیا ہی میں نہ ہو اور میری جدائی سے زندگی کھو بیٹھی ہو' بہرحال کیا کروں۔۔۔؟ کیا نہ کروں۔۔۔؟ سامنے میدان پھیلے ہوئے تھے جن کی دوسری طرف بستی تھی۔ اچانک ہی ایک خیال میرے دل میں آیا۔ حویلی

کی ناک کی سیدھ میں سامنے کے حصے پر چلا گیا تھا۔ اس کے عقبی سمت کیا ہے؟ کوئی اور بستی؟ ہو سکتا ہے یہ حویلی ان بستیوں کے درمیان ہو؟ جا کر دیکھوں ذرا۔ کیا صورتحال رہتی ہے؟ اس خیال سے میں نے حویلی کی عقبی سمت کا رخ کیا اور پھر میں چلتا چلا گیا۔ ادھر بھی وسیع و عریض مکان پھیلے ہوئے تھے اور ماحول میں کچھ تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔ میں آگے بڑھتا رہا پھر میں نے ایک لمبا سفر طے کیا اور بہت دور نکل آیا۔ ماحول بڑا مدھم ہو چکا تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور اندھیرا جھکتا ہی چلا آ رہا تھا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے ایک آبادی نظر آئی۔ غالباً وقت بھی کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ صحیح وقت کا تعین نہیں ہو پا رہا تھا۔ یا پھر آسمان کی گہری سیاہیوں نے ماحول پر ہی تاریکی مسلط کر دی تھی۔ درخت۔۔۔ کھیت اور اس کے بعد آبادی کے گھروں کے ٹمٹماتے چراغ۔ میں اس طرف قدم بڑھاتا رہا پھر آبادی کے پہلے درخت کے پاس میں رک گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک درخت پر کئی گدھ بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے پر پھڑپھڑائے اور بھیانک آواز کے ساتھ اپنی جگہ سے اڑ گئے۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا پھر تھوڑی ہی دور چلا ہوں گا کہ جھاڑیوں میں مجھے ایک انسان نظر آیا۔ میری طرف پشت تھی' جھاڑیاں کوئی تین تین فٹ اونچی تھیں' میں نے سوچا کہ اس سے کچھ معلومات حاصل کی جائے۔ چنانچہ میں نے اس کی طرف قدم بڑھا دیئے اور اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ہو سکتا ہے یہی میری رہنمائی کر دے۔ اچانک ہی میرا پاؤں ایک پتھر پر پڑا۔۔۔ جسے ٹھوکر لگی تھی اور وہ لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا تھا۔ جھاڑیوں میں بیٹھا ہوا شخص اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اب میں نے اسے غور سے دیکھا وہ مرد نہیں بلکہ ایک عورت تھی' جس کا چہرہ انتہائی بھیانک تھا۔ لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے تھے' رنگ گہرا سیاہ تھا۔ لیکن جو چیز میرے لئے خوف و دہشت کا باعث بن گئی وہ اس کے چہرے پر لگے ہوئے خون کے دھبے تھے۔ اس کا لباس بھی بوسیدہ تھا۔ جب وہ کھڑی ہوئی تو میں نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا اس کے ہاتھوں کی لمبائی پنڈلیوں تک تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میرے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اچانک ہی عورت کے حلق سے ایک بھیانک آواز نکلی اور وہ دوڑتی ہوئی دور تک چلی گئی۔ میں اپنی جگہ ساکت رہا پھر چند قدم وہاں سے

آگے بڑھا اور دوسرے لمحے بری طرح چونک پڑا۔ یہاں بھی ایک انسانی بدن موجود تھا اور زمین پر بے سود پڑا ہوا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ کر دہشت سے اچھل پڑا۔ دس گیارہ سال کی ایک بچی تھی جس کا پھٹا ہوا لباس اس کے چند قدم کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا سینہ چاک تھا اور جسم کی عالائش قرب و جوار میں بکھری ہوئی تھی۔ زمین خون سے رنگین تھی۔ بال اور چہرہ خون میں اٹے ہوئے تھے۔ میرے پورے وجود میں دہشت دوڑ گئی' شاید میں اسے دیکھ کر بھاگ لیتا لیکن ایک بچی کی معصوم موت مجھے آواز دے رہی تھی اس کے قریب پہنچ کر میں نے اس کی گردن سیدھی کی' معصوم سی شکل کی بڑی پیاری بچی تھی جسے اس وحشی عورت نے اپنی درندگی کا شکار بنایا تھا لیکن کیوں---؟ کتنی معصوم سی بچی سے بدبخت کی کیا دشمنی تھی؟ میرے ہوش و حواس جواب دیئے جا رہے تھے۔ بچی کی لاش جس کیفیت میں تھی اس کا مجھے اندازہ ہو رہا تھا۔ میں یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ تھوڑے فاصلے پر گدھ بیٹھے ہوئے ہیں اگر میں یہاں سے ہٹ جاؤں گا تو ابھی چند لمحات کے بعد وہ گدھ یہاں آ جائیں گے اور اس لاش کو کھا پی کر ختم کر دیں گے۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے کچھ لوگ نظر آئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہے ہوں۔ میں نے زور زور سے انہیں آواز دی اور وہ جلدی سے میرے قریب آ گئے---"

"کیا کر رہے ہیں آپ لوگ یہاں---؟" میں نے سوال کیا---

"بھیا بٹیا تلاش کر رہے ہیں اپنی---"

"کیا عمر ہے اس بچی کی---؟"

"دس گیارہ سال ہو گی بھیا---"

"ادھر دیکھئے ادھر ان جھاڑیوں میں ایک بچی کی لاش پڑی ہوئی ہے اس کا بدن ادھیڑ دیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے ادھر دیکھا اور ان کی حالت خراب ہو گئی۔ ان میں سے تو ایک وہیں چکرا کر گر پڑا تھا۔ دوسرے نے اسے سنبھالا اور بولا---"

"رمضان خان خود کو سنبھالو بھیا۔ سنبھالے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ آؤ بھیا آؤ' انہوں نے اٹھ کر رمضان خاں کو سنبھالا۔ رمضان خاں بری طرح رو رہا تھا--- اس نے کہا---"

"ارے بھیا--- کیا ہو گیا یہ ہماری سونیا--- ہماری سونیا--- ارے بھیا' میرا بھائی تو بے موت مر جائے گا--- پھر ہم لوگ وہاں پہنچ گئے۔ ایک نئی افتاد (مصیبت' مشکل) میں گرفتار ہو گیا تھا میں' چند لمحوں کے بعد ہم لاش کے پاس پہنچ گئے۔ رمضان خاں نے بچی کی لاش کو دیکھا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا' دوسرے لوگ اسے سمجھا رہے تھے---"

"رمضان بھیا خود کو سنبھال' تیرا دل تو جو سوچ رہا ہے وہ تو سوچ ہی رہا ہے مگر یہ سوچ کہ شعبان بھیا کا کیا ہو گا---"

"ارے بھیا--- ارے بھائی برباد ہو گئے ہم تو--- ارے برباد ہو گئے ہم تو خلیل--- خلیل خاں سنبھال مجھے' میرا تو کلیجہ جا رہا ہے---"

"اگر تو نے خود کو نہ سنبھالا رمضان خاں تو سوچ لے بہت برا ہو جائے گا---"

"سنو--- تم میری بات سنو--- خلیل خان نے دوسرے آدمی سے کہا---"

"ہاں بولو---"

"جاؤ ذرا بستی جا کر خبر کر دو--- جاؤ' اور دوسرا آدمی جس سے یہ بات کہی گئی تھی وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ ظاہر ہے ایک چھوٹی سی بچی کا معاملہ تھا' کسی بھی انسان کا دل بچوں کے معاملے میں اتنا سخت نہیں ہو سکتا' میں تو اپنی ہی سوچ رہا تھا۔ یہاں یہ نئی مصیبت گلے پڑی تھی پھر میں نے کہا---"

"رمضان خاں کا اس بچی سے کیا رشتہ ہے---؟"

"ارے بھیا اس کا تو بہت سے لوگوں سے رشتہ ہے' کھا گئی' کمبخت ڈائن اسے بھی کھا گئی---"

"ڈڈ ڈائن---" مجھے وہ عورت یاد آ گئی جو یہیں کہیں غائب ہو گئی تھی۔ "میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کہا---"

"ڈائن--- کیا یہاں کوئی ڈائن ہے---؟"

"بھیا کئی بچوں کو مار چکی ہے جان سے--- کئی بچوں کو مار چکی ہے---"

"سنو اگر تمہارے اندر ہمت ہو تو ذرا ان جھاڑیوں میں تلاش کرو' میں نے

اس عورت کو ابھی دیکھا ہے بڑی بھیانک صورت کی مالک تھی۔ اچانک ہی رمضان
کے بدن میں جیسے نئی زندگی دوڑ گئی۔ اس نے خونی آواز میں کہا۔۔۔"
"کدھر ہے' کس طرف۔"
میں نے اس طرف اشارہ کیا جہاں میں نے اس عورت کو کھیتوں میں گھستے
ہوئے دیکھا تھا۔ رمضان خاں حلق سے دھاڑیں نکالتا ہوا کھیتوں کی طرف دوڑ پڑا۔
میری نظریں اسی طرف لگی ہوئی تھیں' رمضان خان کھیتوں میں گھس گیا پھر اس کی
دھاڑ سنائی دی۔۔۔"
"رک تو جا حرام کی جنی' کہاں بھاگ رہی ہے' رک تیرا ستیا ناس اور رمضان
خاں کی آواز سن کر باقی لوگ بھی اس طرف دوڑ پڑے۔ میں نے دور ہی سے وہ عجیب
و غریب منظر دیکھا' وہی خوفناک عورت لمبی لمبی چھلانگیں لگاتی ہوئی بھاگ رہی تھی اور
باقی افراد اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ رمضان خاں جوش سے دیوانہ ہو رہا تھا'
عورت اگر اس کے ہاتھ آ جاتی تو وہ یقیناً اسے ریزہ ریزہ کر دیتا۔ رمضان خاں سب
سے آگے تھا اور اس کے پیچھے بھاگتا ہوا دور تک نکل گیا تھا پھر میں نے دوسری جانب
سے بستی کے لوگوں کو بھی دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا۔ خلیل خاں سب سے آگے تھا۔
کچھ دیر کے بعد بستی والے قریب آ گئے اور کہرام مچ گیا۔ مجھے پیچھے ہٹنا پڑا۔ ایک
آدمی جس کی حالت بہت خراب تھی آگے بڑھا لوگ اسے پکڑے ہوئے تھے اس نے
بچی کی لاش دیکھی اور غش کھا کر گر پڑا۔۔۔"
"رمضان خاں کہاں گیا۔۔۔؟ خلیل خاں نے پوچھا۔۔۔" مگر جواب دینے کی
ضرورت پیش نہیں آئی۔ رمضان خاں واپس آ رہا تھا وہ دوڑتا ہوا قریب پہنچ گیا۔۔۔"
"پتہ چل گیا آج سب کچھ معلوم ہو گیا' ارے آج ساری باتیں پتہ چل گئیں۔
ارے کہاں ہے وہ سسرا' بلاؤ اسے' کہاں ہے۔۔۔ آج پتہ چل گئی یہ بھیا ساری باتیں
اب پتہ چل گئیں ہیں۔۔۔ پتہ چل گئی ہیں۔۔۔"
"کون سسرا۔۔۔؟ کس کی بات کر رہے ہو رمضان خاں۔۔۔"
"ارے وہی تیلی کی اولاد' بلاؤ اسے' وہ تیلی سسرا' جو جادو ٹونے' منتر کرتا

ہے۔۔۔"
"ہیرا لال کی بات کر رہے ہو۔۔۔"
"ارے اس ہیرا لال کو تو میں پتھر لال نہ بنا دوں تو میرا بھی نام نہیں ہے۔۔۔"
"مگر ہوا کیا ہے۔۔۔"
"میں نے کہہ دیا تھا بھیا یہ سفلی عمل کرنے والے کسی نہ کسی دن ہماری بستی
پر بھی تباہی لائیں گے' دیکھ لیا ہے میں نے اسے' ہیرا لال کی گھر والی تھی' حرام کی جنی
ارے بھیا ہمیں اسی نے برباد کر دیا۔۔۔"
"ہیرا لال کی گھر والی۔۔۔"
"ہاں رنگوتری تھی حرام کی جنی۔۔۔ رنگوتری خون سے رنگی ہوئی تھی' ارے
آنکھوں سے دیکھ لیا ہم نے اپنی۔۔۔"
"رنگوتری۔۔۔ بھابھی رنگوتری۔۔۔"
"ارے آج اس بھابھی کی ساری کرتوتیں دیکھ لی ہم نے' جائے گی کہاں
سسری' کتنے چراغ بجھا دیئے ہیں گھروں کے' چل دیکھتے ہیں ہیرا لال کو' ٹکڑے کر دیں
گے حرام کے جنے کے' رمضان خاں کا سانس پھول رہا تھا پھر اس نے لاش کے پاس
بے ہوش پڑے ہوئے شخص کو دیکھا اور ایک بار پھر دھاڑیں مارنے لگا۔۔۔"
"بھیا جی ہمارے گھر کا چراغ رنگوتری نے بجھایا ہے وہی ڈائن ہے رنگوتری' بھیا
جی' ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔۔۔"
"کچھ بتاؤ تو سہی رمضان خاں کیا دیکھا تم نے۔۔۔"
"ارے آگے نکل گئے تھے سارے کے سارے یہاں آ گئے تھے اس بھیا نے
ہمیں سونیا کی شکل دکھائی اور خلیل خاں خبر کرنے گیا۔ بھیا نے بتایا کہ اس نے ڈائن
کو دیکھا ہے' وہ کھیتوں میں چھپی ہوئی ہے' ہم دوڑے کھیتوں میں تو وہاں ملی ہمیں
رنگوتری' ہمیں دیکھ کر نکل بھاگی' خون میں نہائی ہوئی تھی سسری' مگر جائے گی کہاں؟
جانے نہیں دیں گے' سب سکتے کی حالت میں سن رہے تھے اور میرا دل عجیب سا ہو رہا
تھا' کیا ہے یہ سب کچھ؟ ایک نئی کہانی' لیکن کہانی ضرور ہے' ظاہر ہے ایک لاش نظر

آ رہی ہے‘ میں نے اس عورت کو بھی دیکھا تھا اس کے چہرے پر خون کے دھبے بھی
دیکھے تھے‘ مگر وہ ڈائن تھی اور پہلے بھی یہ بھیانک عمل کر چکی تھی‘ کچھ سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا‘ بچپن میں ڈائینوں کے بارے میں سنا تھا لیکن اب یہاں سنگل پور آنے کے
بعد ساری کہانیاں میرے سامنے زندہ ہو جائیں گی اس کے بارے میں کبھی سوچا بھی
نہیں تھا۔

بستی سے آنے والے کارروائیاں کرنے لگے۔ مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ
صورتحال خاصی عجیب و غریب ہے۔ چلو باقی ساری باتیں اپنی جگہ ہو سکتا ہے اس
سمت کے لوگ سامنے کے سمت کے بھوتوں سے مختلف ہیں بہرحال جب ان لوگوں نے
لاش ایک چادر میں باندھ کر کندھے پر رکھی اور بے ہوش شعبان کو اٹھا کر لے جایا
جانے لگا تو انہی میں سے ایک نے کہا۔۔۔“

”ارے بھیا جی تم بھی آؤ آ جاؤ‘ مسافر لگو ہو‘ آ جاؤ ہمارے غم میں شریک ہو
جاؤ۔ میں صرف ایک بات دیکھ رہا تھا‘ اندازے لگا رہا تھا‘ سونیا شعبان کی بیٹی تھی‘
رمضان اس کا چچا تھا لیکن باقی لوگ بھی اس میں اتنی ہی دلچسپی لے رہے تھے‘ میں
نے سوچا کہ چلو اور کچھ نہیں تو ہو سکتا ہے ان لوگوں سے میرا مسئلہ بھی حل ہو‘ اس
لئے سنگل پور کے اس جنوبی حصے کو بھی دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کے ساتھ
ساتھ میں بھی رمضان خان کے گھر کے دروازے پر پہنچا تھا۔ اس کے بعد وہاں جو کچھ
ہوا تھا وہ میرے لئے بے کار سی بات تھی‘ بستی کے لوگ رمضان خاں کے گھر کے باہر
جمع ہو رہے تھے اور اندر سے رونے پیٹنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ عورتوں کا
شور بھی تھا۔ مردوں کی آوازیں بھی تھیں‘ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو گا۔ اس
کے بعد‘ ساری بستی ہی رمضان خاں کے دروازے پر جمع ہو گئی‘ خلیل خاں میرے
پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا اس نے کہا۔۔۔“

”بھیا تم نے بڑی مشکل حل کی ہے بس کیا بتائیں تمہیں۔۔۔“

”مجھے بڑا افسوس ہے ایک معصوم سی بچی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔۔۔“

”ارے بھیا بس۔۔۔ آؤ۔۔۔ اب لاش دفن تو کل ہی ہو گی‘ تم پریشان ہو

رہے ہو۔۔۔؟“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔“

”بھیا تم نے ہم پر احسان کیا ہے آؤ ہمارے ساتھ آؤ‘ ہمارا نام خلیل خاں ہے‘
تمہارا نام کیا ہے۔۔۔؟“

”فیروز شاہ۔“

”شاہ جی آ جاؤ‘ ہماری ایک چھوٹی سی سرائے ہے‘ چھوٹا سا ہوٹل کھول رکھا
ہے ہم نے‘ بس اللہ پاک دو وقت کی روٹی دے دیتا ہے آ جاؤ بھیا‘ مسافر تو اللہ کا
احسان ہوتے ہیں اور پھر تم نے تو آج بہت بڑا کام کیا ہے آؤ چل کر بات ہو گی‘ اس
نے کہا اور میں خلیل خاں کے ساتھ آگے بڑھ گیا‘ زندگی جس جمود پر آ گئی تھی اس
میں تھوڑی بہت تبدیلی ضروری تھی۔ چنانچہ میں خلیل خاں کے ساتھ چلتا ہوا تھوڑا سا
فاصلہ طے کر کے ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں گھانس پھونس کی چھت کے نیچے ایک ہوٹل
کا سا ماحول بنایا ہوا تھا‘ ایسے جھونپڑا ہوٹل میں نے پہلے بھی دیکھے تھے‘ بنچیں اور
میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ ایک طرف تندور لگا ہوا تھا جو
اس وقت ٹھنڈا تھا۔ بستی کے سارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ شعبان کی
بیٹی سونیا کو ہلاک کر دیا گیا ہے اس لئے اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ خلیل خاں نے
آواز دی۔۔۔“ شمشاد۔۔۔ ارے او شمشاد۔۔۔ جواب میں ایک بارہ تیرا سالہ لڑکا
باہر نکل آیا۔

”مہمان آیا ہے اندر سے چارپائی لے آ۔۔۔ پھر خلیل خاں نے اپنے ہوٹل ہی
کے ایک گوشے میں ایک چارپائی بچھائی۔ اس پر چادر بچھائی‘ تکیہ رکھا اور بولا۔۔۔“

”بیٹھ جاؤ شاہ جی‘ بھیا بڑی مہربانی یوں سمجھ لو کہ ساری بستی پر تم نے احسان کیا
ہے۔۔۔“

”بس بار بار یہ بات کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کرو‘ میں نے بھلا کیا احسان کیا ہے
خلیل خان۔۔۔“

”یہی تو بڑائی ہوئی ہے بھیا کسی بڑے آدمی کی‘ شکل سے بھی اچھے خاصے لگتے

ہو، معلوم ہوتا ہے کسی بڑے آدمی کے بیٹے ہو، مگر ادھر سنگل پور میں کہاں آ نکلے تھے---؟"

"بس خلیل خاں بعد میں بتاؤں گا تمہیں اس بارے میں، پہلے تم مجھے ذرا یہ بتاؤ کہ یہ ڈائن کی کہانی کیا ہے---؟" میں نے کہا اور خلیل خاں گردن ہلانے لگا پھر بولا---"

"ہم جو سمجھتے ہیں وہ بس اتنا ہے کہ ہیرا لال کو اس کی گھروالی نے بگاڑا ہے۔ اچھا خاصا کولھو چلاتا تھا، تیل بیچتا تھا ساری بستی کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ماں باپ مر چکے تھے۔ سسرا اکیلا زندگی گزار رہا تھا، شادی کے لئے مرا جا رہا تھا پھر پتہ نہیں کہیں تیل بیچنے گیا تھا تو یہ ڈائن اسے مل گئی۔ تم یقین کرو بھیا اس کی عادتیں اور طور طریقے اچھے نہیں تھے۔ ہیرا لال کو دیکھو گے تو افسوس ہو گا---" پھر ہیرا لال نے آہستہ آہستہ تیل کا کام بند کر دیا اور جنتر منتروں کا کام شروع کر دیا۔ یہ سارے کام اسے رنگوتری ہی نے سکھائے تھے۔ ہم سمجھتے تھے ساری باتیں ہم سمجھتے ہیں پر کیا کریں۔ بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو گیا--- بیچارے شعبان اور رمضان کی تو دنیا تاریک ہو گئی۔ ارے بھیا ان کے ہاں پورے خاندان میں کوئی بچہ نہیں ہوا، یہ ایک بیٹی جو تھی نا، یہ سمجھ تو چاچا، تایا، پھوپھیوں، خالاؤں سب کی چہیتی تھی۔ شعبان جیسے اسے پال رہا تھا، بھیا تم سوچ بھی نہیں سکتے، آنکھوں پر رکھے پال رہے تھے وہ لوگ، پر دیکھو، کمبخت نے پورے گھر سے خوشیاں چھین لیں۔ اب کیا کہہ سکتے ہیں اس بارے میں--- اس وقت اندر سے آواز آئی---

"ارے خلیل، واپس آ گئے، ارے پورا قصہ تو بتاؤ کیا ہوا---؟"

"کیا بتائیں مہمان آئیں ہیں، بس بعد میں بتائیں گے---"

"لو، یہ کیا بات ہوئی، میں جو انتظار کر رہی ہوں، خاتون نے اندر سے کہا اور اس کے بعد باہر آ گئیں، خلیل کسی حد تک جزبز ہو گیا تھا، خاتون نے کہا---"

"بھیا ہمیں تو بتاؤ کیا قصہ ہوا تھا---"

"قصہ کچھ نہیں تھا بن، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ بس اس طرف آ رہا تھا، کھیتوں

سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے میں نے اس عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا اس کا منہ دوسری طرف تھا اس لئے میں نہیں دیکھ سکا کہ وہ کیا کر رہی ہے بس میرے قدموں کی آواز سن کر وہ کھڑی ہو گئی اور مجھے دیکھ کر زور سے چیخ ماری اور بھاگ کر کھیتوں میں جا چھپی، بس اس کے بعد یہ خلیل خاں وغیرہ مجھے آتے ہوئے نظر آ گئے---"

"اللہ بچائے---" "اللہ بچائے۔" ارے سنو اب تو شمشاد کو بھی سنبھال کر رکھنا پڑے گا، میں تو پہلے ہی کہتی تھی مگر تم مرد موئے عورتوں کی بات مانتے کہاں ہو---"

"کیا کہہ رہی تھی تو، خلیل خاں کو شاید بیوی کا میرے سامنے آنا برا لگا تھا---"

"یہی کہہ رہی تھی کہ جو لاشیں ملی ہیں بچوں کی، وہ کسی ڈائن ہی کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے ارے بچپن میں ہم نے سنا تھا اپنے اماں ابا سے ڈائنیں کلیجہ نکال کر کھا جاتی ہیں پر یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ڈائن آئی کہاں سے---؟"

"لو ڈائن باہر سے کہیں تھوڑی آئی ہے---"

"کیا مطلب---؟"

"ارے تیری جیسی ہے وہ بھی، خلیل خاں جھلا کر بولا---"

"کیا---؟" خلیل خاں کی بیگم نے آنکھیں نکالیں تو وہ کہنے لگا---

"رنگوتری کو جانتی ہے نا تو---"

"رنگوتری ہاں--- ہاں کیوں نہیں--- مگر اس کا کیا قصہ ہے---؟"

"رنگوتری تھی وہ ڈائن ہم نے خود دیکھ لیا ہے--- رمضان نے بھی دیکھا ہے---"

"ایں--- بیگم خلیل خاں کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ وہ ڈائن ہے--- اس نے کہا---"

"ہاں ہاں، ہے--- ہے--- جا تو جا کر اس سے خود پوچھ لے---"

"ارے کیسی باتیں کرتے ہو' رنگوتری اللہ کی پناہ—— اللہ کی پناہ' کمبخت شکل سے ہی ڈائن لگتی تھی۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ کچھ نہ کچھ رنگ لے کر آئے گی——"

"ہوا کیا' مجھے پورا واقعہ تو سناؤ—— وہ پھر بولی۔"

"اور بھی کوئی واقعہ ہو گا تیرے خیال میں——"

"ہوں' میں سمجھ گئی ہوں۔" ارے ہم سے پوچھو اتنا عرصہ ہو گیا رنگوتری کی شادی کو مگر بال بچہ نہیں ہوا اس کے ہاں' میں نے خود اسے نجانے کیا کیا کرتے ہوئے دیکھا ہے' کبھی ہیرا لال چاول کے دانے پڑھ پڑھ کر بستی کے کونوں کھدروں میں پھینکتا پھرتا ہے' کبھی کچھ اور کرتا ہے——

"سمجھ گیا سارا کام اسی ناپاک جادوگر کا ہے جس نے ہماری بستی میں سفلی علوم پھیلا رکھے ہیں' خلیل خاں نے کہا——"

"تو کہو نا چودھری شہباز سے کھال کھنچوا دیں سسرے کی' ارے توبہ توبہ' یہ ہندو تو ہوتے ہی ناپاک ہیں' سب کے سب گندی چیزیں کھانے والے——"

"مگر بھیا بڑا عجیب واقعہ ہوا ہے' تمہارا نام فیروز ہے نا بھائی——" فیروز بھیا دیکھا تم نے انسان کتنا بھیانک ہو گیا ہے' خلیل خاں اپنے طور پر اس سلسلے میں قیاس آرائیاں کرتا رہا اور میں بھی اس عجیب و غریب واقعہ میں کھویا رہا۔

○

بہت وقت اسی طرح گزر گیا' بیگم خلیل خاں واپس چلی گئی تھیں۔ ان لوگوں نے مجھے اپنے مہمان کے طور پر قبول کر لیا تھا۔ وہاں بیچارے رمضان اور شعبان کے گھر جو کچھ بھی ہوتا رہا' ظاہر ہے میں تو ایک اجنبی آدمی تھا۔ دوسرے دن خلیل خاں تدفین میں شریک ہوا' بستی کے لوگوں پر **افتاد** آ پڑی تھی اور وہ سارے کے سارے اکھٹے ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں ہر طرف سرگوشیاں ہوتی رہتی تھیں' شام کو سب خلیل خاں کے ہوٹل پر جمع ہو گئے' دس بارہ افراد' مجھ سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔

میں نے یہ وقت یہاں سکون سے گزارا تھا۔ ابھی اپنے معاملات سے فارغ ہوئے بغیر گھر واپس نہیں جانا چاہتا تھا اور اب میں نے یہی حکمتِ عملی اختیار کی تھی کہ تھوڑا سا اس بستی میں سانس لے لوں۔ مجھے حیرت تھی کہ حویلی حیدر بخش کے سامنے والی بستی کے لوگ ایسے اجنبی اجنبی' بھولے بھولے کیوں ہیں' ایسا لگتا تھا جیسے سنگل پور کا وہ حصہ ادھر کی بستی سے بالکل ہی مختلف ہو' بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ وہ حصہ بھی آسیب زدہ تھا' جبکہ یہ بستی زندگی سے بھرپور تھی لیکن یہاں بھی زندگی کے ساتھ بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا تھا' حالانکہ میں نے کوئی خاص کام نہیں کیا تھا۔ نہ تو میں نے شعبان کی بچی کی زندگی بچانے کا کارنامہ سرانجام دیا تھا نہ ہی میں رنگوتری کو پکڑ سکا تھا' بستی کے سیدھے سادھے لوگ بلاوجہ مجھ سے متاثر تھے۔ کچھ اور تفصیلات معلوم ہوئیں کسی نے کہا——

"چودھری شہباز نے ہیرا لال کو پکڑ لیا ہے اور اس وقت وہ گھوڑے والے احاطے میں رسیوں سے بندھا ہوا پڑا ہے' چودھری شہباز کا کہنا ہے کہ پنچایت بلائی جائے گی اور پنچایت کے سامنے ہیرا لال کا کیس پیش کریں گے۔

"ہیرا لال کا کیس تو پیش ہوتا ہی رہے گا یہ بتاؤ رنگوتری واپس ہیرا لال کے گھر میں آئی یا نہیں——"

"ارے اب کیا آئے گی وہ کہیں چھپی ہوئی ہے حرام کی جنی' کتنے گھروں کے چراغ بجھا دیئے ہیں اس نے' یہ ڈائنیں کوئی بے وقوف تھوڑی ہوتی ہیں اب پتہ ہے وہ کیا کرے گی——"

"کیا کرے گی——" کسی اور نے پوچھا——

"راتوں کو چھپ چھپ کر بستی میں آئے گی اور بچوں کو اٹھا کر لے جائے گی——"

"یہ تو بڑی خوفناک بات ہے——"

"چودھری شہباز ہی کوئی سہی فیصلہ کریں گے اور اس سلسلے کو سامنے لے کر آئیں گے۔ رنگوتری ہی کو نہیں بلکہ ہیرا لال کو بھی موت کی سزا ہونی چاہیے——"

"چودھری صاحب کوئی نہ کوئی بڑا کام کر کے رہیں گے۔"

بہرحال میں نے بھی ان ساری باتوں میں پوری پوری دلچسپی لی تھی۔ ایک عجیب سا ماحول میسر آ گیا تھا پھر وہاں مجھے رنگوتری کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہوئیں کسی اور بستی کی عورت تھی اور ہیرا لال اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا' رنگوتری تھوڑے دن تک ہیرا لال کے ساتھ ٹھیک رہی پھر شاید ہیرا لال کے ہی کسی جادو منتر کا شکار ہو کر اس نے وارداتیں شروع کر دیں۔ ہیرا لال نے مشہور کر دیا تھا کہ رنگوتری پاگل ہو گئی ہے۔ وہ پاگل نہیں ہوئی تھی بلکہ بچے کے حصول کی کوشش میں ڈائن بن گئی تھی۔ بس بستی میں پھرتی رہتی تھی' پہلا شکار ایک بیچارہ معصوم لڑکا ہوا' رات کا وقت تھا باہر کھیلنے نکلا تھا غائب ہو گیا۔ اس کا باپ اس کا جگہ جگہ پوچھتا رہا پھر کھیت کے ایک کونے میں بچے کی لاش ملی۔ چھاتی چاک کر دی گئی تھی۔ لوگ یہی سمجھے تھے کہ کوئی جنگل کا جانور خون کا پیاسا ہو گیا ہے ایسا ہوتا تھا کبھی کبھی' قرب و جوار کی بستی سے سنگل پور کے جانور' درندے نکل آتے تھے اور اگر ان کے منہ کو انسانی خون لگ جاتا تھا تو پھر وہ اس قسم کی وارداتیں کیا کرتے تھے۔

بہرحال بستی والے جیسے اپنی جیسی کوششیں کرتے رہے۔ کوئی ڈیڑھ مہینے کے بعد ہی دوسرا واقعہ ہو گیا۔ اس بار بھی ایک بچہ اس درندے کا شکار ہو گیا تھا لیکن پھر بستی کے حکیم ابراہیم خاں نے کہا کہ یہ کام کسی درندے کا نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جس طرح سینہ چیرا جاتا ہے درندے ایسا کام نہیں کرتے اور پھر بچے کے بدن پر اس کے پنجوں کے نشان بھی نہیں ملے تھے۔ کہیں سے تو پتہ چلتا کہ جہاں لاشیں پڑی ہوئی ہیں وہاں درندے کے قدموں کے نشانات بھی ہوں۔ پوری بستی خوف و دہشت کا شکار ہو گئی تھی۔ ہر طرف سے کوششیں کی جا رہی تھیں لیکن یکے بعد دیگرے کئی بچے اس کا شکار ہو گئے۔ بستی کے تو بہت سے لوگوں نے تو بستی ہی چھوڑ دی تھی۔ میری حیثیت یوں بڑھ گئی تھی کہ میں نے رنگوتری کو منظر عام پر پیش کر دیا تھا۔ بہرحال" لوگ اپنی اپنی باتیں کرتے رہے' خلیل خاں میرا میزبان تھا۔ غالباً میں نے تیسرے دن اس سے کہا۔۔۔"

"خلیل خاں بات اصل میں یہ ہے کہ میں ابھی تمہاری بستی میں کئی دن تک ٹھہرنا چاہتا ہوں اور یہاں میں نے دیکھ لیا ہے کہ یہ سب کچھ تمہارا کاروبار ہے' دیکھو میں کوئی غریب آدمی نہیں ہوں۔ اللہ کے فضل سے بہت کچھ ہے میرے پاس' بہت کچھ ساتھ لے کر آیا ہوں اگر تم مجھ سے معاوضہ لے لو تو۔۔۔"

"ارے بھائی غریب کو گالی دینا کتنا آسان ہوتا ہے' اگر آپ بڑے آدمی ہو تو آپ کی گالی بھی ہمیں بری نہیں لگے گی' پر ایک بات کہیں ہم کہ غریب بستی کے غریب لوگ ہیں۔ مہمان کی عزت کرنا جانتے ہیں کیا سمجھے۔۔۔؟"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔۔۔؟"

"بھیا جوتے مار لو' مگر پیسے دینے کی بات مت کرو' خلیل خاں نے اتنی عاجزی سے کہا کہ میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا' کتنے معصوم اور سادہ لوح لوگ تھے انہوں نے مجھ سے میرے بارے میں کوئی تفصیل بھی نہیں پوچھی تھی کہ کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جانا چاہتا ہوں؟ بہرطور یہ ساری باتیں تھیں اور میری دلچسپی رنگوتری سے لگی ہوئی تھی۔

تیسرے دن میں نے خلیل خان سے پوچھا۔۔۔"

"خلیل خاں ہیرا لال کا کیا ہوا۔۔۔؟"

"بندھا ہوا ہے' چودھری شہباز مصروف تھے انہوں نے کہا ہے کہ ذرا ان کی مصروفیت ختم ہو جائے تو پھر پنچایت بلائیں گے اور ہیرا لال کو پنچایت کے سامنے پیش کریں گے' میں گہری دلچسپی لے رہا تھا ان تمام معاملات میں' میں نے خلیل خاں سے کہا۔۔۔"

"خلیل خاں جب چودھری صاحب پنچایت طلب کریں تو مجھے ان کے سامنے ضرور پیش کرنا۔۔۔"

"لو بابو جی تمہیں تو ان کے سامنے پہلے ہی پیش کیا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ہی نے تو پہلی بار رنگوتری کو دیکھا تھا۔

بہرحال رنگوتری کا کیا ہوا یہ بھی نہیں پتہ چل سکا تھا سوائے اس کے کہ وہ

بستی والوں کے ہاتھ نہیں لگی تھی۔ نجانے کہاں غائب ہو گئی تھی' حالانکہ بستی والے اسے جگہ جگہ تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

ہیرا لال کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ وہ چودھری شہباز کے احاطے میں' جسے گھوڑے والا احاطہ کہا جاتا ہے بندھا ہوا ہے' میں نے سوچا کہ اب ان تمام معاملات کا اختتام دیکھ کر ہی یہاں سے جاؤں گا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پراسرار واقعات میری زندگی کا ایک حصہ بن گئے ہوں۔ حالانکہ بچپن' اسکول کا دور' اس کے بعد پورے ہوش کی زندگی میں کبھی ان باتوں کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ کبھی ایسے واقعات سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ سوائے قصے کہانیوں کے لیکن اب یہ سارے قصے کہانیاں میرے سامنے زندہ ہو گئے تھے۔ نہ صرف زندہ ہو گئے تھے بلکہ خود میری زندگی سے منسلک ہو گئے تھے۔ اس منحوس چھپکلی کا معاملہ ہی کونسا کم تھا کہ اب یہ رنگوتری۔۔۔ بہرحال اب مجھے رنگوتری کے واقعے کے آگے بڑھنے کا انتظار تھا۔

اور اس کے لئے بھی مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوسری صبح خلیل خاں نے مجھے سوتے سے جگایا تھا۔ وقت زیادہ نہیں ہوا تھا ویسے یہاں دیر تک سونے لگا تھا۔ حویلی میں جو دن و رات گزرے تھے انہوں نے مجھے ذہنی طور پر شدید تھکا دیا تھا اور اس وقت گویا میں اپنی قوتیں جمع کر رہا تھا۔ خلیل خاں نے کہا۔

"معاف کرنا فیروز بھیا' صبح ہی صبح اعلان ہوا ہے چودھری جی نے آج پنچایت بلائی ہے' چلو چلنا ہے' تمہاری وہاں موجودگی بھی ضروری ہے۔ بہرحال میں تیار ہو کر چل پڑا۔ بیگم خلیل خاں میرے حق میں بہت بہتر ثابت ہوئی تھیں۔ صبح ہی صبح چائے بھی دے دی تھی جسے پی کر طبیعت بہتر ہو گئی تھی۔ میں خلیل خاں کے ساتھ چودھری شہباز کی حویلی کی جانب چل پڑا۔ چھوٹے چھوٹے گھروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے آخر کار میں اور خلیل خاں ایک ایسے گھر کے سامنے پہنچ کر رکے جو سرخ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ بہت بڑا حویلی نما مکان تھا اور اس کے سامنے بے شمار افراد جمع تھے۔ بستی سنگل پور کے سارے ہی لوگ آ گئے تھے۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ مجھے اس کے درمیان سے آگے جانے کے لئے جگہ دی گئی۔ بستی کے لوگ بڑے سادہ لوح معلوم ہوتے تھے جس طرح میری عزت کر رہے تھے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی لیکن خلیل خاں یہ تو دیکھ چکا تھا' سیدھا سادہ معصوم سا آدمی جو بلاوجہ میرے سامنے بچھتا رہتا تھا پھر میں نے وہ بڑا سا تخت دیکھا جس پر چودھری شہباز بیٹھے ہوئے تھے۔ لمبے چوڑے قدوقامت کے مالک تھے اور صورت ہی سے مغرور نظر آتے تھے۔ اپنے چہرے کے سائز سے کافی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں جو اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ان سے تھوڑے فاصلے پر میں نے دبلے پتلے بدن کے مالک اس

شخص کو دیکھا جسے باقاعدہ لکڑی کی ٹکٹکی سے باندھ دیا گیا تھا۔ وہ جگہ جگہ سے سوجا ہوا تھا۔ ایک آنکھ نیلی ہو رہی تھی۔ کئی جگہ خون جمع ہوا تھا' کپڑے پھٹے ہوئے تھے' صاف لگتا تھا اسے بہت مارا گیا ہے۔ یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ مجھے کہ یہی ہیرا لال تیلی تھا۔ میں نے قریب پہنچنے کے بعد چودھری صاحب کو سلام کیا تو چودھری صاحب نے سلام کا جواب دیئے بغیر کہا۔۔۔

"کہاں سے آئے ہو۔۔۔؟"

"بہت دور سے چودھری صاحب۔۔۔"

"جگہ کا نام تو ہو گا۔۔۔"

"ہے مگر بتانا ضروری نہیں ہے۔۔۔"

"ارے ارے بھیا چودھری صاحب پوچھ رہے ہیں بتا دو۔۔۔" خلیل خاں نے میرے کان میں سرگوشی کی۔۔۔

"میں نے کہا نا جو چیز مناسب نہیں ہے وہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ چودھری صاحب میری باتیں سن رہے تھے' انہوں نے کہا۔۔۔"

"جیل سے بھاگے ہوئے ہو کیا۔۔۔؟ ایسے ہی لوگ اپنے آپ کو چھپائے پھرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں پناہ لیتے ہیں۔۔۔"

"اگر آپ کے وسائل ہوں چودھری صاحب تو جیل والوں سے معلومات حاصل کر لیجئے۔۔۔"

"مگر تمہیں بتانا تو چاہئے کہ تم کہاں سے آئے ہو۔۔۔؟"

"نہیں بتا رہا بس اتنا کافی ہے۔"

"کہاں ٹھہرا ہے یہ۔۔۔" چودھری صاحب نے لہجہ بگاڑ کر پوچھا۔۔۔

"مم میرا۔۔۔ میرا مہمان ہے چودھری صاحب۔۔۔" اصل میں وہ۔۔۔ بات۔۔۔"

"ہاں ہاں مجھے معلوم ہے' ہاں بھئی تو کیا دیکھا تھا تو نے۔۔۔؟"

"ان لوگوں نے تمہیں بتایا نہیں ہے چودھری شہباز۔۔۔"

"تو بتا چودھری شہباز نے بدتمیزی سے کہا۔۔۔"

"بس اتنا دیکھا تھا' میں نے کہ وہ عورت لاش کے پاس بیٹھی تھی مجھے دیکھ کر کھڑی ہو گئی اور چیخ مار کر بھاگی پھر کھیتوں میں جا گھسی بعد میں یہ لوگ آ گئے تھے۔۔۔"

"وہ لڑکے کا کلیجہ چبا رہی تھی چودھری نے پوچھا۔۔۔"

"یہ میں نے نہیں دیکھا۔۔۔"

"ٹھاکر جی پوری کی پوری خون میں رنگی ہوئی تھی۔۔۔"

"ہاں' ٹھیک کیوں بھئی اب تو بتا کیا کہتا ہے؟ اب تو چشم دید گواہ مل گیا' چودھری صاحب نے ہیرا لال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔"

"دنیا جانتی ہے چودھری صاحب۔ آپ بھی جانتے ہیں سب ہی کو معلوم ہو گیا ہے۔ بیچاری رنگوتری کے بارے میں' پھر بھی آپ لوگ اس پر الزام لگا رہے ہیں تو ہم تو یہی کہیں گے کہ دیکھنے والا اور فیصلہ کرنے والا بھگوان ہے' ہمارا جیون لینا چاہتے ہو تو لے لو ہم بھلا کیا بگاڑ سکیں گے تمہارا۔۔۔"

"ہندو مسلمانوں کا جھگڑا کھڑا کرنا چاہتا ہے یہاں ایسا ہو نہیں پائے گا۔۔۔"

"ارے ہم کاہے کو جھگڑا کھڑا کریں گے چودھری صاحب پتہ ہے آپ کو بیچاری رنگوتری کے بارے میں صورت شکل کی خراب تھی' ماتا پتا نے بیس دفعہ شادی کرنے کے لئے اپنا سب کچھ بیچ دیا لوگ اس کی شکل دیکھ کر بھاگ جاتے تھے' عمر بڑھ گئی تھی' ماتا پتا اسی غم میں مر گئے۔ اکیلی رہ گئی پھر ایک اکیلی عورت سے جو بھی ظلم کیا جا سکتا تھا کیا گیا' عزت لوٹ لی گئی اس کی زبردستی کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ ہم گئے ہوئے تھے اتفاق سے اس کی بستی میں اس نے ہمارے سامنے کنویں میں کود کر جان دینے کی کوشش کی' ہمیں اس کے بارے میں نہیں معلوم تھا کہ کون ہے؟ بس انسانی ہمدردی پر ہم نے اسے کنویں سے نکالا تو بے ہوش تھی۔ بعد میں ہمیں اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں تو ہم نے کہا کہ ہم پھیرے کریں گے اس کے ساتھ' پھیرے کر لئے ہم نے چودھری صاحب اور اپنے گھر لے آئے اور اس کے دماغ پر جو صدمہ تھا اس سے وہ ٹھیک نہیں ہو سکی۔ اسے یہی غم تھا کہ اس کے ماتا پتا اس طرح مر گئے' حالت بگڑتی چلی گئی اس کی اور اس کے بعد وہ اس حال کو پہنچ گئی مگر چودھری صاحب نہ تو وہ ڈائن ہے اور نہ ہی اس نے کسی لڑکے کو مارا ہے' یہ بات

تو تم بھی جانتے ہو کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی---"

"ارے کیا بات کرتا ہے تو ہیرا لال تو خود جو جادو ٹونے کرتا رہتا ہے---"

"ستیا ناس ہو اس پاپی کا جسے جادو ٹونوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم ہو ارے یہ تو تم لوگوں کے تعصب کی نظر ہے ہمارے پرکھوں کا کام ختم ہو گیا' بازار کے کمپنیوں کے تیل آگئے تو ہمارے تیل کی مانگ ختم ہو گئی بس تھوڑا بہت الٹے سیدھے دھندے کر لیتے ہیں تو تم لوگوں نے جادو ٹونوں کا نام دے دیا۔ اور ارے بھائی مار ڈالو نا ہمیں کیا کر سکتے ہیں تمہارا---"

"رمضان خاں تم نے ہیرا لال کو مارا ہے---"

"چودھری صاحب آپ جانتے ہیں کہ ہمارے گھر کا چراغ بجھ گیا ہے---"

"مگر رنگوتری کا اگر گناہ بھی ہے تو اس بیچارے کو کیوں مارا تم نے---؟"

"بس چودھری صاحب خون سوار ہے ہم پر---"

"جس پر خون سوار ہوتا ہے اس پر میں سواری کرتا ہوں ہندو مسلمانوں کا جھگڑا کراؤ گے ہماری بستی میں' کھول دو اسے بہت برا کیا ہے ہم نے اس کے ساتھ' جانے دو اور سنو مجھے ثبوت چاہئے رنگوتری کو پکڑ لو اسے لاؤ میرے سامنے' اس کے بجائے اسے کیوں پکڑ رکھا ہے۔

پھر ہیرا لال کو چھوڑ دیا گیا۔ بہرحال چودھری نے اس کے بعد مجھ پر توجہ نہیں دی تھی بلکہ کچھ کھچا کھچا سا رہا تھا۔ میں خلیل خاں کے ساتھ واپس آگیا۔ خلیل خاں کے چہرے پر عجیب سی کشمکش پھیلی ہوئی تھی۔ گھر آنے کے بعد اس نے کہا---

"بھیا تم باہر کے آدمی ہو' چودھری شہباز بڑے سخت مزاج کے آدمی ہیں تم نے ان سے سخت بات کی' بگڑ گئے تو نقصان پہنچا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے خلیل خاں میں نہیں چاہتا کہ تمہیں پریشانی ہو' معافی چاہتا ہوں تم سے' پر وہ تو بڑا بدتمیز آدمی ہے' انسانوں سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں ہے اسے۔ اس کے پاس جتنا جو کچھ ہے نا میں اس کی نقد ادائیگی کر سکتا ہوں۔ دولت میں مجھ سے بڑا نہیں ہے وہ۔ میرے ساتھ بدتمیزی کی تو اس سے بھی سخت رویہ اختیار کروں گا۔ تم فکر مت کرو' میں یہاں سے جا رہا ہوں' کہیں بھی قیام کر لوں گا لیکن رنگوتری کا

معاملہ جاننے کے بعد ہی یہاں سے جاؤں گا۔

خلیل خان نے ہاتھ جوڑ لئے تھے پھر اس نے کہا۔

"خدا قسم فیروز بھیا یہ مطلب نہیں ہے ہمارا' ہم تو بس تمہیں ہوشیار رہنے کے لئے کہہ رہے تھے' دیکھو بھیا اصل میں وہ جو کہتے ہیں نا کہ طاقتور مارے اور رونے بھی نہ دے۔ چوہدری شہباز ویسے تو برے آدمی نہیں ہیں پر مغرور بہت ہیں۔ اپنے آگے کسی کی سنتے نہیں۔" بس ہم ایسے ہی کہہ رہے تھے۔

"نہیں--- ارے ہاں--- تم اس بستی کے رہنے والے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں میری وجہ سے کوئی پریشانی ہو۔ بیگم خلیل نے اس وقت اس موقع پر بڑی زبردست کی۔ کہنے لگیں---"

"ارے واہ--- یہ گھر کوئی چودھری کے باپ کا تھوڑا ہی ہے۔ ہمارا گھر ہے۔ اپنا کماتے ہیں--- اپنا کھاتے ہیں۔ چوہدری ہو گا اپنے گھر کا۔ نہیں بھیا--- تم آرام سے یہاں رہو۔ تمہاری وجہ سے دل لگ گیا ہے۔ جیسا اپنا ہی کوئی بھائی کہیں سے آ گیا ہو۔ کچھ وقت رہو ہماری بھی تسلی رہے گی۔ اللہ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں رنگوتری سے محفوظ رکھے۔ میرا شمشاد تو اب گھر سے نکلتا بھی نہیں ہے۔ میں نے منع کر دیا ہے۔ بہرحال--- ان دونوں نے مل کر مجھے روک لیا تھا۔ حالانکہ میں تو یہاں آیا ہی کسی اور مقصد سے تھا۔ میری اپنی ہی مشکل کیا کم تھی---؟ کہ میں کسی نئے کھیل میں گرفتار ہوتا لیکن--- بعض کھیل ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس طرح کے ہی کھیل نے مجھے اپنے آپ میں لپیٹ لیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہیرا لعل کے چہرے پر جو معصومیت بکھری ہوئی ہے اور اس نے جس طرح رنگوتری کی کہانی سنائی ہے اس سے تو صرف یہ لگتا ہے کہ رنگوتری ایک پاگل عورت ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی دیوانگی میں معصوم بچوں کا خون کر رہی ہو۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو آخر اس طرح معصوم بچوں کا ہی خون کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے---؟ یہ بات باعث دلچسپی تھی اور میں نے دل میں سوچا تھا کہ موقع ملا تو میں اس بارے میں ضرور معلومات کروں گا۔ بہرحال--- رک گیا تھا۔ پھر ایک شام میں بستی میں نکل آیا۔ میں نے سوچا--- ذرا دیکھو تو سہی کیا قصہ ہے---؟ لوگ

کس طرح راتوں کو وقت گزارتے ہیں---؟ بہرحال-- شام کو میں ٹہلتا ہوا دور تک گیا تھا پھر مجھے ایک چھوٹی سی کٹیا نظر آئی اور میں بنا کسی اور خیال کے اس کٹیا میں پہنچ گیا۔ میں نے کٹیا کے باہر ہیرالال کو چارپائی پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر میرے دل میں رحم کا ایک جذبہ ابھر آیا۔ میں آہستہ قدموں سے چلتا ہوا ہیرالال کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اپنے بدن پر جگہ جگہ پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس نے منہ پھیر لیا---

"ہیرا لعل---"

"بھاڑ میں گیا--- ہیرا لعل-- ارے ہمارا تم سے کیا واسطہ---؟ سب نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس بستی میں پیدا ہوئے' یہیں پلے بڑھے--- جوان ہوئے--- تم سب لوگوں کے درمیان زندگی گزاری ہم نے۔ بتاؤ-- کسی کا برا کیا-- لڑکے جھگڑے کسی سے--- ہم بھی اس سے شادی نہ کرتے اگر اس کے ساتھ ایسا برا سلوک نہ ہوا ہوتا۔ او دیکھو بھیا--- نیکیوں کی کیا سزا ملتی ہے---؟"

"ہیرا لال--- افسوس کی بات یہ ہے کہ میں یہاں نہیں رہتا۔ میں تو باہر کی بستی کا مسافر ہوں۔"

"ایں-- ارے ہاں--- ہم بھی تو تمہیں پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔ پر ہم بھی کیا کریں---؟ مار مار کے سسروں نے ہماری شکل بگاڑ دی ہے۔ پورا بدن درد کر رہا ہے ہمارا۔ سمجھ میں نہیں آتا--- ابھی حکیم جی سے درد کی گولی لینے گئے تھے۔ جانتے ہو انہوں نے کیا کہا---؟"

"کیا کہا انہوں نے---؟"

"کہنے لگے--- ہیرا لعل! تجھے بستی میں کوئی چیز نہیں ملے گی۔ ہم سب نے تیرا بائیکاٹ کر دیا ہے۔ ارے بائیکاٹ کر دو--- یا کاٹ کے ڈال دو۔ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں تمہارا---؟"

"خیر--- یہ تو برا کیا ہے۔ چودھری صاحب بھی کہہ رہے تھے کہ قصور اگر ہے تو رنگوتری کا ہے--- تیرا نہیں ہے۔ ہیرا لعل-- یہ لوگ تیرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں---؟

"کیا بتائیں---؟ بات کوئی بھی نہیں مانے گا میری اور مان بھی نہیں سکتا۔ ارے کسی کے سینے سے کلیجہ نکال لو۔ پھر وہ بھلا دوست کیسے رہ سکتا ہے---؟ پر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ کلیجہ نہ ہم نے نکالا ہے نہ ہی رنگوتری نے--- بھیا جی! دیکھو--- کسی اور سے کہیں گے تو مار مار کے کھوپڑی توڑ دے گا ہماری پر ایک بات ہم تمہیں بتا دیں۔ رنگوتری نے یہ سب کچھ نہیں کیا کوئی اور ہی ہے جو اس کے پاگل پن سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ بس--- ہم پورے دعوے سے کہتے ہیں-- وہ تو باؤلی ہو گئی ہے۔ جگہ جگہ پھرتی رہتی ہے۔ اگر تم نے اسے کھیت کنارے پڑا دیکھا ہو گا تو جانتے ہو--- کیا ہوا ہو گا---؟ بیٹھ گئی ہو گی لاش لے کر اس کے پاس اور ٹٹولنے لگی ہو گی اسے--- نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس کے ہاتھ اور چہرے پر خون لگ گیا۔ ایسا ہی ہوا ہے--- بھیا! ایسا ہی ہوا ہے۔ میرے پورے وجود میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ ہاں--- ہو سکتا ہے--- بالکل ہو سکتا ہے۔ تو کیا بیچاری رنگوتری ایسے ہی ڈائن مشہور ہو گئی ہے۔ اب یہ لوگ بھلا اس کا پیچھا کہاں چھوڑیں گے۔ بہرحال--- مجھے بڑا ہی افسوس ہوا تھا۔ میں نے کہا---

"مجھے بتاؤ--- حکیم جی سے میں تمہارے لئے دوا لے کر آتا ہوں---"

"ارے--- رہنے دو بھیا--- رہنے دو--- بس کیا کہیں تم سے---؟ ہم تو یوں سمجھ لو--- بس بھگوان نے ہماری تقدیر میں برائی ہی لکھ دی ہے۔ نہ کھانے کو ہے-- نہ پہننے کو--- بس جیون پتا نہیں کیا ہے---؟ کیا ہو رہا ہے---؟ پھر ہم کیا کر سکتے ہیں---؟" وہ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ قلاش بھی ہے اور مظلوم بھی۔ دل میں رحم کا ایک جذبہ ابھرا۔ میں فوراً ہی واپس پلٹا۔ بازار ابھی کھلے ہوئے تھے۔ میں نے بازار سے کھانے پینے کی بہت سی اشیاء خریدیں۔ ایک چھوٹا سا میڈیکل سٹور بھی مل گیا۔ وہاں سے بدن کے درد کی گولیاں اور زخم پر لگانے کی دوائیں لیں۔ میں انہیں لے کر ہیرا لعل کی طرف چل پڑا۔ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر یہ سب کچھ بے حد ضروری تھا۔ پھر جب میں نے یہ چیزیں ہیرا لعل کو دیں تو وہ زار و قطار رو پڑا تھا۔ کہنے لگا---

"تم تو یہ سب کچھ لے آئے ہو--- بھیا جی--- پر اب اس بستی میں رہنے کو

من نہیں کرتا۔ رنگوتری ہمیں مل جائے تو لے کر نکل جائیں گے اس بستی سے۔
ارے ہاں--- دیکھو تو کیا سلوک کیا ہے ہمارے ساتھ انہوں نے---؟ یہ سارے کے سارے دشمن ہو گئے ہیں ہمارے۔ جینے نہیں دیں گے ہمیں---"

"ہو سکتا ہے--- ان کی غلط فہمی دور ہو جائے ہیرا لعل--- تم اتنے زیادہ بددل نہ ہو---"

"ارے--- کیا بد دل نہ ہوں بھیا--- دیکھو تو--- ہمارا مار مار کر کیا حال کر دیا ہے انہوں نے ایسے مارنا چاہئے تھا کوئی۔ اگر رنگوتری ڈائن بھی تھی تو ہم نے اسے ڈائن نہیں بنایا۔ کہتے ہیں کہ جادو منتر کرتے ہیں--- ارے جادو منتر کرتے تو بھوکے مرتے کیا---"

"چلو--- چلو--- وقت کا انتظار کرو--- ہیرا لال۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کام بن ہی جائے۔ میرے دل میں ہیرا لعل کے لئے بڑا دکھ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تمام چیزیں اسے دے کر میں نے سوچا کہ واپس چلوں لیکن دل کو ایک عجیب سا خیال آیا تھا کیوں نہ میں رنگوتری کو تلاش کروں---؟ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے مل جائے۔ چنانچہ--- میں نے جنگلوں کی جانب رخ کیا۔ بالکل سامنے کے حصے میں جنگلوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سنگل پور کا یہ علاقہ بڑا پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ پراسرار تو خیر سامنے والا علاقہ بھی تھا جہاں مجھے سراج خان ملے تھے۔ سارے کے سارے عجیب و غریب--- پتا نہیں کیا ہو رہا ہے---؟ سنگل پور کی آبادی کو۔ میں آگے بڑھتا رہا اور کافی دور نکل آنے کے بعد مجھے ایک عجیب و غریب سیاہ رنگ کی عمارت نظر آئی۔ آبادی سے دور یہ عمارت بڑی عجیب و غریب تھی۔ میرے قدم اس کی جانب اٹھ گئے۔ عمارت کے آس پاس دور دور تک انسانی قد سے اونچی جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں لیکن ان کے درمیان بھی عمارت تک جانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ میرے قدم اس پگڈنڈی پر آگے بڑھنے لگے۔ راستے میں کئی جگہ سانپوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دی تھیں۔ جس قدر خوفناک یہ جھاڑیاں تھیں یقینی طور پر ان میں سانپ موجود تھے۔ ویسے بھی یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس ویرانے میں بنی ہوئی عمارت میں بھلا کون آتا ہو گا---؟ لیکن اب جبکہ حویلی کے آسیب میرا دل کافی مضبوط کر چکے تھے اور میں نے بھوتوں کے درمیان رہنا سیکھ لیا

تھا اس ویرانے میں بنی ہوئی عمارت کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے مجھے زیادہ خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں آگے بڑھتا ہوا اس کے دروازے پر پہنچ گیا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ عمارت خاصی مضبوط تھی--- گزرتے ہوئے وقت نے اس کا رنگ و روپ بدل دیا تھا--- اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بالکل مضبوط تھی۔ اس میں محرابیں بنی ہوئی تھیں جن کے درمیان سے گزرنے کے راستے تھے۔ بے شک مٹی کی دبیز تہ ان راستوں کو ڈھکے ہوئی تھی--- اس کے علاوہ اور کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی تھی جس سے پریشانی کا احساس ہو۔ میں آگے بڑھتا ہوا محرابوں کے آخری سرے تک پہنچ گیا جہاں ایک چوکور ہال بنا ہوا تھا۔ اس ہال میں مدھم مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کوئی ہندو مندر تھا جو زمانے کی قدامت کا شکار ہو گیا تھا۔ سنگل پور کی آبادی میں تھوڑے بہت ہندو بے شک تھے لیکن ان کی حیثیت آٹے میں نمک کی طرح تھی اور ان کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی۔ بس محنت مزدوری کر کے مقامی لوگوں کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ مندر وغیرہ میں عبادت کا یوں انہیں کہاں موقع ملتا ہو گا---؟ اس مندر میں جگہ جگہ ٹوٹے پھوٹے بت نظر آ رہے تھے اور اس سنسان ماحول میں یوں لگ رہا تھا جیسے یہ بات آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہوں۔ میرے بارے میں کچھ کہہ رہے ہوں۔ ایک بڑا سا مجسمہ جس کے دونوں ہاتھ ٹوٹے ہوئے تھے لیکن جس کا چہرہ بڑا جاندار تھا اور چمکتا ہوا محسوس ہوتا تھا یا تو یہ میرا وہم تھا یا پھر حقیقت کہ میں نے اس مجسمے کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی۔ حالانکہ وہ تراشا ہوا ایک بت تھا لیکن آنکھیں بالکل کسی جاندار کی معلوم ہوتی تھیں۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ آنکھوں کی یہ چمک واقعی یا تو فنکاری کا کمال تھی یا پھر--- اس میں کوئی راز چھپا ہوا تھا۔ تیسری بات یہ بھی تھی کہ یہ تنہائی اور ماحول کا ایک تصور بھی ہو سکتا ہے۔ میں نجانے کیوں آگے بڑھ کر اس بت کے قریب پہنچ گیا۔ ہلکی ہلکی سرسراہٹ سے یہ محسوس ہوتا تھا جیسے آس پاس کہیں کوئی موجود ہے لیکن جب میں اس بت کے قدموں کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ یہاں زمین پر تھوڑا سا خون جما ہوا ہے۔ تحقیق کے خیال نے سارا خوف دل سے نکال دیا۔ میں نیچے بیٹھ گیا اور جمے ہوئے خون کو دیکھنے لگا۔ سو فیصدی خون تھا--- انسان کا--- یا جانور کا یہ

نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اچھی خاصی مقدار تھی اس کی یہاں اور کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس بت کے قدموں میں قربانی دی گئی ہو۔ میرے دل میں ایک بار پھر عجیب و غریب خیالات آنے لگے۔ بے شک ہیرا لعل نے اپنی بے گناہی کے لئے بہت کچھ کہا تھا لیکن کیا یہ ہو سکتا ہے۔۔۔؟ کہ اس نے جھوٹ ہی بولا ہو۔ کوئی مسلمان نہ تو اس مندر میں آ سکتا ہے اور نہ اسے کسی ایسے جادو منتر سے یا قربانی سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ہندوؤں کی آبادی کہاں تھی۔۔۔؟ اور کتنی تھی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ہیرا لعل کے بارے میں لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ جادو ٹونے کرتا ہے۔ ہو بھی سکتا ہے کیونکہ ایسا ہی کوئی آدمی بت کے قدموں میں قربانی دے سکتا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ قربانی کسی انسان کی تھی یا کسی جانور کی۔۔۔؟ اس تجسس نے دل میں سر ابھارا کہ دیکھوں تو سہی۔۔ تلاش تو کروں۔۔۔ خون زیادہ پرانا نہیں معلوم ہوتا حالانکہ وہ جم گیا تھا۔ لیکن ایک تنکے کے کریدنے سے اس کے نچلے حصے میں تھوڑی سی نمی ملی تھی۔ میں بڑی عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔۔۔ اس کے بعد میں وہاں سے اٹھا اور میں نے اس حال کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اندرونی حصے میں ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔ وہ دروازے کے دوسری جانب ایک چھوٹا سا کمرہ تھا لیکن یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ اس کے در و دیوار بھی پلستر سے بے نیاز۔۔۔ قرنی صورت اختیار کئے ہوئے تھے۔ اچانک ہی مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آواز محسوس ہوئی۔ یوں لگا جیسے کوئی دبے قدموں چلتا ہوا دروازے سے جھانک کر چلا گیا ہو۔ میں نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ کون تھا۔۔۔؟ قدموں کی آواز اس قدر وضاحت سے سنائی دی تھی کہ شک و شبے کا کوئی مرحلہ نہیں رہا تھا۔ میں تیزی سے دوڑتا ہوا باہر آیا اور دور دور تک نگاہیں دوڑائیں لیکن اگر کوئی باہر نکل کر پہنچ بھی گیا ہے تو اب اسے تلاش کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس پاس بکھری ہوئی جھاڑیوں میں بہت سے لوگ چھپ جاتے تو ان کا سراغ لگانا مشکل ہو جاتا۔ یہ جگہ بے حد پراسرار تھی البتہ میں نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں باہر کا جائزہ لیتا رہا پھر واپس اندر آ گیا۔ ایک بار پھر اسی ہال میں آ کر دیواروں اور کونوں کھدروں کا جائزہ لینے لگا۔ یہ تو خیر اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ جگہ انسانی پہنچ سے دور نہیں ہے۔ ایک جگہ دیوار میں دو مشعلیں

نصب تھیں جو میں نے پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ میں نے جیب سے لائٹر نکال کر ان مشعلوں کو آگ دکھائی تو دونوں مشعلیں روشن ہو گئیں۔ ایک عجیب سی فضا میں خوشبو پھیلنے لگی۔ حالانکہ مشعلیں عام طور پر چربی یا کسی اور ایسی چیز سے بنائی جاتی ہیں جو دیر تک جلتی رہیں۔ لیکن اس میں خوشبو نہیں ہوتی جبکہ ان مشعلوں میں خوشبو موجود تھی۔ ہو سکتا ہے زمانہ قدیم میں اس وقت جب اس مندر میں ہندو مذہب کے لوگ پوجا کرنے آتے ہوں یہ مشعلیں یہاں نصب کر دی گئی ہوں۔ بعد میں اس ہال سے دوبارہ نکل آیا۔ جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک بار پھر کھیتوں سے گزر رہا تھا، تو تھوڑے فاصلے پر میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو ہاتھوں میں لالٹینیں اور لاٹھیاں لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنی لاٹھیاں سیدھی کر لیں۔ رات کی تاریکی میں وہ مجھے پہچان نہیں سکے تھے لیکن مجھے احساس تھا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے چنانچہ۔۔۔ میں نے ہاتھ اوپر کر کے ریوالور سے ایک فائر کیا اور دھماکے کی آواز سن کر وہ بچارے برق رفتاری سے پیچھے بھاگ نکلے۔ بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ میں نے تو فائر اس لئے کیا تھا کہ وہ مجھے رنگوتری سمجھ کر مجھ پر حملہ نہ کر دیں۔ وہ نجانے کیا سمجھے تھے۔۔۔؟ بڑی مشکل سے صورتحال کا جائزہ لینے پر میں آگے بڑھتا رہا اور جب بستی کی آبادی میں پہنچا تو ایک بار پھر اس بستی کے بے وقوف لوگوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ چودھری شہباز بھی آ گئے تھے۔ چودھری شہباز نے مجھے دیکھا تو اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا اور میں ان کے قریب پہنچ گیا۔۔۔"

"فائر کس نے کیا تھا۔۔۔؟" چودھری شہباز نے پوچھا۔

"میں نے کیا تھا چودھری صاحب۔ اصل میں یہ لوگ جب کھیتوں کے درمیان ڈھونڈتے پھر رہے تھے رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ میں نے دیکھا تو سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ مجھ پر حملہ کر دیں۔ فائر کر کے میں نے ان لوگوں کو روکا مگر یہ بھاگ نکلے۔۔۔"

"دیکھو۔۔۔ تمہیں فائر نہیں کرنا چاہئے تھا۔۔۔"

"چودھری صاحب! مجھے کیا کرنا چاہئے تھا اور کیا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔؟ آپ کو اس بارے میں غور نہیں کرنا چاہئے۔۔۔"

"لیکن--- مندر کی طرف کیوں گئے تھے؟ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جاتا تو---"

"نقصان وہ کیسے---؟"

"عجیب آدمی ہیں بھائی-- کچھ سمجھ میں نہیں آتا بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ لوگ جو فائر کی آواز سن کر بھاگ کر بستی میں داخل ہوئے تھے انہوں نے بڑے اطمینان سے یہ خبردی تھی ڈاکو آگئے ہیں اور بستی پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پرانے مندر کے قریب انہوں نے ڈیرا ڈالا ہے اور ان کی تعداد سو کے قریب ہے۔ میرے حلق میں قہقہے مچل اٹھے تھے۔ یہ سیدھے سادھے دیہاتی جب الٹی باتیں کرنے پر اترتے ہیں تو کچھ زیادہ ہی الٹی باتیں کر لیا کرتے ہیں۔ میں واپس آگیا تھا اور چونکہ ابھی خلیل خاں کو چودھری شہباز کی طرف سے میرے سلسلے میں کوئی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس لئے وہ مسلسل میرے میزبان بنے ہوئے تھے۔ میں اس بات پر شرمندہ تھا لیکن کیا کرتا--- بس صورتحال جیسی بھی تھی اس میں گزارا کرنا ہی تھا۔ دوسرے دن صبح کو دو آدمی خلیل خان کے ہوٹل پر پہنچ گئے۔ انہوں نے پیغام دیا کہ چودھری شہباز مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ خلیل خان نے عاجزی سے مجھ سے کہا کہ میں چودھری صاحب کی بات کو نہ ٹالوں۔ بلاوجہ بات بڑھ جائے گی۔ میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے۔ ذرا چودھری شہباز کا بھی اندر سے جائزہ لے لیا جائے۔ چنانچہ--- میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا اور پھر چودھری شہباز کے گھر پہنچ گیا۔ یہاں میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ چودھری شہباز اس وقت ایک بڑے سے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور مسکرا کر بولے---

"آؤ--- تم جیسے بہادر آدمیوں کی قدر دل میں ہوتی ہے لیکن تم نے اب تک ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا---"

"معافی چاہتاہوں چودھری صاحب--- اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو آپ مجھے معاف کر دیجئے گا جبکہ ظاہر ہے کہ کسی بھی طرح آپ کی توہین کرنا مجھے منظور نہیں---"

"اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کیا نام بتایا تھا---؟"

"میرا نام فیروز ہے۔"

"فیروز--- دیکھو! عمر میں بھی مجھ سے چھوٹے ہو۔ شکل سے پڑھے لکھے لگتے ہو میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ اصل میں بہادر، نڈر آدمی ہو جس مقصد کیلئے بھی یہاں آئے ہو اگر مجھے بتا دو گے تو اس میں پوری پوری کامیابی حاصل ہو گی تمہیں---"

"چودھری صاحب! یہ تو بعد میں بتاؤں گا کہ کس مقصد کے تحت یہاں آیا ہوں---؟ پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں---؟"

"دیکھو بھائی--- اگر سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی ہو تو تمہارے افسروں نے شاید تمہیں غلطی سے چودھری شہباز کے بارے میں نہیں بتایا۔ یہاں سنگل پور میں چودھری شہباز ہی تو سرکار کا آدمی ہے اور تمہاری ہر طرح مدد کر سکتا ہے---"

"نہیں چودھری صاحب--- میرا پولیس یا سی۔ آئی۔ ڈی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ویسے آپ کا کیا خیال ہے---؟ کہ کیا سی آئی ڈی کے آدمی یہاں کسی کام سے آسکتے ہیں---؟"

"ارے بابا--- ہم کیا کہہ سکتے ہیں---؟ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی خبر پہنچ گئی ہو اور سراغ رساں بھیج دیئے گئے ہوں---"

"خیر--- کوئی خبر نہیں پہنچی اور نہ ہی میں سراغ رساں ہوں۔ تھوڑا سا وقت یہاں گزار رہا ہوں لیکن آپ نے جب بلا ہی لیا ہے تو آپ کے سوالات کے بعد میرے اپنے سوالات کا آغاز ہوتا ہے---"

"چلو ٹھیک ہے--- ہم تو کہہ ہی چکے ہیں کہ تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔ کیا سوال کرنا چاہتے ہو ہم سے---"

"چودھری صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ سنگل پور میں یہ جنوبی حصہ--- میرا مطلب ہے کہ جہاں آپ رہ رہے ہیں کتنا وسیع ہے---؟"

"بھائی! جنوبی یا شمالی کی کیا بات ہے۔ سنگل پور کی آبادی خاصی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔"

"یہاں سے تھوڑے فاصلے پر حویلی حیدر شاہ ہے اس کے بارے میں آپ کیا

جانتے ہیں ---؟"

"ایک حویلی ہے بہت پہلے بنائی گئی تھی۔ اصل میں ایک بہت بڑا مسئلہ بیچ میں آ گیا تھا۔ وہاں اس جگہ ہندوؤں کا شمشان گھاٹ تھا اور ہندوؤں نے وہاں حویلی بنانے کی سخت مخالفت کی تھی۔ انگریز حکومت تھی لیکن حیدر بخش بھی بڑے تعلقات والے آدمی تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کی ایک نہ چلنے دی اور حویلی بنا ڈالی وہاں ---"

"حویلی کے سامنے والے حصے میں بھی ایک آبادی ہے ---"

"ہے نہیں --- تھی۔"

"کیا مطلب ---؟"

"اب تو ادھر کوئی نہیں رہتا ---"

"مگر وہاں تو کھیت پھیلے ہوئے ہیں اور کھیتوں پر کام ہوتا ہے ---"

"اچھا --- تم دیکھ چکے ہو۔" چودھری شہباز نے عجیب سے لہجے میں کہا ---

"ہاں --- میں دیکھ چکا ہوں ---"

"کمال ہے -- چلو ٹھیک ہے دیکھ چکے ہو تو ٹھیک ہے۔ ہم نے تو تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ ذرا سی معلومات کریں تمہارے بارے میں -- کیا پیو گے ---؟ کیا کھاؤ گے ---؟"

"نہ کچھ پینا ہے نہ کچھ کھانا ہے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے ---"

"ہاں ہاں --- ملنے کو دل چاہ رہا تھا تم سے مجھے ایک دم یوں لگا تھا کہ چودھری شہباز کو اچانک کسی چیز نے پریشان کر دیا ہو۔ پھر --- ایک لمبی تڑنگی خاتون اندر داخل ہو گئیں اور انہوں نے کہا ---

"کب تک یہاں بیٹھے رہو گے ---؟ تمہیں پتا نہیں ہے کہ مجھے تم سے کام ہے۔ چودھری شہباز جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس عورت کو دیکھا۔ اچھے قدوقامت کی مالک تھی اور چہرہ بھی خوب صورت تھا لیکن اس پر عجیب سی کرختگی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نگاہ میری طرف دیکھا اور بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہمیں کچھ کام ہے تم جو کوئی ہو جس کام سے بھی آئے ہو پھر کبھی آ

جانا ---"

"ارے وہ --- ارے وہ۔"

"بس --- بس --- ارے وہ --- ارے وہ --- مت کہو چلو باہر۔ اچھا تو پھر تم جاؤ۔ سن کر بھی بیٹھے ہوئے ہو۔" عورت نے پھر میری طرف دیکھ کر کہا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر میں باہر نکل آیا تھا۔ یہ اندازہ تو میں نے لگا لیا تھا کہ یہ چودھری شہباز کی بیوی ہو سکتی ہے لیکن خوب بیوی تھی۔ چودھری صاحب کی ساری پرواز اس کے سامنے ختم ہو جاتی تھی۔ بہرحال --- وقت گزرتا رہا یہاں کے واقعات کی دلچسپی نے میرے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ میں اپنا مقصد بھول ہی گیا تھا۔ نجانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا ---؟ کہ یہاں پیش آنے والے واقعات کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکلے گا۔ جہاں تک ان واقعات سے میرا تعلق ہے تو میرے ذہن کے کسی گوشے میں ان سے کوئی ایسے تعلق کا تصور موجود نہیں تھا۔ بس ایک غیر فطری سی دلچسپی تھی۔ جو ان حالات کے باوجود میرے ذہن کو جکڑی ہوئی تھی اور میرا ذہن یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے یہاں رکنا چاہئے۔ اس رات بھی میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ حالانکہ زیادہ رات نہیں ہوئی تھی لیکن بستی کا ماحول بڑا سنسنی خیز تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے آدھی رات گزر چکی ہے۔ پانچ چھ بجے سارے کاروبار بند ہو جاتے تھے اور لوگ اپنے گھروں میں جا گھستے تھے۔ چاروں طرف خاموشی اس شام کو بادل بھی گھرے ہوئے تھے اور آسمان پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس وقت ایک عجیب سی بے کلی محسوس ہو رہی تھی۔ میرے ذہن میں وہی تصور تھا کہ ہو سکتا ہے کہ رنگوتری مجھے نظر آ جائے۔ پہلے میں نے ہیرا لعل کی کٹیا کو دیکھا۔ ہیرا لعل اپنی کٹیا کے باہر چارپائی پر سو رہا تھا اور اندر کوئی موجود نہیں تھا۔ رنگوتری کہاں نکل گئی ---؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی پھر اچانک ہی میرے پاؤں اسی عمارت کی جانب اٹھ گئے جو ویران پڑی ہوئی تھی۔ میں بہت زیادہ بہادر انسان نہیں تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس وقت اس مندر کی طرف رخ کرنے کا تصور کسی کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ پوری بستی خاموش تھی۔ کتے تک نہیں بھونک رہے تھے۔ میں چلتا رہا۔ راستے میں کسی ذی روح کا نشان نہیں ملا تھا۔ گھنے اور خوفناک جھاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان پگڈنڈی

سے چلتا ہوا بہت زیادہ محتاط رہا تھا کیونکہ رات میں تو راستے صاف بھی نظر نہیں آ سکتے تھے۔ میں تاریکی میں اس بھیانک مندر تک پہنچ گیا لیکن اس کے دروازے پر قدم اٹھتے ہی مجھے جو روشنی نظر آئی اس نے مجھے چونکا دیا۔ میں حیرانی سے اس روشنی کو دیکھنے لگا۔ پھر خود ہی مجھے خیال آیا۔۔۔ کہ میں نے وہ مشعلیں روشن کی تھیں جو پتھر کے بت والے کمرے میں روشن تھیں کوئی اور تو اس طرف نہیں آیا ہوگا۔ مشعلیں اسی وقت سے جل رہی ہیں۔ میں آگے بڑھتا ہوا اس ہال میں داخل ہو گیا تھا لیکن اسی وقت مجھے رات کے خاموش سناٹے میں گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس دن بھی میں نے یہی دیکھا تھا اور باہر دوڑا تھا لیکن کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس ویران مندر میں کوئی نہ کوئی ضرور رہتا ہے۔ میں نے اندر کا ماحول دیکھا اور پھر اچانک ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ پتھر کا وہ بغیر ہاتھ والا مجسمہ جس کی آنکھیں چمکتی ہوئی اور جاندار محسوس ہوتی تھیں اپنی جگہ موجود تھا اور اس کے پیروں کے نزدیک ایک چھوٹا سا بچہ اس سے بندھا ہوا بیٹھا تھا۔ میرا سارا وجود کانپنے لگا تھا۔ پچھلی بار جب میں یہاں آیا تھا تو مجسمے کے قدموں میں میں نے جما ہوا خون دیکھا تھا۔ کیا وہی کہانی پھر سے دہرائی جا رہی ہے۔۔۔؟ ایک لمحے تک میں عجیب سی کیفیت کا شکار رہا پھر اچانک ہی میں نے مجسمے کے عقب سے کسی کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ یہ کالے کپڑوں میں ملبوس ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اور وجود نمودار ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بے شک ڈھلکا ہوا تھا لیکن اس کے لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے تھے۔ یہ دوسرا وجود یقینی طور پر کسی عورت کا تھا۔ دونوں بچے کے سامنے آ گئے۔ عورت نے کہا۔۔۔

"گنگا دھر۔۔۔"

"جی مالکن۔۔۔ حکم۔"

"چل اسے قربان کر۔"

"جو حکم مالکن۔۔۔"

"پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کھول دے۔"

"میں کھولتا ہوں۔" مردانہ آواز نے کہا۔ روشنی میں کسی چاقو کی چمک ابھری

اور پھر گنگا دھر نامی شخص نے جھک کر چاقو سے رسیاں کاٹ دیں بچہ ہوش میں تھا لیکن اس پر سکتہ طاری تھا۔ گنگا دھر نے اسے دھکا دے کر لٹا دیا اور لمبے قدو قامت کی ایک سیاہ پوش عورت نے آگے بڑھ کر لمبا چاقو گنگا دھر سے لے لیا اور اس کے بعد اس کے دونوں ہاتھ فضا میں بلند ہو گئے۔ وہ ایک انوکھی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی اور میری سمجھ میں اس کے الفاظ نہیں آ رہے تھے لیکن اس کے بعد اچانک ہی میرے پورے وجود میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ ایک لمحے کا انتظار بچے کی موت کا سبب بن سکتا تھا۔ بعد میں کوئی مجھ سے کچھ نہ پوچھتا بلکہ شاید۔۔۔ صورتحال میرے حق میں بھی خراب ہو جاتی۔ میں نے ریوالور نکالا اور ایک فائر فضا میں کر دیا۔ گولی کی بھیانک آواز مندر میں اس طرح ابھری تھی جیسے ریوالور سے فائر نہ کیا گیا ہو بلکہ بم کا دھماکہ کیا گیا ہو۔ اور دوسرے لمحے گنگا دھر اور اس عورت کی چیخیں سنائی دی تھیں۔ انہوں نے مجسمے کے عقب میں چھلانگ لگا دی تو میں نے دوسرا فائر سامنے کی سمت کیا۔ دھماکا پھر گونجا اور اس کے ساتھ ہی بچہ لڑھک کر نیچے گر گیا۔ میں پھرتی سے آگے بھاگا اور مجسمے کے عقب میں پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ عقب میں ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔ میں برق رفتاری سے اس دروازے سے باہر نکلا۔ بہت دور انتہائی دور میں نے دو سایوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ بڑی تیز رفتاری سے دوڑ رہے تھے وہ اور اتنی دور نکل گئے تھے کہ اب ان میں سے کسی کو پکڑا نہیں جا سکتا تھا۔ حالانکہ ریوالور کی رینج میں تھے۔ میں چاہتا تو ان میں سے ایک کو زخمی یا ہلاک کر سکتا تھا لیکن یہ حد سے تجاوز کر جانے والی بات تھی۔ چنانچہ میں انہیں دیکھتا ہوا واپس آ گیا۔ بچے کی خبر گیری ضروری تھی۔ میں پھرتی سے بچے کے پاس پہنچا اور وہ زمین پر لیٹا ہوا تھا اور اس کی تیز تیز سانسیں چل رہی تھیں۔ یقینی طور پر فائر کی آواز سے وہ دہشت زدہ ہو کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ اب اس کے بعد یہاں رکنا انتہائی خطرناک تھا۔ میں نے بے ہوش بچے کو کندھے پر ڈالا۔ ایک ہاتھ مین ریوالور سنبھالا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ صورتحال کچھ اور ہے۔ کوئی بہت ہی بھیانک عمل کیا جا رہا ہے۔ میں اچانک ہی ایک عجیب و غریب صورتحال سے دو چار ہو گیا تھا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں بستی کے قریب پہنچا تو پوری بستی اس طرح خاموش پڑی ہوئی

تھی اور سارے کے سارے لوگ آرام کی گہری نیند سو رہے تھے۔ اب اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں---؟ سوائے اس کے کہ خلیل خان سے مدد لی جائے۔ بڑی سنگین صورتحال ہو گئی تھی۔ کیا کہتا اور کیا نہ کہتا---؟ کچھ دیر کے بعد میں خاموشی سے اندر داخل ہو گیا۔ خلیل خان اور بیگم خلیل خان گہری نیند سو رہے تھے۔ اس وقت ان لوگوں کو جگاؤں یا نہ جگاؤں۔ بچے کو میں نے اپنی چارپائی پر لٹا دیا اور دیر تک یہ بات سوچتا رہا پھر بحالت مجبوری میں اس جگہ داخل ہوا جہاں مجھے داخل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں نے انتہائی خاموشی سے خلیل خان کا شانہ ہلایا۔ وہ کچی نیند سوتا تھا ہڑبڑا کر اٹھا۔ چیخنا چاہتا تھا لیکن میں نے پھرتی سے اسے دبوچ کر ہاتھ رکھ دیا۔ خلیل خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب حیرت کے ساتھ ساتھ خوف کے آثار بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر سرگوشی کی---

"معافی چاہتا ہوں خلیل خان--- اس وقت تمہیں سوتے سے اس طرح جگایا اور تمہارے گھر کے اس حصے میں داخل ہوا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ بھابی کی یا شمشاد کی آنکھ کھلے۔ اب اپنے آپ کو سنبھالو اور ذرا ایک لمحے کے لئے اٹھ کر میرے ساتھ آؤ۔ کچھ ایسی صورتحال پیش آگئی ہے کہ مجھے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا۔" خلیل خان کی سمجھ میں بات آ گئی تھی۔ چنانچہ وہ گردن ہلانے لگا۔ تب میں نے اس کو چھوڑا۔ باہر آتے ہی اس نے کہا---

"کیا ہوا--- کیا بات ہے---؟ کوئی خطرہ ہو گیا ہے کیا---؟"

"خلیل خاں--- خود کو مکمل طور پر سنبھالو۔ اس وقت بات بہت سنگین ہو گئی ہے۔" میں نے کہا اور خلیل خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اچانک ہی اس کی نظر میری چارپائی پر پڑی اور وہ حیرت سے اچھل پڑا---

"یہ--- یہ کون ہے---؟"

یہ تم بتاؤ گے--- خلیل خان! کہ یہ کون ہے---؟" میں نے کہا اور خلیل خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا بچے کے قریب پہنچ گیا اور اس نے آہستہ سے کہا یہ تو یاسین علی کا بیٹا ہے۔"

"یاسین علی کون ہے---؟"

"بستی کا ایک آدمی ہے--- مگر بھیا فیروز---"

"خلیل خاں--- دیکھو--- یہ یہاں سے کافی فاصلے پر ایک مندر میں پڑا ہوا تھا۔ بے ہوش تھا۔ میں اسے وہاں سے اٹھا کر لایا ہوں۔"

"مندر میں۔"

"بہت دور--- بڑی بڑی جھاڑیوں کے دوسری طرف کالے رنگ کے مندر کی ایک عمارت ہے---"

"ہاں--- وہ تو ہے۔ کالی دیوی کا مندر کہلاتا ہے وہ---"

"یہ وہیں پڑا ہوا تھا اور کچھ لوگ اسے قربان کرنا چاہتے تھے۔"

"کیا کہہ رہے ہو بھیا۔"

"سچ کہہ رہا ہوں بھیا۔"

"ارے--- باپ رے باپ--- مگر تم ادھر کیوں چلے گئے تھے---؟"

"بس--- ایک خواب دیکھا تھا میں نے---"

"خواب---"

"ہاں---"

"تو پھر---"

"اس خواب میں مجھے کسی نے کہا تھا کہ اس مندر میں چلے جاؤ ایک بچہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کی زندگی بچانا ہے تمہیں---"

"تو بھیا--- تم چلے گئے---"

"ہاں۔"

"رات میں۔"

"ہاں بھائی--- رات میں---"

"اور ڈر نہیں لگا تمہیں---"

"نہیں---"

"اللہ--- اللہ--- یہ تو یوں سمجھو کہ اللہ نے اس بچے کی زندگی بچانے کے

لئے تمہیں فرشتہ بنا کر یہاں بھیجا---"

"تم یہ بتاؤ--- کہ یاسین کہاں رہتا ہے---؟"

"تھوڑے فاصلے پر ہے مگر اس بچے کو ہوا کیا ہے---؟"

"بے ہوش ہو گیا ہے---؟"

"اب کیا کریں---؟"

"دو ہی باتیں ہیں---"

"کیا---؟"

"یا تو خاموشی سے اسے اس کے گھر پہنچا دو اور کسی کو یہ مت بتاؤ کہ ہوا کیا ہے---؟ بچہ خود ہی اپنے باپ کو بتائے گا کہ کیا ہوا ہے---؟ دوسری بات یہ ہے کہ چودھری شہباز کو اس کی خبر دے دو---"

"ایک بات کہیں بھیا--- چودھری شہباز کو خبر دیں گے تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ دوست نہیں ہے وہ تمہارا۔ پسند نہیں کرتا تمہارا اس بستی میں آنا۔ کوئی الزام لگا دے گا تم پر اور بستی والوں کو بھی تمہارے خلاف کر دے گا---"

"تب تو ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے کہ بچے کو خاموشی کے ساتھ یاسین علی کے گھر میں پہنچا دیا جائے---"

"اور اگر وہاں کسی کی آنکھ کھل گئی تو---"

"دیکھا جائے گا۔ تم مجھے گھر بتا دو۔ یہ کام میں کر لوں گا---"

"نہیں--- ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ پھر نجانے کیسے کیسے جتن کر کے ہم نے بچے کو یاسین کے گھر کے احاطے کی دیوار کود کر اندر پہنچا دیا تھا اور ایک ایسے بستر پر لٹا دیا تھا جو یقینی طور پر اس بچے ہی کا بستر ہو سکتا تھا۔ یاسین اور اس کی بیوی اپنے دوسرے بچوں کے ساتھ یہاں جس انداز میں سو رہے تھے اسے دیکھ کر یہ پتا چلتا تھا کہ بچے کے اغوا کے بارے میں کسی کو اب تک معلوم نہیں ہے۔ بہرحال--- اس سنسنی خیز کام سے فارغ ہو کر ہم واپس لوٹے۔ میرے پورے بدن سے پسینہ پھوٹ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ ایسے--- میں تو اپنی ہی مشکل کا شکار ہو کر سنگل پور پہنچا تھا یہ نئی کہانی میری اس کہانی میں کیسے شامل ہو گئی---؟ خلیل

خان دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر بولا---

"بھیا--- اگر نیند آ رہی ہے تو سو جاؤ---"

"میاں--- ہماری تو راتوں کی نیند اڑ گئی۔ دیکھو کیا ہوتا ہے---؟" یاسین علی کا بیٹا اپنے ماں باپ کو کیا بتاتا ہے---؟ اللہ ہی بہتر جانے۔" پھر خلیل خان تو اپنے کمرے میں سونے چلا گیا اور میں اپنی چارپائی پر آ کر لیٹ گیا تھا اور ظاہر ہے جن واقعات سے گزر چکا تھا اس کے بعد نیند تو کیا ہی آتی ذہن اس پرانے مندر میں کھویا ہوا تھا۔ وہ لمبی تڑنگی عورت جو کالا لباس پہنے ہوئی تھی اور وہ مرد جس کا نام گنگا دھر لیا گیا تھا بس سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون تھے وہ---؟ زندہ وجود تھے یا حویلی حیدر شاہ میں ملنے والی روحوں کی طرح وہ بھی بد روحیں تھیں۔ خدارا کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔ بدروحوں کے علاوہ زندگی میں اور کچھ رہ ہی نہیں گیا ہے۔ آنکھوں میں ایک نیم غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور اب شاید آنکھ لگ گئی تھی۔

مشکل سے آدھا گھنٹہ ہی سویا ہوں گا کہ اچانک ہی مجھے اپنے سینے پر ایک بوجھ کا سا احساس ہوا کیونکہ نئی نئی نیند تھی احساس تو بے شک ہوا تھا لیکن آنکھ نہ کھلی اور اس کے بعد یہ بوجھ مجھے اپنے سینے سے گردن کی طرف سرکتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر--- کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میری گردن پر کوئی ایسی چیز آ چپکی ہو جو کانٹا دار ہو۔ جب تکلیف کی چبھن بڑھی تو اچانک ہی میں نے خوف سے آنکھیں کھول دیں اور اس وقت میں نے جو کچھ دیکھا میرے خدا--- میری زندگی کا سب سے بھیانک منظر تھا۔ وہ ایک چھپکلی ہی تھی۔ لیکن اس کا قد تین فٹ سے کچھ زیادہ ہی ہو گا۔ اس کے اگلے پنجے میری گردن پر جمے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں--- عین میری آنکھوں کے سامنے تھیں اور ان میں خون جیسی چمک تھی۔ یہ سرخ چمک مجھے گھور رہی تھی اور میری زبان تالو سے باہر ابھری جا رہی تھی۔ میں نے چیخنا چاہا لیکن پنجوں کی گرفت میری گردن پر اتنی سخت تھی کہ میری آواز تک نہ نکل سکی۔ اچانک ہی میرے پورے حواس جاگ گئے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس چھپکلی کو پکڑا اور پوری قوت سے اس کو اپنے آپ سے جدا کرنے کی پوری کوشش کرنے لگا۔ میرے جسم میں اس وقت اسی مرتے ہوئے آدمی جیسی قوت تھی جو آخری

وقت میں زندگی بچانے کے لئے زور لگاتا ہے اور اس کی قوت لاکھوں بڑھ جاتی ہے۔ میں نے چھپکلی کے پنجوں کو اپنی گردن پر ہلکا ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ اس کا لجلجا بدن میری گرفت میں تھا اور میں وحشیانہ قوت کے ساتھ اسے اپنے آپ سے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ میری طاقت کے سامنے زیر ہو گئی اور میں نے پوری قوت سے اسے گھما کر زمین پر دے مارا۔ زور دار آواز ہوئی تھی اور وہ دیوار سے پھسل کر زمین پر آئی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرا ریوالور اس وقت بھی میرے لباس کے اندر موجود تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں ریوالور نکالتا وہ ہولناک چھپکلی برق رفتاری سے باہر کی سمت بھاگی اور دیکھتے ہی دیکھتے دروازے سے باہر نکل گئی۔ میری گردن پر زخم کا نشان پڑ گیا تھا۔ چھپکلی کے فولادی پنجوں نے میری گردن زخمی کر دی تھی۔ پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ ریوالور نکال کر اس کا تعاقب کروں لیکن بدن کچھ اس طرح بے جان ہو رہا تھا کہ میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا اور بے بسی سے پلنگ پر بیٹھا رہ گیا۔ آہ--- میرے خدا-- جان بچ گئی تھی۔ میری--- لیکن--- لیکن وہ چھپکلی--- آخر یہ ہے کیا بلا---؟ پھر ایک دم مجھے اپنے بدن میں ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ میں نے سوچا کہ وہ ڈائری جس پر چھپکلی بنی ہوئی ہے ساری مصیبتوں کا باعث ہے۔ اگر اسے نکال کر پھینک دوں تو شاید ان حالات سے چھٹکارا مل جائے۔ میں اپنی جگہ سے بمشکل تمام ہمت کر کے اٹھا۔ لالٹین جلائی اس طرف کا علاقہ پوری طرح میری تحویل میں تھا اور خلیل خان اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ دیوار کے دوسری طرف سوتا تھا۔ اس طرف میری علاقہ تھا چنانچہ مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں نے کھلے ہوئے دروازے کو بند کیا۔ جو نجانے کس وقت کھل گیا تھا---؟ میں نے اس کے بعد آئینے میں اپنی گردن دیکھی۔ پنجوں کے نشانات صاف واضح تھے اور ان سے خون چھلک رہا تھا۔ جلن بھی ہو رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نہ مل سکا۔ میں نے اپنی جیب سے رومال نکالا۔ اسے پانی میں ڈبویا اور اپنی گردن پر باندھ لیا۔ جلن اب بھی ہو رہی تھی لیکن میں نے اسے برداشت کیا اور پھر میں نے ہمت کر کے ڈائری نکالی اور اسے لالٹین کے سامنے کر کے دیکھنے لگا۔ میرے دل میں اس ڈائری کے لئے نفرت کا احساس بھی تھا لیکن ڈائری کے اوراق کھول کر جو کچھ اس

میں دیکھا اس سے نفرت کے ساتھ ساتھ حیرت کا غلبہ بھی طاری کر دیا۔ اس وقت ڈائری کے کسی بھی ورق پر چھپکلی کی تصویر موجود نہیں تھی۔ آہ--- میرے خدا--- کیا کروں اس منحوس ڈائری کا--؟ آگ میں ڈال کر اسے خاکستر کر دوں مجھے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ڈائری کے اوراق پر نظر آنے والی چھپکلی ایک جاندار وجود ہے۔ جو کبھی کتاب کا نقش بن جاتی ہے اور کبھی متحرک ہو جاتی ہے۔ وہ یقینی طور پر کوئی ایسی بھیانک چڑیل ہے جو مجھے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ یہ سارا طلسمی ماحول--- اس طلسمی ماحول کے کردار ناقابل یقین حیثیت کے مالک تھے لیکن بھلا میری جگہ اگر آپ ہوں تو مجھے بتایئے کہ کیا ان باتوں کو ناقابل یقین کہا جا سکتا ہے؟ کوئی دیوانہ بھی انہیں ناقابل یقین نہیں کہے گا' پھر مجھ پر تو جو کچھ بیت رہی تھی میرا دل ہی جانتا تھا۔ غرضیکہ میں دیر تک اس ڈائری کو دیکھتا رہا اور پھر اپنے اسی عزم کے تحت میں نے کہا---

"حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہو جائیں مجھے کتنی ہی مشکلوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے منحوس چھپکلی میں تیرا راز جان کر ہی رہوں گا' کب تک میرے ہاتھوں سے بچے گی' کب تک چھپے گی' پھر میں نے ڈائری کو بند کر کے واپس اپنے لباس میں رکھ لیا' ریوالور چیک کیا اور اسے تکیے کے نیچے رکھ کر اپنا ایک ہاتھ تکیے کے نیچے ہی رکھ لیا' لالٹین بجھا دی تھی۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اور بستر پر لیٹ گیا تھا لیکن اب اتنا بھی مدہوش انسان نہیں تھا کہ دوبارہ سو جاتا۔

ساری رات جاگتا رہا تھا اور دل میں نجانے کیا کیا خیالات ابھرتے رہے تھے۔ خلیل خاں عام طور پر صبح کو ہی جاگ جاتا تھا اور اپنے ہوٹل کے کاموں کی تیاریاں کرنے لگتا تھا۔ میں منہ ہاتھ دھو کر اس کے پاس پہنچ گیا تو خلیل خاں نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولا---"

"ارے فیروز بھیا آج تو بڑی جلدی جاگ گئے---؟"

"ہاں--- بس آنکھ کھل گئی---"

"آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں---"

"ہاں---"

"کیا رات کو نیند نہیں آئی---؟"

“نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے---”

“اگر ہے بھیا تو ہمیں بتاؤ---؟”

“کیا مطلب ہے تمہارا خلیل خان---؟”

“دیکھو بھیا انسان تو انسان ہی ہوتا ہے نا' ایک ڈائن آزاد پھر رہی ہے' تم باہر کے حصے میں ہو ارے بھیا کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے اندر سو جایا کرو تمہارا گھر ہے بھابھی ہے تمہاری بیٹا ہے ہمیں تم پر پورا پورا بھروسہ ہے---”

میں ہنسنے لگا۔ میں نے کہا---

“تمہارا کیا خیال ہے خلیل خاں میں باہر سونے سے ڈرتا ہوں---”

“بھیا یہی تو ہم کہہ رہے تھے---”

“کیا کہہ رہے تھے---؟”

“یہی کہ انسان تو انسان ہی ہے ڈر تو ہر سینے میں ہوتا ہے---”

“مگر میں نہیں ڈرتا---”

“پتہ نہیں وہ گندی پلید کہاں جا کر چھپ گئی ہے' ویسے ہمارا تو خیال ہے بھیا اب تو بے چارے ہیرا لال کو بھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔”

“رنگوتری کی بات کر رہے ہو---؟”

“تو اور کیا---؟”

“تمہارا کیا خیال ہے خلیل خاں ان واقعات کے پیچھے رنگوتری ہی ہے---”

“تو پھر---؟”

“میرا کچھ اور خیال ہے---”

“کیا مطلب---؟”

“میرا خیال ہے رنگوتری بالکل بے گناہ ہے---”

“بے گناہ ہے---؟”

“ہاں---”

“مگر بھیا---”

“نہیں' خلیل خاں انسان کی آنکھ بہت کمزور ہوتی ہے' کبھی کبھی عقل بھی ساتھ

چھوڑ جاتی ہے' حالات جو کچھ بتا رہے ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رنگوتری بیچاری ایک پاگل عورت ہے اور اپنے پاگل پن کی حرکتوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ڈائن ہے---”

“مگر بھیا ایک بات بتاؤ---؟”

“ہاں پوچھو---”

“تم نے تو خود اسے دیکھا ہے---”

“میں نے تو پہلے بھی کہا ہے---”

“کیا---؟”

“یہی کہ میں نے اسے جس عالم میں دیکھا تھا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ رنگوتری ہی اس بچے کا کلیجہ نکال کر کھا رہی تھی---”

“پھر---”

“وہ صرف بیٹھی ہوئی تھی---”

“مگر کیوں---؟”

“دیکھو تم ایک سیدھے سادھے انسان ہو انسانی نفسیات کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے' وہ بے اولاد ہے نا---؟”

“ہاں---”

“اور جو کچھ ہیرا لال نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے وہ کچھ اور ہی ہے---”

“کیا---؟”

“وہ ایک ایسے گھر میں تھی جہاں اس کا کوئی نہیں تھا---”

“ہاں ہم نے بھی سنا ہے---”

“اور اس کی دیوانگی بہت حقیقی ہے---”

“بھیا ہم ان باتوں کو تو نہیں جانتے---”

“میرا یہ خیال ہے خلیل خاں کہ رنگوتری بے گناہ ہے' پاگل پن میں اس بچے کی لاش کے پاس جا بیٹھی ہو گی اور اسے کریدنے لگی ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ اس کا کلیجہ

اس کے سینے میں واپس رکھنا چاہتی ہو' عورت کی نفسیات یہی ہوتی ہے وہ ہر حال میں ایک ماں ہوتی ہے۔ مامتا بھری پاگل تھی' چنانچہ اس نے بچے کی لاش کو دیکھ کر افسوس بھرے انداز میں اس کے بدن کو سینے کی کوشش کی ہو گی۔۔۔"

"ارے بھیا عجیب باتیں کر رہے ہو۔۔۔"

"عجیب نہیں ہے خلیل خاں۔۔۔"

"تو پھر۔۔۔"

"میں سچائی کی بات کر رہا ہوں۔۔۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال ٹھیک ہو اگر ایسی بات ہے بھیا تو پھر ڈائن کون ہے؟ یہ تو تم نے اور خوف کی بات کر دی۔ تمہیں پتہ ہے تمہاری بھابھی پہلے ہی بہت پریشان ہے اور آج کیا کہہ رہی ہے۔۔۔"

"کیا کہہ رہی ہے بھابی۔۔۔"

"کہہ رہی ہے کہ دو چار مہینے کے لئے اسے میکے بھیج دو۔۔۔"

"ادھو کیوں۔۔۔؟"

"بھیا شمشاد بھی ہمارا اکلوتا بیٹا ہے اور یہاں سنگل پور میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا تمہیں پورا پورا اندازہ ہے۔۔۔"

"ہاں تو پھر۔۔۔"

"وہ کہہ رہی ہے کہ بچے کو لیکر چلی جاتی ہے جب رنگوتری پکڑی جائے۔۔۔ مار دی جائے تو میں اسے بلا لوں۔۔۔"

"خیر اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"ارے بھیا بڑا حرج ہے۔۔۔"

"کیوں۔۔؟"

"ہمارا ہوٹل بند ہو جائے گا۔۔۔"

"وہ کیوں۔۔۔؟"

"ساری چیزیں وہی تو اندر پکاتی ہے اور ہم اسے بیچتے ہیں۔۔"

"ہوں' بات تو ٹھیک ہے تو پھر تم روکو بھابی کو۔۔۔"

"بس دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ نہ کرے ہمارے شمشاد کو کچھ ہو گیا تو صورتحال خراب ہو جائے گی۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک تصور پیدا ہوا تھا لیکن اس وقت اس کا تذکرہ کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے البتہ کہا۔۔۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔۔۔؟"

"ہاں پوچھو۔۔۔؟"

"بھیج رہے ہو بھابھی کو میکے۔۔۔"

"کوشش تو کریں گے نہ جائے' پہرہ ذرا سخت کر دیں گے ویسے دروازے وغیرہ مضبوطی سے بند کر کے سوتے ہیں اور پھر بھیا تم یہاں سے ابھی نہ جانا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری دو روٹی ہم پر بھاری پڑ رہی ہیں تو تم نے خود ہمیں اپنی کھانے پینے کی چیزوں کا معاوضہ ادا کر دیا ہے اب ہمارا تم پر کون سا احسان ہے۔۔۔"

"ایسی باتیں نہیں کرتے خلیل خاں۔۔۔"

"دیا تو ہے تم نے بھیا ہمیں۔۔۔"

"وہ ٹھیک ہے' وہ ایک دوستی کا حساب ہے اس میں لین دین کا کوئی چکر نہیں ہے۔۔۔"

"یہ تمہاری بڑائی ہے فیروز بھیا۔۔۔"

"ہم بات کر رہے تھے رنگوتری کی' میں دعوے سے کہتا ہوں خلیل خاں کے اس سلسلے میں رنگوتری کا ہاتھ نہیں ہے۔۔۔"

"تو پھر۔۔۔؟"

"کوئی نہ کوئی ہے اچھا ایک بات بتاؤ۔۔۔؟"

"ہاں پوچھو۔۔۔؟"

"گنگا دھر کون ہے۔۔۔؟"

"کیا۔۔۔؟"

"گنگا دھر کون ہے۔۔۔؟" میں نے کہا اور خلیل خاں میری صورت دیکھنے لگا' دیر تک سوچتا رہا۔۔۔ پھر اس نے کہا۔

"گنگا دھر تو بس ایک ہی چودھری شہباز کا ملازم ہے' اصل میں وہ پہلوان ہے'

پہلوانی کرتا ہے، کشتی بھی لڑتا ہے جگہ جگہ جا کر۔ اس نے بڑا نام روشن کر رکھا ہے، چودھری شہباز اسے اچھی خاصی رقم دیتا ہے، مگر تم نے اس کے بارے میں کیوں پوچھا۔۔۔؟"

"یونہی بس میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ یہاں جتنے جتنے طاقتور آدمی ہیں انہیں اگر پہرے پر رکھا جائے تو کیسا رہے گا۔۔۔"

"چودھری شہباز سے بات کرنی ہوگی بھیا۔۔۔"

"کرلیں گے اس سے بات۔" مگر ایک بات سنو۔۔۔؟

"ہاں کہو۔۔۔؟"

"گنگا دھر کا نام کبھی تم اپنی زبان پر مت لانا۔۔۔"

"کوئی خاص وجہ ہے اس کی۔۔۔؟"

"ہاں۔۔"

"ٹھیک ہے ہم وجہ بھی نہیں پوچھیں گے اور نام بھی زبان پر نہیں لائیں گے۔ پر تم نے ہمارے دل میں ایک شبہ پیدا کر دیا ہے۔۔۔؟"

"کیسا شبہ۔۔۔؟"

"گنگا دھر کے نام لینے کی کوئی خاص وجہ تو نہیں ہے۔۔۔؟"

"ارے بھائی میں کوئی ولی یا درویش تھوڑی ہوں، بس ایسے ہی یہ نام میرے ذہن میں آیا تھا کسی نے کسی کو یہ نام لیکر پکارا تھا تو میں نے پوچھ لیا۔۔۔"

"کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔۔۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ رنگوتری غائب ہوگئی ہے لیکن جیسا کہ میرا خیال ہے۔۔۔ وہ جھوٹ بھی ہو سکتا ہے، میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں کوئی ولی یا درویش نہیں ہوں لیکن میرے دل میں ایک خیال ہے کہ تھوڑی سی تحقیقات کرلی جائے، تھوڑا سا جائزہ لے لیا جائے، مگر اس کے لئے ہمیں کچھ لوگوں کی ضرورت ہوگی۔۔۔"

"کس کام کے لئے۔۔۔؟"

"یہی کہ اصل ڈائن کو تلاش کرکے ہم اسے کیفر کردار تک پہنچائیں۔"

"اس سلسلے میں ایک بات کہوں بھیا۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔"

"رمضان سے بات کرتے ہیں۔۔۔"

"رمضان سے۔۔۔"

"ارے وہی جو تمہیں سب سے پہلے ملا تھا۔۔۔"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں شعبان کا بھائی۔۔۔"

"ہاں، وہ بڑا جوش میں ہے، بھیا ویسے تو ان کے گھر کا چراغ بجھ گیا ہے، تاریکی پھیل گئی ہے چاروں طرف، شاید تمہیں اس بات کا پتہ ہو کہ شعبان بھی بیچارہ چارپائی سے لگ گیا ہے، اکلوتا بیٹا تھا زندگی کھو بیٹھا، ماں باپ تو ماں باپ ہی ہوتے ہیں مگر رمضان بھی اس بچے کو بہت چاہتا تھا، خاندان کی آنکھ کا تارا تھا، رمضان تو کہتا ہے کہ ساری بستی کو آگ لگا دے، اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ اس کے بھتیجے کا قاتل کون ہے۔۔۔؟"

"رمضان کو آج بلا لینا۔۔۔"

"ابھی آئے گا تھوڑی دیر کے بعد۔۔۔"

"بس ٹھیک ہے میں اس کا انتظار کروں گا، منہ ہاتھ دھو لیتا ہوں، مجھے ناشتہ دو۔۔۔"

"ابھی لو بھیا ابھی تیار کرتے ہیں، خلیل خاں نے کہا اور اس کے بعد میں منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔۔۔ ناشتہ کرکے فارغ ہی ہوا تھا کہ رمضان خاں آگیا، شاید خلیل خاں کے پاس روزانہ ہی آتا تھا۔ اچھا ہٹا کٹا جوان تھا چہرے سے پرجوش بھی معلوم ہوتا تھا، خلیل خاں نے کہا۔۔۔"

"لو رمضان بھیا آ گئے۔۔۔" رمضان نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔۔۔

"کیوں کوئی خاص بات ہے کیا۔۔۔؟"

"فیروز بھائی تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔۔۔"

"ہاں فیروز بھائی آپ کے آنے سے بستی میں رونق ہوگئی ہے یا پھر ہمیں لگتی

ہے‘ حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ ہمارا دل تو ویران ہو گیا ہے‘ سوچو گے تو سہی فیروز بھیا کہ چاچا ہو کر بہت زیادہ محبت کا مظاہرہ کر رہا ہے مگر تمہیں نہیں معلوم کتنا اچھا بچہ تھا بس یوں سمجھ لو جان تھا ہمارے پورے گھر کی۔ جان نکل گئی ہے بھیا ہمارے گھر کی—— بڑے بھیا بھابھی کو دیکھتے ہیں تو یقین کرو دل چاہتا ہے کہ بستی چھوڑ کر کہیں بھاگ جائیں بس آنسوؤں کا گھر بن کر رہ گئے ہیں وہ‘ ہمارے گھر سے تو خوشیاں ایسے چلی گئیں جیسے کوئی خوشیوں کو چھین لیتا ہے‘ بس اللہ کی مرضی‘ پتہ نہیں کیا غلطی ہو گئی تھی ہم سے‘ جس کی ہمیں یہ سزا ملی——"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہارا غم بالکل سچا ہے لیکن رمضان کیا تم نے اپنے بھتیجے کے قاتلوں کو معاف کر دیا۔ میں نے کہا اور رمضان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا——"

"خدا قسم فیروز بھیا ایک بار پتہ چل جائے کہ وہ حرام کی جنی کہاں چھپی ہوئی ہے ٹانگیں چیر کر نہ پھینک دیں ہم اس کی تو ہمارا نام بھی رمضان نہیں ہے——"

"رنگوتری کی بات کر رہے ہو——؟"

"ہاں—— ہمارا دل تو چاہتا ہے ہم ہیرا لال کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیں وہی اس بستی میں اس مصیبت کو لے کر آیا تھا—— خلیل خاں نے کہا——"

"ایک بات تو سن لو رمضان بھیا——"

"کیا بات سن لوں——"

"رمضان وہ بیچارہ تو ویسے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا ہے۔ تم لوگ کیسے ہو ایک ایسے شخص کو جس کا اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے اس کی جان کے دشمن ہو گئے ہو‘ رمضان نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بولا——"

"لایا تو وہی تھا رنگوتری کو——"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کیا تم میں سے کسی نے رنگوتری کو کسی بچے کا کلیجہ نکال کر کھاتے ہوئے دیکھا ہے——؟"

"تو اس دن اور کیا ہوا تھا تم نے تو دیکھا تھا——"

"میں تو آج بھی یہی کہتا ہوں کہ رنگوتری اس کا کلیجہ نہیں کھا رہی تھی بلکہ"

لاش کے پاس بیٹھی ہوئی تھی——"

"مطلب——؟"

"مطلب یہ کہ ڈائن رنگوتری نہیں ہے——"

"ایں‘ رمضان خاں کا منہ حیرت سے کھل گیا——"

"ہاں——"

"کیا کہہ رہے ہیں فیروز بھیا‘ رمضان نے خلیل خاں سے کہا——"

"مجھ سے بھی یہی کہہ چکے ہیں——"

"مگر کیوں——؟"

"اس لئے کہ عدالت بھی جب تک ثبوت نہیں دیکھتی مجرم کو سزا نہیں دیتی رمضان——"

"تو ثبوت اور بھی چاہئے——"

"ہاں ثبوت اور چاہئے۔"

"تم تو عجیب بات کر رہے ہو فیروز بھیا——"

"بری تو لگ رہی ہو گی میری بات لیکن جو کہہ رہا ہوں سچ ہے——"

"تمہارا مطلب ہے کہ رنگوتری——"

"ہاں——"

"رنگوتری ڈائن نہیں ہے——"

"نہیں۔"

"پورے اعتماد سے کہہ رہے ہو——؟"

"ہاں——"

"تو پھر ڈائن کون ہے——؟"

"ڈائن تلاش کرنی پڑے گی——"

"کہاں——؟"

"یہیں اپنی بستی میں——"

"مطلب یہ ہے کہ کوئی اور ڈائن ہے——"

"ہاں---"

"جنگلوں میں رہتی ہے---؟"

"نہیں---"

"مطلب---؟"

"آبادیوں ہی میں رہتی ہے---"

"بھیا تم نے تو ہماری کھوپڑی گھما کر رکھ دی ہے---"

"خود میری بھی کھوپڑی گھوم چکی ہے۔ رمضان خاں اور میں ثابت کر کے رہوں گا کہ رنگوتری ڈائن نہیں ہے---" بلکہ ڈائن کوئی اور ہی ہے جس کی طرف تمہاری نگاہ نہیں اٹھ رہی---"

"تمہارے دل میں کوئی بات ہے---"

"بالکل نہیں' دل کی بات تو تم بھی کہہ رہے ہو' تمہارا دل بھی تو کہہ رہا ہے کہ رنگوتری ڈائن ہے--- میرا دل کہہ رہا ہے کہ رنگوتری ڈائن نہیں ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی تم سے کہا کہ کوئی بھی عدالت دل کی بات نہیں مانتی جب تک کے ٹھوس ثبوت نہ ہوں اور ٹھوس ثبوت رنگوتری کے بارے میں بھی نہیں ہیں تمہارے پاس---"

بات رمضان خاں کی سمجھ میں آ رہی تھی اس نے خلیل خاں کی طرف دیکھا اور خلیل خاں مسکرا کر بولا---

"شہری بابو ہیں بھیا سنگل پور کے رہنے والے نہیں ہیں جن کی عقل چھوٹی ہوتی ہے---"

"وہ تو ساری باتیں ٹھیک ہے مگر فیروز بھیا ایک بات بتاؤ---" پھر ہم ڈائن کو کہاں تلاش کریں گے--- کیا تم اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر سکتے ہو---؟"

"اب تم نے ڈھنگ کی بات کی ہے رمضان---"

"مطلب---؟"

"مطلب صرف یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ مل کر ڈائن کو تلاش کروں گا اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے---"

"بھیا سو مرتبہ جان مانگو گے تو دے دیں گے---"

"جان نہیں مانگو گا بلکہ ہم سب مل کر اس ڈائن کی جان لیں گے---"

"سب سے آگے رمضان ہو گا' رمضان نے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کم از کم چار پانچ آدمی ایسے تیار کر لو جو خفیہ طور پر ہمارا ساتھ دیں لیکن خفیہ طور پر یہ بات ذہن میں رکھیں کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے۔

"پرواہ ہی نہ کریں بھیا میرے اپنے ساتھی ہیں ایک سے ایک ہٹا کٹا' کہو گے تو لاٹھیاں مار مار کر درخت گرا دیں گے' ایسے ساتھی ہیں میرے پاس---"

"کتنے ہیں---؟"

"پانچ---"

"چھٹے تم ہو---؟"

"ہاں---"

"ساتواں میں ہوں---"

"اور آٹھواں میں ہوں' خلیل خاں نے کہا---"

"خلیل خاں تم سے تو مجھے بڑی مدد کی ضرورت پیش آئے گی---"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔ میرے ذہن میں ایک خیال پرورش پا رہا تھا اور اب اتنے سارے لوگوں کے اکٹھے ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس خیال کو عملی جامہ پہنا سکوں گا' بہرحال یہ صرف ایک خیال تھا میں نے دل میں سوچا تھا کہ اگر یہ خیال غلط ثابت ہوا تو خاموشی سے اس علاقے سے نکل بھاگوں گا میرا کون سا گھر ہے یہاں' لیکن بہرحال یہ خیال مضبوطی سے میرے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

○

رمضان سے باتیں کرنے کے بعد بڑی ہمت ہو گئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس کھیل کے سلسلے میں سب سے اہم جگہ وہی پرانا مندر ہے جہاں سے میں اس بچے کو بچا کر لایا تھا۔ ویسے اس سلسلے کو میں نے بالکل خاموش ہی چھوڑ دیا تھا اور میری ہمت نہیں پڑی تھی کہ دوبارہ ادھر جا کر اس بچے کے بارے میں تفصیلات معلوم کروں لیکن پھر بھی رمضان کے جانے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ اس طرف سے کم از کم گزر کر ہی دیکھوں کہ صورتحال کیا ہے---؟ بہرحال تیاری کرنے کے بعد نکل آیا اور ٹہلنے والے انداز میں اس علاقے کی جانب چل پڑا جہاں بچے کو اس کے گھر پر چھوڑا تھا۔ گھر کے سامنے سے گزرا تو دروازے پر تالا لگا ہوا تھا کوئی گھر میں موجود نہیں تھا۔ یونہی دل میں کرید پیدا ہوئی تو گھر کے سامنے ایک چھوٹی سی پرچون کی دکان پر رک کر میں نے اس گھر کے مکینوں کے بارے میں پوچھا۔ دکاندار نے بتایا کہ یہ لوگ کسی دوسرے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ زیادہ تفصیل پتا نہیں چل سکی تھی۔ صبح ہی صبح ان لوگوں کا گھر سے نکل جانا اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ صورتحال معلوم کر کے وہ خاموشی سے گھر سے چلے گئے اور کیا کرتے بچارے---؟ ایک طرف خلیل خان کی بیوی اپنے بچے کو لے کر نکل جانے کی بات کر رہی تھی تو دوسری طرف سے باقی لوگ بھی یہی سوچ رہے ہوں گے۔ ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ بستی پر مصیبت نازل ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ پوری بستی ہی خالی ہو جائے گی۔ یہ سارا چکر اسی انداز میں چلتا رہا تو اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے---؟ ٹہلتا ہوا بستی کے آخری سرے تک نکل آیا۔ کافی فاصلے پر ایک خوبصورت باغ نظر آ رہا تھا۔ اس طرف پہلی بار آیا تھا۔ باغ کو دیکھ کر دل چاہا کہ اس طرف جاؤں۔ چنانچہ--- آہستہ آہستہ چلتا ہوا باغ کے کنارے پہنچ گیا۔ ایک درخت کے نیچے ایک بوڑھا فقیر بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں

بھیک دینے والے کیا آتے ہیں؟ میں نے دل میں سوچا--- میلا کچیلا فقیر گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا اور میں نے کہا---

"بابا صاحب--- یہاں کیسے بیٹھے ہوئے ہیں---؟"

"بس--- انتظار کر رہا ہوں۔ اچھے وقت کا--- اچھے دنوں کا۔" میں نے حیرانی سے بوڑھے فقیر کو دیکھا اور کہا---

"آپ کے لئے اچھے وقت کا تصور کیا ہے---؟ بابا صاحب---"

"اچھے وقت کا تصور اچھے کام کرنا' برائی سے لوگوں کو روکو۔"

"یہ بھی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اصل میں--- میں چاہتا ہوں بابا صاحب! کہ اچھے دنوں کے بارے میں معلوم کروں۔ اچھے دن کیسے ہوتے ہیں---؟"

"جاؤ--- جاؤ--- اپنا کام کرو۔ فقیر نے غصیلے لہجے میں کہا---"

"بابا صاحب--- کچھ لے کر ہی جاؤں گا۔ آپ میرے بزرگ ہیں اور بزرگ بچوں کی ضد پوری کرتے ہیں---"

"زبردستی--- ایسے ہی۔" بزرگ بچوں کی ضد پوری کرتے ہیں۔

"کچھ بھی ہو--- بابا صاحب! آپ کو مجھے کچھ دینا ہی پڑے گا---"

"ارے بابا--- پھر میں ہی چلا جاتا ہوں کیا دوں تمہیں---؟ لو یہ رکھ لو۔ بزرگ نے اپنے گلے سے چاندی کا ایک تعویذ میرے حوالے کر دیا اور میں نے بڑے احترام سے وہ تعویذ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بوڑھا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا---

"لیجئے بابا جی! آپ بھی راستے کے سفر کے لئے کچھ رکھ لیجئے۔ میں نے کچھ اخروٹ نکال کر اسے دیئے اور اس نے وہ اخروٹ مٹھی میں پکڑ لئے۔ پھر وہ قہقہے لگاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ چاندی کے اس تعویذ کو میں نے بڑے احترام سے چوما۔ اس کے ایک سمت کا سرا کھلا ہوا تھا۔ میں نے اس کھلے ہوئے حصے کو دیکھا اور اس کا احترام میرے دل میں لاکھ گنا بڑھ گیا۔ بہت ہی چھوٹی شکل میں چھپا ہوا کلام پاک کا نسخہ تھا۔ ایسے کلام پاک کے نسخے کچھ جگہوں پر دستیاب ہو جاتے ہیں۔ بہرحال--- اس سے بڑی چیز اور کیا ہو سکتی تھی۔ میں نے اسے احترام سے اپنے کوٹ کے لباس میں

رکھ لیا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بوڑھا فقیر میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا اور کافی دور نکل گیا تھا۔ اب اس کا مدھم سا ہیولا مجھے نظر آ رہا تھا لیکن پھر--- گھنٹیوں کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو دور سے ایک بگھی چلی آ رہی تھی۔ پہلے اس بستی میں میں نے کوئی بگھی نہیں دیکھی تھی۔ راستہ بھی کچا اور ناہموار تھا۔ بگھی اسی راستے سے گزر کر باغ کی طرف آ رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اسی سمت آ رہی ہے۔ میں ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن بگھی جب میرے قریب سے گزری تو میں نے یہ دیکھا کہ چوہدری شہباز اس میں سوار ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بیگم بھی بیٹھی ہوئی ہے۔ چوہدری شہباز نے مجھے دیکھ لیا تھا چنانچہ اس نے کوچوان سے بگھی روکنے کے لئے کہا اور کوچوان نے بگھی روک دی تو چودھری شہباز جھانک کر بولا---

"ادھر آؤ---" اس شخص کا انداز ہمیشہ ایک جیسا ہی ہوتا تھا۔ غرور نے اس سے اس کی زبان کی چاشنی چھین لی تھی اور وہ اتنا ہی کھردا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اسے سلام کیا تو کمبخت نے حسب معمول پھر جواب نہیں دیا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تو وہ بولا۔

"یہاں کہاں پھر رہے ہو---؟"

"بس--- ایسے ہی چوہدری صاحب! گھومنے پھرنے نکل آیا تھا---"

"کتنے عرصے یہاں رہو گے---"

"چوہدری صاحب! اگر آپ کو میرا یہاں رہنا ناگوار گزرتا ہے تو آپ حکم دیجئے آپ کی بستی ہے واپس چلا جاؤں---"

"نہیں--- مجھے کیوں ناگوار گزرے گا---؟ میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ اچانک ہی میری نگاہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت پر پڑی۔ عورت کی سرخ سرخ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ میں نے اسے دیکھا اور نجانے کیوں میرے ذہن کو ایک شدید سا جھٹکا لگا---؟ یہ آنکھیں--- یہ آنکھیں تو میری شناسا تھیں۔ میں نے پہلے بھی انہیں دیکھا تھا۔ باہر کو ابلتی ہوئی سرخ سرخ خوفناک آنکھیں جن میں ذرہ برابر کوئی کشش نہیں تھی بلکہ ایک عجیب سی خونی کیفیت تھی۔ دفعتاً" ہی میرا پورا بدن

لرز کر رہ گیا۔ آہ--- یہ آنکھیں--- یہ آنکھیں تو میں نے گزری ہوئی رات میں دیکھی تھیں۔ اس وقت جب چھپکلی میرے سینے پر سوار تھی اور اس کا چہرہ میرے مدمقابل تھا۔ وہ چہرہ تو بے شک اس عورت کا نہیں تھا لیکن یہ آنکھیں--- آنکھیں وہی تھیں۔ میرا بدن کانپ کر رہ گیا اور چوہدری شہباز نے کوچوان سے کہا---

"چلو--- آگے چلو۔" کوچوان نے بگھی آگے بڑھا دی تھی لیکن میں اپنی جگہ پتھرایا ہوا کھڑا یہی سوچ رہا تھا کہ اس عورت کی آنکھیں--- اس عورت کی آنکھیں--- کچھ دیر تک میں اسی طرح پتھرایا ہوا کھڑا رہا پھر یہ سوچ کر وہاں سے چل پڑا کہ کہیں چوہدری کو اس بات پر اختلاف نہ ہو اور ایک نئی مشکل کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن اب طبیعت پر کچھ ایسی وحشت سوار ہو گئی تھی کہ سیدھا خلیل خان کے ہوٹل پہنچا۔ ہوٹل میں تین چار گاہک بیٹھے ہوئے تھے اور خلیل خاں انہیں نمٹا رہا تھا۔ میں خود بھی ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ خلیل خاں گاہکوں سے فارغ ہو گیا تو میں نے اس سے کہا---

"کیا ہو رہا ہے---؟ خلیل خاں---"

"کچھ نہیں-- کھانا کھاؤ گے---"

"ابھی کہاں-- ناشتہ کئے ہوئے بھی تو بہت دیر نہیں گزری---"

"جوان آدمی ہو--- بھوک تو تھوڑا بہت گھومنے پھرنے سے ہی لگ جاتی ہے۔"

"اور کوئی کام نہ ہو تو میرے پاس بیٹھو۔" خلیل خاں میرے پاس بیٹھ گیا--

"خلیل خاں! ایک بات بتاؤ---"

"پوچھو بھیا--"

"یہ اپنا چوہدری جو ہے--- چوہدری شہباز--- اس کا ماضی کیا ہے---؟"

"کچھ نہیں-- چھوٹی چھوٹی زمینیں تھیں۔ سنگل پور میں رہتا تھا یہیں پلا بڑھا۔ اس کے ماں باپ بھی یہیں رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ اس نے نجانے کہاں سے دولت حاصل کی--- آس پاس کی بہت سی زمینیں خرید لیں اور پھر یہ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چوہدری بن گیا۔ لیکن خود ساختہ چوہدری--- پھر اس نے شادی کر لی اور اس

کے بعد بس یہیں رہتا ہے۔ بہت مغرور ہے۔"

"اس کی شادی کہاں ہوئی---؟"

"کہیں باہر--- کسی دوسری بستی میں---"

"اچھا-- وہ عورت کون ہے---؟ جو اس کی بیوی ہے---"

اس کی بیوی ہے بھائی اور کیا بتائیں---؟"

"نہیں--- میرا مطلب ہے تم تو یہاں بہت پرانے رہنے والوں میں سے ہو خلیل خان---"

"ہاں--- تو پھر--"

"وہ عورت کس کی بیٹی ہے---؟"

"کہا نا--- کسی دوسری بستی میں جا کر شادی کی۔"

"بارات تو سنگل پور سے ہی گئی ہو گی---"

"نہیں۔"

"کیا مطلب---؟"

"چوہدری کے رشتے دار تو کہیں اور رہتے تھے۔ آتا جاتا رہتا ہے اب بھی۔ بس--- رشتے داروں کے ہاں گیا تھا بعد میں دلہن لے کر ہی واپس لوٹا تھا---"

"نام پتا ہے--- اس عورت کا---"

"شاید---زمرد جان--- ہے بس ایسے ہی لوگوں نے بتایا تھا۔ ایک دوسرے سے تو پتا چل ہی جاتا ہے مگر تم اتنی کرید کیوں کر رہے ہو---؟"

"نہیں-- ایسی کوئی خاص بات نہیں۔ ابھی میں ایک باغ کی طرف جا نکلا تھا جو بستی کے جنوبی کنارے کی طرف ہے۔ وہ دونوں بگھی میں جا رہے تھے۔"

"وہ باغ بھی چوہدری کا ہی ہے اور سچ کہوں تو یہ باغ اس سے پہلے کسی اور کا تھا چوہدری نے اس باغ پر قبضہ کیا تھا اور اس بیچارے کو فقیر بنا دیا تھا۔ پھر--- وہ بستی چھوڑ کر ہی چلا گیا---"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ اب میرا ذہن بالکل ہی مختلف انداز میں سوچنے لگا تھا۔ بہرحال--- خلیل خان سے گفتگو کرنے کے بعد میں انہی سوچوں

میں گم ہو گیا تھا۔ کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کرنا تھا جس سے کامیابی حاصل ہو جائے۔ بار بار یہ خیال میرے ذہن کے پردوں سے ٹکرانے لگتا تھا کہ میں اول کام کو چھوڑ کر کسی اور کام کے پیچھے لگ گیا ہوں لیکن پھر اخلاقی حدیں سامنے آ جاتی تھیں اور دل اندر سے کہتا تھا کہ کوئی نیک کام کر لو۔ ہو سکتا ہے کہ اس نیک کام کے صلے میں کوئی مشکل حل ہو جائے۔ رمضان نے مجھے اپنے ساتھیوں سے ملایا۔ نوجوان تھے--- نڈر تھے--- پر جوش تھے--- انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر سنگل پور کی اس آبادی سے یہ تباہی ٹل جائے تو اس کے لئے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں چاہے اس کے نتیجے میں ان کو اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ میں نے ان لوگوں کو اچھی طرح سنبھال لیا تھا پھر میں مسلسل اپنی کارروائیوں میں مصروف رہا اوراس دن میں اس راستے میں تھا جب میں نے اس لمبے چوڑے جسم کے مالک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ یہ بڑی بڑی مونچھوں اور چوڑے چکلے چہرے والا ہندو تھا۔ جس کے سر پر لمبی سی چوٹی اس کے دھرم کا اظہار کرتی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے رکنے کے لئے کہا اور میں رک گیا۔ وہ میرے قریب آ کر مجھے گھورتے ہوئے بولا---

"تو--- گاؤں کا مہمان ہے نا---"

"ہاں--- تم کون ہو---؟"

"تیرا ہمدرد ہوں-- جو کچھ تجھے بتا رہا ہوں اسے غور سے سن لے۔ جتنی جلدی ہو سکے گاؤں سے چلا جا۔ یہاں خطرہ بڑھتا ہی جا رہا ہے---"

"کیسا خطرہ---؟"

"میں برابر کی بستی سے آ رہا ہوں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ رنگوتری اب اس بستی میں چلی گئی ہے اور پہلی بار اس نے ایک جوان آدمی پر حملہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب بڑی عمر کے لوگ بھی اس سے محفوظ نہیں۔ ڈائن تو پھر ڈائن ہی ہوتی ہے۔ کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے---"

"مگر بھائی--- تو نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"تجھے میرے نام سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے---؟ گنگا دھر ہے میرا نام۔" مجھے شبہ ہوا تھا لیکن اس سے نام معلوم کر کے میں اس شبے کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ میں

نے اداکاری کرتے ہوئے اپنے چہرے کو خوفزدہ بنا کر کہا---

"بھائی گنگا دھر--- یہ تو بڑی مشکل ہے--- مگر ایک بات بتاؤ میں تو چلو اس بستی سے چلا جاتا ہوں لیکن اگر ایسی بات ہے تو پھر تو سارے آدمی خطرے میں پڑ گئے---"

"ارے اس کمیں کے بچے نے سب کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ پتا نہیں--- کہاں سے لے آیا ہے--- اس رنگوتری کو--- پتا چل جائے--- بس ایک بار مل جائے۔ کچا چبا جائیں گے اس کو---"

"یہ بات تو بالکل ٹھیک کہتے ہو--- بھائی گنگادھر--- اس نے کام تو ایسے ہی کئے ہیں کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کا خاتمہ کر دینا چاہئے---"

"بس--- دھرماتما ہے اس بستی میں--- دھرماتما--- ہم تو کہتے ہیں کہ ہیرا لعل کو بھی رنگوتری سے پہلے ختم کر دیا جائے وہی اس فساد کی جڑ ہے--"

"نہیں--- میرا تم سے اختلاف ہے گنگادھر---"

"کیوں---؟"

"رنگوتری اگر ہاتھ آ سکتی ہے تو ہیرا لال کے ذریعے ہی آ سکتی ہے۔ کیا سمجھے---؟ کیونکہ جو کچھ بھی ہے وہ ہیرا لال کی دھرم پتنی ہے۔ پاگل ہو گئی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے---؟ یہ بتاؤ کہ واقعے سے پہلے تو وہ ہیرا لعل کے ساتھ ہی تھی نا---"

"ہاں--- بالکل--"

"تو پھر-- اب تم بتاؤ کہ وہ ہیرا لعل کے پاس ضرور آئے گی۔ ہمیں چاہئے کہ ہیرا لعل کے گھر کا جائزہ لیتے رہیں۔ گنگادھر میری بات پر کچھ سوچنے لگا اور اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آدمی تو چالاک معلوم ہوتا ہے پر ہمیں سب سے زیادہ تیری فکر ہے---"

"میری فکر مت کرو۔ میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔ اپنا بچاؤ کر سکتا ہوں میں---"

"نہیں کر سکے گا تو اپنا بچاؤ ہم کہہ رہے ہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے-- چلا جاتا ہوں ایک آدھ دن میں یہاں سے---"

"ہاں--- یہی تیرے حق میں اچھا رہے گا۔" اس نے یہ کہا اور مزید کچھ کہے

آگے بڑھ گیا۔

میں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب میرا یقین کافی حد تک پختہ ہو گیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ صورتحال کا صحیح طور پر مقابلہ کر سکوں تاکہ اس جھگڑے کا خاتمہ ہو۔ زبان کھولنا اب ضروری ہو گیا تھا میرے لئے--- چنانچہ--- اس رات میں نے نہایت خفیہ طریقے سے خلیل خان کو ہدایت کی۔ رمضان اور باقی ساتھیوں کو بلا لائے۔ خلیل خان نے ہوٹل بند کرنے کے بعد ہوٹل کے ایک خفیہ حصے میں ان تمام لوگوں کو جمع کیا۔ سب آ گئے تھے اور سب کے چہروں پر خوف کے آثار تھے۔

"دیکھو--- بھائیو! میں تمہاری بستی میں اجنبی ہوں۔ تم لوگ ضرور یہ سوچو گے کہ-- میں تمہاری بستی کے معاملات میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہوں۔ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ بس میں نے رمضان کے بھتیجے کی لاش دیکھی گھر والوں کو روتے دھوتے دیکھا۔ میں تجربہ کار تو نہیں ہوں لیکن جانتا ہوں کہ ماں باپ کے لئے اولاد کا دکھ کیا حیثیت کھتا ہے---؟ میں پورے خلوص کے ساتھ تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور اسی خلوص کی وجہ سے جو بات میرے منہ سے نکلے گی اسے برا نہ سمجھنا کیونکہ اس کے پیچھے میرا کوئی لالچ نہیں ہے۔"

"نہیں---" فیروز بھائی ہم آپ کی بات کو بالکل غلط نہیں سمجھیں گے۔"

"تو پھر سنو--- میں جو کچھ تم سے کہنے جا رہا ہوں وہ بہت خطرناک بات ہے لیکن کہے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ پہلی بات تو میں تم سے یہ کہوں گا کہ--- رنگوتری ڈائن نہیں ہے۔"

"تو پھر---"

"وہ ایک پاگل عورت ہے۔ دماغی توازن کھو چکی ہے اور جو یہ وارداتیں کر رہا ہے اس نے رنگوتری کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلائی ہے۔"

"مگر وہ ہے کون---؟ اس کا تو پتا چلے۔ رمضان کے ایک ساتھی نے کہا---"

"میں اس کا نام تمہارے سامنے لے جا رہا ہوں اور اس کے لئے میں نے تم سے اتنی معذرت کی ہے اگر میں تم سے کہوں کہ ان وارداتوں کی پشت پر چوہدری

شہباز کا ہاتھ ہے تو ان سب کے منہ کھلے اور بند ہو گئے۔ سب خوفزدہ انداز میں ایک
دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا۔۔۔

"یہی میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کسی ایک سنگین صورتحال پر تمہاری کیفیت کیا ہو
ہے۔۔۔؟ تم خوف سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے ہو یا ہمت کے ساتھ کہتے ہ
کہ اگر۔۔۔ چوہدری شہباز اس کام میں ملوث ہے تو تم اس بات کی بھی پرواہ نہیں کر
گے۔" تو وہ چوہدری شہباز ہے۔ میرے ان الفاظ نے ان کی غیرت جگا دی۔ سب سے
پہلے رمضان ہی بولا تھا۔۔۔

"اللہ کی قسم۔۔۔ اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے تو چاہئے سینے پہ گولیاں کھانی پ
جائیں چوہدری شہباز کو مزہ چکھا دوں گا۔ گردن مروڑ کر پھینک دوں گا۔ حرام زادے
کی۔۔۔ میرا گھر گٹ گیا ہے۔۔۔ میرا بھائی نیم پاگل ہو گیا ہے۔ میں نہ بچوں گا تو کیا
ہو گا۔۔۔؟ تم کہو فیروز بھائی۔۔۔ یہ شبہ تمہارے ذہن میں کیسے آیا۔۔۔"

"اور اگر میں تم سے کہوں کہ۔۔۔ ان واقعات کے پیچھے خود چوہدری شہباز
نہیں بلکہ اس کی بیوی زمرد جان ہے تو۔۔۔"

"زمرد جان۔۔۔ سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔"

"ہاں۔۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر خلیل خان نے کہا۔۔۔"

"ہو سکتا ہے۔۔۔ سو فیصدی ہو سکتا ہے۔ بالکل ہو سکتا ہے۔"

"تو اب تم غور سے سنو۔۔۔ زمرد جان ہی وہ ڈائن ہے جو ان بچوں کا کلیجہ نکال
کر کھا جاتی ہے۔ سو فیصدی وہی ہے۔"

"مگر۔۔۔ فیروز بھیا! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔۔۔؟ رمضان نے پوچھا۔۔"

"معلوم نہیں ہوا۔۔۔ میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑوانا چاہتا ہوں۔" ایک دوسری
بات سنو خلیل خان۔۔۔ میں نے تم سے گنگا دھر کے بارے میں پوچھا تھا۔۔۔

"ہاں۔۔ خلیل خان پھر چونک پڑا۔۔۔"

"گنگا دھر۔۔ زمرد جان کی معاونت کرتا ہے۔ یہاں کھیتوں کے بالکل آخری
سرے پر کافی دور جانے کے بعد مندر کی ایک پرانی عمارت ہے۔ اس میں اندر ایک
بت ہے۔ اس بت کے قدموں میں پوجا کی جاتی ہے اور قربانی دی جاتی ہے۔ معصوم
بچوں کی قربانی۔۔۔ اس کے بعد ان کا کلیجہ نکال کر یا تو کہیں پھینک دیا جاتا ہے یا پھر

اس بت کے قدموں میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ یہ کام وہ عورت کرتی ہے اور گنگا دھر
اس کا ساتھ دیتا ہے۔" وہ سب جوش کے عالم میں کھڑے ہو گئے تھے۔ رمضان نے
کہا۔

"مالک کی قسم۔۔۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو گنگا دھر کے گھر کو پھونک کر رکھ دوں
گا میں۔۔۔"

"جوش سے کام لینے کی نہیں۔۔ ہوش کی ضرورت ہے۔۔۔ سب سے پہلے
سارے کام ہمیں ثبوت کے طور پر کرنے ہوں گے۔"

"میرا دل کہتا ہے کہ فیروز بھیا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے کئی بار گنگا دھر کو
مالکن کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"اگر ہوشیاری سے کام کر سکو تو ایک نیٹ ورک بنا لو۔"

"کیا بنالیں۔۔؟"

"میرا مطلب ہے کہ۔۔۔ ایک پورا گروپ بنا لو۔ جو ہم ہی لوگوں میں سے ہو
گا۔ ہم میں سے ایک آدمی گنگا دھر کی نگرانی کرے گا۔ دوسرا حویلی کے آس پاس رہے
گا اور ساری صورتحال کا جائزہ لے گا۔ ہم سب ایک دوسرے کو پل پل کی خبر دیں
گے۔ بس یہ کام کر لو تم لوگ بس۔۔۔ بیڑا پار ہو جائے گا۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"

"تو پھر آج ہی سے یہ کام شروع۔۔۔"

"شروع۔" وہ سب بیک وقت بولے۔ میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

○

میرے گروپ نے کام کرنا شروع کر دیا۔ پہلا آدمی جو گنگا دھر پر متعین تھا اپنی کوشش میں پہلی بار کامیاب ہوا۔ اس نے بتایا کہ---گنگا دھر اور زمرد جان باغ کے ایک گوشے میں گئے ہیں اور اب بھی وہیں موجود ہیں---"

"تمہیں وہاں رک کر ان کا جائزہ لینا چاہیے تھا---"

"ہم نے منشی خان کو ان کے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ جس جگہ گئے ہیں وہاں منشی خان درخت پر چڑھا بیٹھا ہے۔ باقی رپورٹ وہ دے گا---"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ پھر میں نے کہا۔

"چوہدری کے بارے میں کچھ پتا چل سکا وہ زمرد جان کے پیچھے ہے یا نہیں--"

"چوہدری برابر کی بستی میں گیا ہے اور اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"واہ--- عمدہ---" میں نے پرمسرت انداز میں گردن ہلائی اور پھر اس کے بعد منشی لال دوسرا مخبر تھا۔ اس نے کہا---

"بات بڑی سنگین ہے بھیا۔ ایک بات آج ہمیں معلوم ہوئی اور بڑی عجیب بات معلوم ہوئی۔ ارے فیروز بھیا کا کہنا تو بالکل سچ نکلا۔ اللہ رحم کرے بچاری رنگوتری کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش کہیں دبا دی گئی ہے تاکہ وہ نہ ملے اور سارا شبہ اسی پر رہے۔"

"کیا---" میں اچھل پڑا۔

"ہاں--- دونوں یہی باتیں کر رہے تھے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کیا باتیں کر رہے تھے۔ رنگوتری کی موت کا سن کر سبھی کو رنج ہوا تھا۔ میں نے کہا---

"منشی خان--- کیا ہیرا لعل کو یہ بات معلوم ہے---؟"

"بالکل نہیں--- جو باتیں وہ کر رہے تھے ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ ایک ایک لفظ یاد کر کے آئے ہیں ہم---"

"ہاں--- کیا باتیں کر رہے تھے وہ---؟"

"مالکن--- ڈائن--- گنگا دھر سے کہہ رہی تھیں---"

"گنگا دھر--- سب سے بری بات یہ ہوئی ہے کہ رحیم خان اپنی بیوی اور بیٹے سمیت نکل گیا ہے اس کا بیٹا رحیم خان کو ساری بات بتائے گا کہیں یہ نہ ہو کہ رحیم خان چوہدری شہباز کو ساری بات بتا دے۔" اس پر گنگا دھر نے کہا---

"مگر یہ بھی تو نہیں پتا چل سکا کہ رحیم خان گیا کدھر ہے--؟ ویسے ایک بات میں آپ سے دعوے سے کہتا ہوں کہ--- بستی میں جو مہمان آیا ہے نا وہی اس رات مندر میں تھا اور وہی اس بچے کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ ورنہ بچہ تو بے ہوش ہو گیا تھا---"

"ہاں--- میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں اسے دیکھ چکی ہوں۔ بات صرف یہی نہیں ہے میرا اس سے اور بھی حساب کتاب ہے جسے بعد میں دیکھنا ہو گا۔ پہلے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں---"

"مالکن--- ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں---؟"

"رنگوتری کی لاش تم نے ایسی جگہ چھپائی ہے جہاں سے وہ دریافت نہ ہو---"

"مالکن--- آپ فکر ہی نہ کریں--- مندر کے پچھلے حصے میں گڑھا کھود کر اسے ڈال دیا ہے۔ اب لوگ رنگوتری کو تلاش کرتے پھریں گے۔ کوئی نئی واردات ہو گی۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ رنگوتری باہر چھپی ہوئی ہے۔ اور یہ کام کر رہی ہے۔ مالکن--- سب سے بڑا قدم ہم نے یہی اٹھایا ہے۔"

"گنگا دھر--- تو اگر موتیوں بھرا تھال بھی مانگے گا مجھ سے تو میں تجھے تھال دوں گی--- ایک کام کر--- آج نہیں تو کل زیادہ سے زیادہ پرسوں کسی بچے کو اغوا کر لے۔ تاک میں رہ کوئی بچہ تیرے ہاتھ آئے تو اسے لے کر مندر پہنچ جا تاکہ میں اپنی پوجا کا آخری کام کر لوں۔ بس--- اس کے بعد تیری چھٹی۔ پھر تجھے کوئی اور کام نہیں

کرنا پڑے گا۔۔۔"

"بے فکر رہو مالکن۔۔۔ ویسے چوہدری صاحب کب تک آ جائیں گے۔۔؟"

"ان کے آنے کی فکر مت کرو وہ تو آج ہی آ جائیں گے لیکن تو جس طرح اپنا کام کرتا رہا ہے اسی طرح کر ذرا اس مہمان سے ہوشیار رہنا۔۔۔"

"میں اس سے مل چکا ہوں۔ کافی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میرے داؤ پر لگ جائے تو خاتمہ کر دوں گا اس کا۔ آپ اس کی فکر مت کرو۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ خیال رکھنا ہو گا۔ اگر وہ مندر تک پہنچ گیا ہے تو ہمیں نئی قربانی میں دقت ہو گی۔۔۔"

"آپ فکر مت کرو مالکن۔۔۔ میں سب دیکھ لوں گا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ گنگا دھر! یہ کام تجھے ہوشیاری سے کرنا ہے۔" بس بھئی۔۔۔ اس کے بعد دونوں الگ الگ راستوں کو چل پڑے تھے۔

"یہ تمام باتیں اب ان کے علم میں آ چکی تھیں اور ان کی آنکھوں میں حیرت کے شدید آثار تھے۔ خلیل خان نے فخریہ کہا۔۔۔"

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مہمان معمولی آدمی نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو ان کی وجہ سے ہماری بستی کی یہ مشکل دور ہو جائے گی۔ دیکھو۔۔۔ انہوں نے کیسے صحیح آدمی کا پتا لگا لیا۔ ارے۔۔۔ توبہ رے توبہ۔۔۔ چوہدری شہباز کا سارا غرور خاک میں مل جائے گا۔ بستی والے اس کی عزت بے شک کرتے ہیں۔ وہ بستی والوں کو اپنی بے شک جوتیوں میں رکھتا ہے لیکن اس معاملے میں بھلا اس کو کون اوپر لے جا سکتا ہے۔۔۔"

"میں بتاؤں گا تم لوگوں کو کہ۔۔۔ چوہدری کا غرور کس طرح خاک میں ملتا ہے۔" رمضان نے پرجوش لہجے میں کہا۔ وہ لوگ تو چلے گئے لیکن میں دل میں سوچنے لگا کہ اس عورت کو۔۔۔ اس شیطان عورت کو کوئی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ وہ پراسرار قوتوں کی مالک تھی۔ میں ان لوگوں کو تمام حقیقتوں کا بتا بھی نہیں سکتا تھا لیکن ایک بات میرے ذہن میں بار بار سر اٹھا رہی تھی۔ کیا اس عورت کا تعلق حویلی حیدر شاہ سے بھی ہے۔۔۔؟ بات اصل میں چھپکلی کی تھی اب تو مجھے اس ڈائری سے

بھی خوف آنے لگا تھا۔ جو میرے جسم کی طرح میرے لباس میں چھپی رہتی تھی اور جسے تمام تر خوف و دہشت کے باوجود میں نے اسے اپنے آپ سے دور نہیں کیا تھا۔ میں نے خوف کے عالم میں ایک بار پھر ڈائری کو نکال کر اس کا ورق کھولا۔ منحوس چھپکلی کی تصویر ڈائری کے پہلے ورق پر موجود تھی۔ نجانے کیوں دل میں یہ خیال آیا کہ ذرا زمرد جان کو تلاش کر کے دیکھوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔۔۔؟ بس یونہی خیال آ گیا تھا کہ اگر یہ چھپکلی اس ڈائری پر موجود ہوتی ہے تو زمرد جان اپنے گھر میں ہوتی ہے یا نہیں۔۔۔ حیرت کی بات تھی۔ زمرد جان کا میرے پردادا کی حویلی سے کیا تعلق تھا۔۔۔؟ ابھی تو صرف اس سنگل پور کی آبادی کی ایک مشکل حل ہونے جا رہی تھی۔ میری مشکل کا تو حل سنگل پور والوں کے پاس بھی نہیں تھا اور میں نے انہیں اس بارے میں بتایا بھی نہیں تھا۔ بہرحال۔۔۔ کھیل اپنی آخری منزل پر پہنچنے میں زیادہ وقت نہ لے سکا۔ ساری صورتحال تو معلوم ہو ہی چکی تھی۔ ہمارے مخبروں نے ہمیں خبر دی کہ گنگا دھر نے ایک بچے کو پکڑ لیا ہے۔ یہ بچہ سلیم خان کا بیٹا تھا۔ سلیم خان۔۔۔ لکڑی کا کام کرتا تھا اور بڑھئی تھا۔ بچے کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی۔ مخبر نے بتایا کہ گنگا دھر دھوکا دے کر اسے آموں کے باغ کی طرف لے گیا اور پھر وہاں سے اس نے بچے کو بوری میں ڈالا اور کندھے پر لے کر چل پڑا ہے۔ مخبر نے بتایا کہ دو آدمی گنگا دھر کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رمضان سے کہیں کہ اب سب سے بڑا مسئلہ اس عورت کا یعنی زمرد جان کا ہے۔ زمرد جان پر نظر رکھی جائے۔ باقی سارے معاملے حل ہو جائیں گے۔ وقت اس طرح گزر رہا تھا کہ ہر دھڑکن گنی جا سکتی تھی۔ ہمارا پورا نیٹ ورک کام کر رہا تھا اور ہمارے آدمی مندر پر موجود تھے۔ طے یہ کیا گیا کہ ہم لوگ بھی مندر کی جانب سرشام ہی چل پڑیں۔ کم از کم اور کچھ نہیں تو اس بچے کی حفاظت ہو سکے گی۔ بچے کے ماں باپ کو جان بوجھ کر خبر نہیں کی گئی تھی کیونکہ وہ برداشت نہ کر پاتے اور اس طرف چل پڑے جہاں مندر تھا۔ اس بات کا ہمیں علم تھا کہ گنگا دھر۔۔۔ ان اطراف میں موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مندر کے اندر ہی ہو۔ چنانچہ۔۔۔ ہم میں سے چاروں آدمی کافی فاصلہ رکھ کر مندر کی جانب چلے تھے اور اس وقت کے بعد۔۔۔ مندر پہنچ گئے تھے۔ سب کی کیفیت ایک

جیسی ہی تھی۔ اور سب لمبے لمبے چکر کاٹ کر اس جگہ پہنچ چکے تھے۔ ہم نے چھپنے کے لئے جگہ تلاش کی اور دم سادھے انتظار کرتے رہے۔ بات بالکل ہی ٹھیک تھی۔ ایک بار گنگا دھر مندر سے باہر نکلا اور بڑبڑاتا ہوا نجانے کیا باتیں کرتا ہوا ایک درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ سب کے چہروں پر خوف کے آثار تھے۔ پھر رمضان نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔

"فیروز بھیا۔۔۔ اس طرف دیکھو۔" میں نے رمضان کا اشارہ سمجھ لیا۔ مندر کا ایک سمت کا حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اینٹیں ایک دوسرے پر ڈھیر کی شکل میں پڑی ہوئی تھیں اور ایک بڑا سا سوراخ نظر آ رہا تھا۔ میں نے رمضان کی طرف دیکھا اور سرگوشی میں کہا۔۔۔

"یہ تو مندر کے اندر جانے کا بھی راستہ ہو سکتا ہے۔۔"

"اسی لئے میں نے دکھایا ہے بھیا۔۔۔"

"آؤ۔۔۔ اندر چلیں ذرا۔۔۔ اس بچے پر ایک نظر ڈال لیں۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے رمضان ابھی اسے کچھ نہیں ہوا ہو گا۔ اسے باندھ کر بٹھا دیا گیا ہو گا۔ رمضان نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر بولا۔۔۔

"بھیا۔۔۔ اتنا سارا تمہیں کیسے معلوم ہے۔۔۔؟"

"آ جاؤ۔۔۔ لیکن احتیاط سے۔۔۔ ہم دونوں ایک ایک انچ سرکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ کہیں کوئی اینٹ اپنی جگہ سے سرک نہ جائے اور گنگا دھر ہوشیار نہ ہو جائے لیکن ایک بات اور بھی تھی اگر گنگا دھر ہوشیار بھی ہو گیا تو زیادہ سے زیادہ بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ میرا ریوالور تیار تھا۔ اب اس موقعے پر گنگا دھر کو چھوڑ دینا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ۔۔۔ ہم ٹوٹے ہوئے حصے سے ایک پتلی سی راہداری میں پہنچ گئے۔ اس پتلی سی راہداری میں کوڑا کرکٹ کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ہم آگے بڑھتے ہوئے سامنے والے حصے کی طرف آ گئے جہاں سے تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے اس علاقے میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ جہاں وہ منحوس مجسمہ نصب تھا۔ میں نے رمضان سے کہا۔۔۔

"رمضان۔۔۔ ہوشیار۔۔۔"

"میں ہوشیار ہوں۔۔ فیروز بھیا۔۔۔" رمضان نے کہا اور ہم ستونوں کی آڑ لیتے ہوئے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے سامنے نظر ڈالی جا سکتی تھی۔ ہمارے عقبی حصے میں بھی کچھ لوگ پوشیدہ تھے۔ تھوڑے فاصلے پر سرسراہٹیں سنائی دی تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ پوری طرح ہوشیار نہیں۔ کچھ دیر کے بعد ہم نے منحوس مجسمے کے قدموں میں دیکھا۔ معصوم بچہ مجسمے کے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میرا کلیجہ اچھل کر حلق میں آنے لگا۔ رمضان کے انداز میں بھی جوش تھا۔ اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بار بار کھل رہی تھیں اور بند ہو رہی تھیں۔ میں نے پھر سرگوشی میں کہا۔۔۔

"رمضان۔۔۔ خبردار۔۔۔ اس وقت جوش سے کام مت دکھانا۔۔۔ وہ سسری آ جائے اس کے بعد دیکھیں گے۔ رمضان نے گردن ہلائی تھی پھر چند ہی لمحوں کے بعد گنگا دھر واپس آ گیا اور بچے کے پاس بیٹھ گیا۔ ہم نے بچے کی آواز سنی۔۔۔

"چھوڑ دو چاچا جی مجھے۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔ تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو۔۔۔؟ میرے ہاتھ دکھ رہے ہیں چاچا جی۔۔۔ میرے پاؤں دکھ رہے ہیں۔۔"

"کتے کے بچے۔۔۔ چپ نہیں ہو گا تو پتھر مار کر تیرا بھیجا باہر نکال دوں گا۔۔۔"

"چھوڑ دو چاچا۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔"

"نہیں چپ ہو گا۔۔۔" گنگا دھر نے اپنے لباس سے ایک لمبا سا چاقو نکال لیا۔ یہ وہی چاقو تھا جس کو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ میں نے رمضان کے شانے پر آہستہ آہستہ تھپکی دی۔ رمضان کا جوش انتہا کو پہنچتا جا رہا تھا اور گنگا دھر خاموش بیٹھا ہوا تھا دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی سرسراہٹیں بلند ہوئیں۔ یوں لگا جیسے غیر محسوس طریقے سے ایک نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو خبر دی ہو۔ لمحہ لمحہ سنسنی خیز تھا۔ یہ سرسراہٹیں دراصل پیغام ہی تھیں اور اس کی تصدیق اس وقت ہو گئی جب وہ لمبی تڑنگی عورت مندر کے احاطے میں داخل ہوئی۔ اس نے سر سے لے کر پاؤں تک کالے رنگ کا ایک لباس پہنا ہوا تھا اور بڑے پراعتماد قدموں سے چلتی ہوئی اندر داخل ہو رہی تھی۔ گنگا دھر چونک کر سیدھا ہو گیا۔

"گنگا دھر--- یہ آواز سو فیصد زمرد جان کی تھی---"

"آ گئے ہیں--- مالکن---"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں--- مالکن۔"

"سن گنگا دھر--- یہ آخری کام ہے جیسا کہ میں نے تجھ سے کہا---"

"معلوم ہے مالکن۔"

"اس کے بعد تو اس بستی سے باہر نکل جانا۔ میں تجھے اتنی دولت دے دوں گی کہ زندگی بھر تجھے دولت کی کمی محسوس نہ ہو گی۔"

"مالکن--- گنگا دھر تو تیرا غلام ہے۔"

"چل اس کے ہاتھ پاؤں کھول دے آج کل صورتحال اچھی نہیں ہے۔ وہ کمبخت مارا--- شہری مسافر میرے لئے بھی عذاب بن گیا ہے۔ بعد میں اسے بھی دیکھنا ہے۔ یہ کام پورا ہو جائے جو پچھلی بار ادھورا رہ گیا تھا۔ گنگا دھر نے چاقو سیدھا کر لیا اور پھر اس نے اسی چاقو سے بچے کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کاٹ دیں۔ بچے نے رسیاں کٹتے ہی اٹھنے کی کوشش کی لیکن گنگادھر نے اسے بالوں سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔

اور اس کے بعد چاقو اس نے زمرد جان کے ہاتھ میں دے دیا۔ زمرد جان--- خاموش کھڑی ہوئی مجسمے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ مشعل کی روشنی میں اس کا چہرہ انتہائی بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اس وقت اس نے اپنا چہرہ کھول لیا تھا اور اس کی منحوس آنکھیں اسی طرح چمک رہی تھیں۔ پھر وہ جھکی اچانک ہی میں نے ریوالور سے فائر کر دیا۔ ان لوگوں کو میں نے بتا دیا تھا کہ ریوالور سے ہوائی فائر کا مطلب کیا ہے--؟ لیکن ہوائی فائر کے ساتھ ہی زمرد جان اتنی اونچی اچھلی کہ اس سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ رمضان سے نہ رہا گیا اور وہ ایک غراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ آیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھی اندر داخل ہو گئے تھے۔ زمرد جان نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ عجیب بھیانک عورت تھی۔ اچانک ہی اس نے چاقو گھما کر رمضان کے سینے پر وار کیا لیکن رمضان پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ گنگا دھر کو تین افراد نے پکڑ لیا تھا اور وہ ان سے مقابلہ کر رہا تھا۔

رمضان نے آگے بڑھ کر زمرد جان کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ پھر کسی کے ہاتھ میں پتھر آ گیا اور اس نے زمرد جان کی کلائی پر پتھر مار کر کلائی توڑ دی۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ باقی افراد بھی اندر گھس آئے تھے۔ گنگا دھر پر قابو پا لیا گیا تھا اور انہوں نے اسے خون میں نہلا دیا تھا لیکن زمرد جان کی بھی حالت بری کر دی گئی تھی۔

پھر اچانک ہی باہر سے بہت سی آوازیں ابھریں---

"چوہدری شہباز آ گئے--- چوہدری صاحب آ گئے۔" اور اسی وقت چوہدری شہباز کی آواز سنائی دی---

"کیا ہو رہا ہے--- کیا ہو رہا ہے یہاں--؟ ارے--- کیا ہو رہا ہے---؟ چھوڑ دو اسے--- میں کہتا ہوں چھوڑ دو اسے۔ وہ ان لوگوں سے بولے جنہوں نے زمرد جان کو پکڑا ہوا تھا---

"پیچھے ہٹ جاؤ--- چوہدری شہباز--- ورنہ اس کے ساتھ ساتھ تم بھی جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا اور ایک فائر زمین پر کر دیا۔ چوہدری شہباز نے مجھے گھور کر دیکھا پھر بولا---

"بندوقیں ہمارے پاس بھی ہیں مگر یہ کیا کر رہا ہے تو---؟ زندگی بھاری ہو گئی ہے کیا تجھ پر---؟"

"وہ تو میں تمہیں بتاؤں گا--- چوہدری شہباز--- اگر اندھے ہو تو اپنی پھوٹی ہوئی آنکھ سے دیکھ لو کہ کیا ہو رہا ہے---؟"

"میں پوچھ رہا ہوں--- آخر ہو کیا رہا ہے---؟"

"تمہاری یہ منظور نظر ڈائن ہے۔ بیچاری رنگوتری پر الزامات لگوائے اس نے اور اس کے بعد رنگوتری کو قتل کر کے زمین کے نیچے دبا دیا تاکہ لوگ اسے ہی چڑیل سمجھتے رہیں اور یہ اصلی چڑیل چھپی رہے۔ دیکھو--- یہ بچہ ہے اس بچے کو اٹھا کر لائے ہیں یہ اور اب اس کی قربانی دے رہی تھی۔ شرم کرو چوہدری شہباز--- تم مسلمان ہو۔ اس شیطان عورت کو تم نے اپنے گھر رکھا تھا۔ چوہدری شہباز نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے زمرد جان کو دیکھا پھر بولا---

"زمرد--- کیا ہے یہ سب کچھ---"

"بکواس مت کر۔۔۔" اچانک زمرد جان نے ایک زور دار چیخ ماری۔ ایسی بھیانک چیخ تھی کہ وہاں پر موجود تمام لوگ خوف سے اچھل پڑے۔ پھر زمرد جان نے ان کو زور سے دھکا دیا جو اس کو پکڑے ہوئے تھے۔ اچانک ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور اس کے بعد سیدھی زمین پر لیٹ گئی۔ میں نے ریوالور سیدھا کر رکھا تھا اور یہ طے کر رکھا تھا کہ ریوالور کی ساری گولیاں اس کے بدن میں اتار دوں گا۔ اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے لئے بڑا دہشت ناک تھا۔ اچانک ہی زمرد جان کا جسم پتلا ہونے لگا اور قد چھوٹا ہونے لگا۔ وہ زمین پر گر پڑی تھی اور اس کی شکل بدلتی جا رہی تھی۔ اس کے بعد وہ مختصر ترین ہوتی چلی گئی اور یہ بات صرف میں جانتا تھا کہ اس کی شکل کیا بنتی جا رہی ہے۔۔۔؟ پہلے وہ ایک تین فٹ کی چھپکلی کی شکل میں نظر آئی۔ اس کے بعد اس کا قد دو فٹ ہوا پھر ایک فٹ اور آخر میں وہ ایک عام سی چھپکلی کی شکل اختیار کر گئی۔ مجھے پتا تھا کہ اب وہ یہاں سے نکل جائے گی لیکن میں نے لگاتار اس پر فائر جھونک ڈالے۔ زمین پر گولیاں لگ رہی تھیں لیکن اسے ایک بھی نہ لگی اور وہ انتہائی برق رفتاری سے بھاگتی ہوئی ایک سوراخ میں گھس گئی۔ پھر اینٹوں کے ڈھیر کے نیچے غائب ہو گئی۔ وہاں موجود لوگوں پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ ایسا بھیانک منظر ان میں سے کم نے بھی نہ دیکھا ہو گا۔ بہت سوں کی تو حالت ہی خراب ہو گئی تھی۔ چوہدری شہباز پھٹے پھٹے منہ کے ساتھ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرے خوف دہشت کے سائے تھے۔ میں خود بھی پسینے سے تر تھا۔ بچے کو بچا لیا گیا تھا۔ گنگا دھر مار مار کر اتنا زخمی کر دیا گیا تھا کہ اب اس کا ٹھیک ہونا بھی مشکل تھا۔ تھوڑی بہت زندگی باقی تھی اس میں۔ جوش میں بھرے ہوئے لوگوں نے ضرورت سے زیادہ کام دکھا ڈالا تھا۔ چوہدری شہباز بھی ساتھیوں کے ہمراہ آ گیا تھا۔ اب اس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ رمضان نے آگے بڑھ کر چوہدری شہباز کا گریبان پکڑ لیا۔ میں نے جلدی سے ریوالور میں دوسرا ایمونیشن ڈال لیا تھا کیونکہ چوہدری شہباز کے ساتھ بھی کچھ لوگ آئے تھے۔ صورتحال بگڑ سکتی تھی لیکن چوہدری شہباز پر اس وقت سکتہ طاری تھا اور یہی کیفیت ان کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کی تھی۔ رمضان اسے گھسیٹتا ہوا منہ

سے باہر لے آیا اور کہنے لگا۔۔۔

"تلاش کر چوہدری شہباز۔۔۔اس ڈائن کو تلاش کر۔۔۔ تیری بیوی تھی۔۔۔ اسے تلاش کر جس نے ہمارے ماؤں کے بچوں کو ہلاک کیا ہے ورنہ ہم تجھے زندہ جلا دیں گے۔۔ چوہدری شہباز۔۔۔ وقت ختم ہو گیا۔ جب تو ہمارا چوہدری تھا۔ تھوکتے ہیں ہم تیری شکل پر۔ "اخ تھو" رمضان نے چوہدری کے منہ پر تھوک دیا۔ لیکن چوہدری نے اس بات کا نوٹس بھی نہیں لیا۔ اس کی تو حالت ہی خراب ہو رہی تھی۔ یہی کیفیت اس کے آدمیوں کی تھی۔ اس وقت کسی نے جانثاری دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ۔۔۔ وہ بھی سنگل پور ہی کے لوگ تھے جن بچوں کو ہلاک کیا گیا تھا وہ انہی کے بھائی بندوں کے بچے تھے۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔۔ لیکن انہوں نے اپنی آنکھوں سے زمرد جان کو چھپکلی کی شکل میں بدلتے دیکھا تھا۔۔ چوہدری کو بڑے برے حال میں وہاں سے لایا گیا۔ چوہدری نے ذرا بھی مدافعت نہیں کی تھی نہ ہی اپنے آدمیوں سے کسی سے کہا تھا کہ اسے بچانے کی کوشش کی جائے۔ پھر۔۔۔ ساری باتیں آہستہ آہستہ سامنے آتی چلی گئیں۔ بچے کو اس کے باپ کے حوالے کیا گیا تو پوری بستی میں کہرام مچ گیا۔ لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ چوہدری کو کس طرح لایا جا رہا ہے۔ بڑی بستی کے بڑے چوک میں چوہدری کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بٹھا دیا گیا۔ رمضان۔۔۔ شعبان جن لوگوں کے بچے اس دوران ہلاک ہوئے تھے وہ اور بستی کے تمام لوگ صورتحال جاننے کے بعد چوہدری کی عزت کو اپنے دل میں کھو بیٹھے تھے اور سب کے سب اس پر تھوک رہے تھے۔ چوہدری یہ تمام چیزیں برداشت کر رہا تھا۔ مجھے وہ لوگ ایک دیوتا کا درجہ دے رہے تھے کیونکہ میری ہی وجہ سے یہ ساری صورتحال منظر عام پر آئی تھی۔ پھر رمضان نے کہا۔۔۔

"چوہدری۔۔۔ ہمارے بچوں کو واپس کر ورنہ ہم تجھے زندہ جلا دیں گے۔"

چوہدری نے پہلی بار زبان کھولی کہنے لگا۔۔۔

"اگر تم لوگوں نے مجھے معاف بھی کر دیا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ بے شک میں نے ساری زندگی گردن اٹھا کر اپنے آپ کو اونچا اور دوسروں کو نیچا سمجھتے ہوئے گزاری ہے۔ لیکن جو نیچ حرکت میرے ذریعے اس بستی میں ہوئی

ہے اس نے مجھے زمین پر لٹا دیا ہے۔ میں تم لوگوں سے خود یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ کام کرو جو تمہارا دل کہتا ہے۔ مجھے زندہ جلا دو بلکہ اس سے بڑی اگر کوئی سزا ہو مجھے دو۔ میں اپنے گناہ بخشوانا چاہتا ہوں۔ وہ گناہ جو میں نے جان بوجھ کر نہیں کئے۔ چوہدری شہباز کے چہرے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا جیسے واقعی اسے اپنے گناہوں کی شدت کا احساس ہو' وہ اپنے بارے میں بتانا چاہتا تھا اس کی آنکھیں خوابوں میں گم ہو گئی تھیں پھر اس نے پہلا انکشاف کیا' سنگل پور کے آبادی کے لوگ اس سے ویسے ہی خوش نہیں تھے لیکن اس وقت اس کی جو کیفیت ہو رہی تھی وہ ان سب کے لئے حیران کن تھی۔ وہ عورت تو فرار ہو گئی تھی اور جس طرح وہ فرار ہوئی تھی اس کے بارے میں سنگل پور کے لوگوں کو کوئی اندازہ ہو یا نہ ہو لیکن میں نے اسے جس شکل میں دیکھا تھا وہ میرے لئے انتہائی قابل حیرت تھی' میرے پاس موجود ڈائری میں جو چھپکلی نظر آتی تھی وہ اپنی جگہ لیکن ایک چھپکلی یہاں بھی موجود تھی آہ کوئی نئی بات نہ سمجھ میں آئی۔ کس مشکل میں پڑ گیا تھا میں تین بھائی کھو بیٹھا تھا اور زندگی کتنا بھیانک رخ اختیار کر چکی تھی۔ شاید ہی کسی اور کو ایسے خوفناک واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہو بہرحال اس وقت تو چوہدری شہباز کی داستان بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ چوہدری شہباز نے پہلا انکشاف کیا۔۔۔"

"میں اصل چوہدری شہباز نہیں ہوں اس انکشاف پر یہ سب لوگ چونک پڑے تھے کسی نے کہا۔۔۔"

"تم چوہدری شہباز نہیں ہو۔"

"ہاں' میں چوہدری شہباز نہیں ہوں۔۔۔"

"جھوٹ بولتے ہو تم۔۔۔"

"ساری زندگی بہت سے جھوٹ بولے ہیں اب جھوٹ نہیں بولنا چاہتا۔"

"تو پھر تم کون ہو۔۔۔؟"

"ہاشم ہے میرا نام۔۔۔" ہاشم خان۔

"مگر تمہاری شکل تو چوہدری شہباز جیسی ہے۔"

"اسی شکل سے تو میں نے فائدہ اٹھایا ہے۔۔۔" اور یہاں چوہدری شہباز کی

حویلی پر قبضہ کر لیا ہے لیکن دوستوں یہ سب کچھ میرا کیا ہوا نہیں ہے۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب ہی بتانے جا رہا ہوں تمہیں' میری کہانی بڑی عجیب ہے پہلی بات تو یہ سنو کہ میں چوہدری شہباز کا قاتل ہوں۔۔"

"قاتل' سب اچھل پڑے۔۔۔"

"ہاں' یہ بھی یقین کر لو کہ یہ قتل میں نے ہوش و حواس کے عالم میں نہیں کیا' اس کمبخت زمرد جان نے مجھے یہ راستہ بتایا تھا اور میں جو پوری طرح اس کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا اس کی ہر ہدایت پر عمل کرتا رہا تھا جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ میرا نام ہاشم خان ہے۔ ایک عجیب و غریب داستان ہے میری۔ میرے ماں باپ پڑھے لکھے تھے' ہم ایک اچھے شہر میں رہتے تھے' میرے والد ملازمت کرتے تھے اور میں بھی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میں نے ایف اے پاس کر لیا تھا اور بہت چھوٹی سی عمر میں کر لیا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ میں ایک ذہین انسان ہوں۔ والد صاحب کا ارادہ تھا کہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلوائیں گے لیکن پھر ایک حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا اور ہم ماں بیٹے تنہا رہ گئے۔ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میرے سارے منصوبے خاک میں مل گئے پھر گھر کے حالات سے مجبور ہو کر میں نے نوکری کی تلاش کرنا شروع کر دی لیکن نوکری کہاں ملتی ہے؟ البتہ کچھ عرصے کے بعد میں نے اپنی ماں کو ایک شخص سے متاثر دیکھا میری والدہ گھر کے حالات بہتر بنانے کیلئے اور میری تعلیم کو جاری رکھنے کیلئے چھوٹے موٹے کام کرنے لگی تھیں۔ وہ شخص جس کا نام رحمت خان تھا ایک کارخانے کا مالک تھا۔ اس کے کارخانے میں سلائی ہوا کرتی تھی۔ وہ میری والدہ کو گھر پر کام کرنے کے لئے کپڑے دے دیا کرتا تھا لیکن کچھ عرصے کے بعد ایک دن میری والدہ نے بڑی شرمندہ لہجے میں مجھ سے کہا کہ وہ شادی کر رہی ہیں او رحمت خان سے انہوں نے نکاح کر لیا ہے۔ میرے اکثر دوست میرا مذاق اڑایا کرتے تھے کیونکہ میں جوان ہو چکا تھا لیکن والدہ کے اقدام پر میں کیا اعتراض کرتا البتہ یہ سب کچھ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا۔ رحمت خان نے کچھ عرصے کے بعد پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے۔ وہ میری والدہ کو بری طرح مارتا تھا' بے حد جاہل آدمی تھا' میں اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھتا

تھا۔ والدہ اب اپنے کئے پر پچھتا رہی تھیں۔ ایک دن اس نے میری والدہ کو اتنا مارا کہ وہ منہ سے خون تھوکنے لگیں' مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا اور میں نے رحمت خان کی بری طرح پٹائی کی۔ وہ زخمی ہو گیا لیکن والدہ کا انتقال ہو گیا۔ رحمت خان کو زخمی کرنے کے الزام میں مجھے پانچ سال کی سزا ہوئی اور رحمت خان کو سزائے موت کیونکہ وہ میری والدہ کا قاتل تھا اور سارے معاملات منظر عام پر تھے' پانچ سال کے بعد جب میں رہا ہوا تو گریجویشن مکمل کر چکا تھا۔ جیل میں رہ کر میں نے تعلیم بھی حاصل کی تھی اور جیل کے حکام نے میری مدد بھی کی تھی۔ باہر نکل کر مجھے اس بات کا علم ہوا کہ رحمت خان کو پھانسی کی سزا ہو چکی ہے۔ والدہ کی موت کا علم تو مجھے پہلے ہی ہو گیا تھا بہرحال مجھے سکون ہوا کیونکہ جیل میں اب تک رہتے ہوئے میں نے یہی سوچا تھا کہ رحمت خان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا پھر میں نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔ کافی عرصے تک آوارہ گردی کی زندگی بسر کرتا رہا اور اس کے بعد میری ملاقات ایک ایسے دوست سے ہو گئی جو بہت ہی نفیس انسان تھا۔ ہم کالج میں ایک ساتھ پڑھے تھے۔ وہ مجھے اپنے گھر لے آیا۔ اس کی بیوی اور بیٹی مجھ سے اتنی محبت کرنے لگے کہ میرے اندر ایک بار پھر زندگی لوٹ آئی۔ میں نے سوچا کہ ایک نئی زندگی کا آغاز کروں' چنانچہ میں نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ اب میں ایک اچھا انسان بننا چاہتا تھا لیکن ملازمت اتنی آسان چیز نہیں ہوتی۔ میں ملازمت کیلئے لاتعداد درخواستیں دیا کرتا تھا۔ انٹرویو بھی دیتا تھا لیکن ملازمت نہیں ملتی تھی۔ اس بار بھی میں ایک فرم کے اشتہار پر انٹرویو کیلئے آیا تھا جب میرا نام پکارا گیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ چپڑاسی نے دروازہ کھولا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ جس کمرے میں داخل ہوا تھا وہ بہت روشن تھا۔ انتہائی نفیس قالین پورے کمرے میں بچھے ہوئے تھے۔ سامنے ایک بہت لمبی میز پڑی ہوئی تھی جس کے پیچھے کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کا چالاک سی صورت والا ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بائیں سمت ایک بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ عورت نے اپنے آپ کو خوب سجا رکھا تھا۔ بہترین سینٹ کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں سلام کر کے ان کے سامنے پہنچ گیا تو عمر رسیدہ شخص نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور کہنے لگا۔۔۔

"آپ کا نام ہاشم خان ہے۔۔۔"

"جی سر۔۔۔"

"کیا آپ اس ملازمت کیلئے اپنے آپ کو مناسب سمجھتے ہیں۔۔؟"

"سر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہوں۔ ملازمت کیلئے میرا کوئی تجربہ نہیں ہے اور پہلی بار ملازمت کیلئے نکلا ہوں۔"

"کہاں رہتے ہو۔۔؟" اس بار اس شخص کے پاس بیٹھی ہوئی عورت نے سوال کیا اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ اس بار میں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ بے حد حسین تھی۔ اس کی چمکدار آنکھیں میری آنکھوں سے ٹکرائیں تو مجھے اپنے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا سحر تھا' میں نے اسے اپنے ٹھکانے کے بارے میں بتایا تو عورت نے کہا۔۔۔"

"گویا تمہیں ملازمت کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔۔۔"

"نہیں۔۔۔"

"زندگی کا کوئی تجربہ ہے۔۔۔"

"جی۔۔۔"

"میرا مطلب ہے کہ زندگی کو تو اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔؟"

"بیگم صاحبہ جتنی زندگی میں نے اپنی گزاری ہے اس کے بارے میں تو اچھی طرح جانتا ہوں' عورت آہستہ سے مسکرائی اس کے ابھرے ابھرے پرکشش ہونٹ' ایک عجیب سا زاویہ اختیار کر گئے تھے پھر اس نے کہا۔۔۔"

"باہر بیٹھو جانا نہیں۔۔۔"

"جی' میں نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل آیا' پھر میں ایک گوشے میں بیٹھ گیا نجانے کیوں میرے دل میں امید کی ایک روشنی جگمگانے لگی تھی۔ ایمانداری سے نوکری کر کے ایک اچھی زندگی گزارنے کی خواہش دل میں بیدار ہوئی تھی' تو میں سوچتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ میرا مستقبل بھی ایک اچھا مستقبل ہو' انٹرویو ہوتے رہے' آفس کا ایک چپڑاسی چائے کی ایک پیالی میرے لئے لیکر آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔۔۔"

"آپ چائے پیئں اور انتظار کریں' میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی' نجانے

کیوں میرا دل اندر سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ملازمت مجھے مل جائے گی' تقریباً بیس منٹ کے بعد مجھے اندر بلایا گیا اور میں دوبارہ اس کمرے میں داخل ہو گیا' نوجوان عورت اب ایک آرام دہ کرسی پر پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی۔ وہ انتہائی دلکش خطوط کی مالک تھی' میں نے ایک نگاہ اس پر ڈالی' لیکن اس وقت میں صرف ملازمت کے بارے میں سوچ رہا تھا چنانچہ میں نے اپنی نگاہیں جھکا رکھی تھیں' وہ بہرحال ایک بڑی شخصیت تھی' میں وہاں جا کر کھڑا ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ عورت نے مجھے غور سے دیکھا ہے' پھر دوسرے شخص نے مجھ سے کہا---

"یہ ملازمت آپ کو دی جا رہی ہے۔ بیگم صاحبہ نے آپ کا انتخاب کر لیا ہے۔ وہ آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتی ہیں---"

"جی' میں نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔"

"ہاشم خان آپ کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے---؟"

"بیگم صاحبہ میرا اپنا تو کوئی گھر نہیں۔ میرا بچپن کا ایک دوست ہے جس کے گھر میں رہتا ہوں---" ان لوگوں سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن' وہ مجھے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز ہے۔"

"ہوں' اس کا مطلب ہے آپ تنہا ہیں--"

"جی ہاں' میں نے جواب دیا۔"

"ٹھیک ہے ان کا اپاؤنٹمنٹ لیٹر تیار کروا دیں' یہ کل سے اپنی ڈیوٹی انجام دیں گے۔"

"جی بیگم صاحبہ' دوسرے شخص نے کہا۔"

"تنخواہ وغیرہ کے بارے میں اگر آپ کچھ معلوم کرنا چاہیں تو کر لیں---" لیکن ایک بات سمجھ لیجئے کہ بہترین کارکردگی اور مالکان سے اچھا انداز اختیار کرنے پر اچھی تنخواہ ملتی ہے' آپ ہمارے پاس مطمئن رہیں گے۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا اور میں شکریہ ادا کر کے اٹھ گیا۔ میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا کیونکہ میں ایک اچھی زندگی گزارنا چاہتا تھا' پھر میں نے پوری لگن سے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ بیس پچیس دن گزر گئے تھے مجھے یہاں کام کرتے ہوئے' پھر ایک دن دوپہر کے وقت

جب میں لنچ کے لئے اٹھا تو مینجر صاحب نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا۔ مینجر صاحب وہی صاحب تھے جنہوں نے پہلے دن میرا انٹرویو کیا تھا۔ چہرے ہی سے ایک عجیب و غریب شخصیت نظر آتی تھی لیکن اس وقت بیگم صاحبہ بھی ان کے کمرے میں موجود تھی۔ انہوں نے مسکرا کر میرا استقبال کیا اور میں کرسی پر بیٹھ گیا تو بیگم صاحبہ بولیں---"

"کہئے مسٹر ہاشم خان آپ مطمئن ہیں۔"

"جی بیگم صاحبہ---"

"ہاشم خان ہمارے ہاں ملازموں کو ملازم نہیں سمجھا جاتا' بلکہ ہم لوگ انہیں اپنا ساتھی' اپنا دوست تصور کرتے ہیں' آپ بھی اپنے آپ کو ہمارا دوست ہی سمجھئے گا۔"

"شکریہ بیگم صاحبہ' آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی' پھر میں نے اجازت مانگی تو بیگم صاحبہ نے کہا--"

"نہیں آپ بیٹھئے آج لنچ ہمارے ساتھ کیجئے۔"

"جی' میں حیرت سے اچھل پڑا۔"

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے' جایئے مینجر صاحب کھانے کا بندوبست کیجئے گا اور پھر اس دن بیگم صاحبہ نے مجھ سے بڑی بے تکلفی سے کچھ باتیں کیں اور میں دل میں یہ خیال لے کر واپس آیا کہ واقعی بہت ہی اچھے اور مہربان لوگ ہیں خاص طور سے بیگم صاحبہ' یوں کئی دن گزر گئے اور میں خوشیوں میں وقت گزارنے لگا۔ اور پھر ایک شام مینجر صاحب نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا اور ایک فائل مجھے دے کر کہا--

"یہ فائل آپ بیگم صاحبہ کی کوٹھی پر لے جائیں۔ سیٹھ صاحب سے ان پر دستخط کرانے ہیں۔" مینجر صاحب مجھے فائل کے بارے میں سمجھاتے رہے۔ تب پہلی بار مجھے پتا چلا کہ اس فرم کے مالک سیٹھ فیاض بیگ ہیں--- میں فیاض بیگ کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ پتا مینجر صاحب نے بتا دیا تھا اور پہلی بار میں اس کوٹھی میں آیا تھا۔ خوبصورت اور عظیم الشان کوٹھی کے گیٹ پر چوکیدار نے مجھے اندر پہنچایا اور پھر ایک اور ملازم کے حوالے کر دیا۔ ملازم مجھے وہیں رکنے کا اشارہ کر کے اندر چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد وہ واپس آیا اور مجھے ساتھ لے کر فیاض بیگ کے سامنے پہنچ گیا۔

فیاض بیگ--- بھاری جسامت اور بارعب چہرے کے مالک تھے۔ مجھے بڑے غور سے
دیکھا اور میں نے فائل ان کے سامنے رکھ دی۔ وہ فائل پڑھتے رہے پھرانہوں نے
قلم مانگا اور ملازم نے جلدی سے قلم انہیں دے دیا۔ چنانچہ تمام کاغذات پر دستخط
کرنے کے بعد فائل میری طرف بڑھا دی اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ سامنے
سے مجھے بیگم صاحبہ آتی ہوئی نظر آئی تھیں۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے میرے
سلام کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بڑی بے تکلفی سے بولیں--

"ارے تم--- کہو کیسے آنا ہوا---؟"

"جی مینجر صاحب نے کسی کام سے بھیجا تھا۔"

"آؤ--- چائے پی کر جانا۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور میرے آگے آگے چل
دیں۔ میری نگاہیں ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کی چال بھی بے حد پرکشش تھی۔
میں نے جلدی سے اپنا ذہن صاف کیا۔ بہرحال وہ میری مالکن تھیں۔ وہ مجھے ساتھ
لئے اپنے خوبصورت بیڈروم میں داخل ہو گئیں۔ یہ بیڈروم میرے تصور سے بھی
آگے کی چیز تھا۔ نیم تاریک ماحول میں بڑے خوبصورت مناظر نظر آ رہے تھے۔ ایک
عجیب سا ماحول اور عجیب سحرانگیز خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ بیگم صاحبہ کے
حکم پر میں اس صوفے پر بیٹھ گیا اور وہ میرے سامنے بیٹھ گئیں--

"سنو-- زندگی کیسی گزر رہی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"جی ٹھیک ہوں۔"

"ادھر آؤ---" بیگم صاحبہ بولیں اور میں حیرانی سے ان کی صورت دیکھنے لگا۔
تب انہوں نے کہا---

"ادھر آؤ--- یہاں بیٹھو۔" میں اپنی جگہ سے اٹھ تو گیا لیکن--- انہوں نے
جس جگہ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا وہ بڑی پریشانی کی بات تھی کیونکہ اس طرح اگر میں
ان کے پاس بیٹھ جاتا تو میرے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہتا۔ لیکن مالکن کا
حکم تھا میں ان کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا اور ان کا بدن میرے بدن سے ٹکرانے لگا۔
میں ایک عجیب و غریب کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازمہ چائے
کے برتن لئے ہوئے آ گئی اور بیگم صاحبہ نے اس سے کہا---

"جاتے ہوئے دروازہ باہر سے بند کر دو اور جب تک میں طلب نہ کروں یہاں
نہ آنا۔" ان کے اس حکم پر میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ انہوں نے میری خاطر
مدارت شروع کر دی اور کہنے لگیں۔

"کیسی لگتی ہوں میں تمہیں---"

"جی بیگم صاحبہ۔"

"میرا نام زمرد جان ہے۔ سمجھے---"

"جی---"

"ایک بات بتاؤ تم نے فیاض بیگ کو دیکھا---"

"جی بیگم صاحبہ---"

"کیسا پایا۔"

"جی میں سمجھا نہیں--"

"کیا میرا اور اس کا کوئی مقابلہ ہے۔"

"بے--- بیگم صاحبہ--- وہ میرے مالک ہیں کیا کہہ سکتا ہوں میں اس سلسلے
میں--؟ بہرحال زمرد جان کے اور اپنے بارے میں زیادہ تفصیل میں جانا پسند نہیں
کرتا۔ تم لوگ یہ سمجھ لو کہ زمرد جان نے مجھے اپنے جال میں جکڑ لیا اور میں برائیوں
میں ڈوبتا چلا گیا۔ کیا تفصیل بتاؤں اپنے بارے میں--- کہ فیاض بیگ کو ہلاک کر دیا
گیا تھا اور زمرد جان تھی اور حالات کے کچھ ایسے عجیب غریب واقعات پیش آئے تھے
کہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتے تھے۔ بس--- یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک
پراسرار طلسم میں پھنس گیا تھا۔ پھر ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ میں اور زمرد جان
ایک دن کار میں بیٹھ کر جا رہے تھے کہ راستے میں کار خراب ہو گئی اور ہم لوگ
پریشانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ اچانک ہی کسی طرف سے ایک
درویش نمودار ہوئے۔ لمبے چغے اور بڑے بڑے بالوں والے اس شخص نے زمرد جان
کو دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ زمرد جان کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ وہ بزرگ ہمارے
قریب پہنچ گئے اور انہوں نے زمرد جان کو دیکھتے ہوئے کہا---"

"ہوں--- آخرکار مل گئی نا ہمیں تو۔" زمرد جان کی آواز ہی جیسے بند ہو گئی

تھی۔ درویش نے آگے بڑھ کر زمرد جان کی کلائی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تو میں نے ان کے سامنے سینہ تان لیا اور کہا۔۔۔

"کیا کر رہے ہو تم۔۔۔ یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔۔؟" درویش نے کچھ اس طرح میری صورت دیکھی کہ میرا دم نکلنے لگا لیکن یہی وقت تھا زمرد جان کو اپنی وفاؤں کا یقین دلانے کا۔ ایک حسین مستقبل کے تصور کیلئے تو پھر میں نے درویش سے باقاعدہ طاقت آزمائی کی۔ درویش کے چہرے پر ایک حقارت کی لہر نمودار ہوئی اور انہوں نے کہا۔۔۔

"میں اگر چاہوں تو ایک لمحے کے اندر تیری یہ تمام کاوشیں ختم ہو سکتی ہیں لیکن۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو جو کچھ کر رہا ہے اس کا نتیجہ بھگت۔ یہ بات تو ہر انسان جانتا ہے کہ نیکی کیا چیز ہوتی ہے اور گناہ کیا ہوتا ہے۔ تو نے اگر ایک اچھی زندگی گزارنے کیلئے گناہوں کے راستے اپنائے ہیں تو ٹھیک ہے۔۔۔ جا۔۔۔ ان کا مزہ بھی چکھ۔" پھر دوستو! وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ میں اور زمرد جان کافی دیر تک پریشان رہے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے بعد جب ہم نے گاڑی اسٹارٹ کی تو ہماری گاڑی سٹارٹ ہو گئی اور ہم وہاں سے چل پڑے۔ لیکن زمرد جان نے مجھ سے کہا کہ اب کوٹھی واپس نہیں جانا وہاں خطرات ہیں۔ میں تو اس کی ہدایت پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ ہم لوگ چلتے رہے سیدھی اور سنسان سڑک پر ہمارا یہ سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا۔ تو ہم نے گاڑی وہیں چھوڑ دی۔ زمرد جان مجھے لئے ہوئے کچے راستے پر اتر گئی اور ہم پیدل فاصلے طے کرتے ہوئے آخرکار ایک ڈاک بنگلے پر پہنچے۔ ویرانے میں یہ ڈاک بنگلہ بڑی عجیب و غریب کیفیت کا حامل تھا۔ یہ ایک آسیب محل معلوم ہوتا تھا اور اس آسیب محل میں بڑی سنگین سی صورتحال تھی۔ یہاں ایک شخص مقیم تھا۔ اس کا نام چودھری شہباز تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ چوہدری شہباز مکمل طور پر میرا ہم شکل تھا اور مجھے اور اسے فرق کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ ڈاک بنگلے پر ایک چوکیدار بھی موجود تھا۔ چوہدری شہباز نے مجھے نہیں دیکھا تھا لیکن ہم نے اسے دیکھ لیا تھا۔ تب اچانک ہی زمرد جان نے کہا۔۔۔

"سنو۔۔۔ ایک بات کہوں تم سے۔"

"ہاں۔۔۔ کہئے" میں نے زمرد جان سے معمول کے مطابق نرم لہجے میں کہا۔۔۔

"ہمیں پوشیدہ رہنے کیلئے ایک بہترین جگہ مل رہی ہے۔"

"کون سی جگہ؟"

"اس کا نام سنگل پور ہے۔ اس شخص کا نام چوہدری شہباز ہے۔ اگر ہم اسے قتل کر کے یہیں دفن کر دیں تو بہت اچھا رہے گا۔"

"قتل۔۔۔" میں نے خوف سے کہا تو زمرد جان مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔۔۔

"ہاشم خان۔۔۔ تم ایک طاقتور مرد ہو۔ ایک معمولی سے آدمی کو قتل نہیں کر سکتے۔"

"لیکن۔"

"نہیں۔۔۔ تمہیں وہی کرنا ہے جو میں کہوں گی اور عورت نے بڑے بڑے گناہ کرا دیئے ہیں مردوں سے۔ میں نے بھی ایک زندگی لینے کا گناہ کیا اور بس یہ گناہ میری انتہا بن گئی۔ میں زمرد جان کے فریب میں بری طرح گرفتار ہو گیا۔ ہم نے کچھ وقت ہیں گزارنے کا فیصلہ کیا لیکن چوہدری شہباز کو قتل کر کے میری روح کو کچھ بے چینی ی پیدا ہو گئی تھی۔ میں تو اس بات پر پریشان تھا کہ اچھی خاصی نیکی کر رہا تھا کس چکر ں پڑ گیا۔ بہرحال اتنا مجھے اندازہ تھا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ اچھا نہیں ہے۔ رضیکہ صورتحال کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ ایک رات جب ہم اسی ڈاک بنگلے میں آرام کر رہے تھے کہ رات کو میری نکھ کھلی میں نے دیکھا کہ زمرد جان موجود نہیں ہے۔ وہ کہاں گئی ہے یہ بات باعث رت تھی لیکن بڑی مشکل پیش آ گئی کیونکہ دوسری صبح بھی وہ وہاں موجود نہیں تھی بتہ اس صبح میں نے ایک کار ڈاک بنگلے میں رکتی ہوئی دیکھی او جب اس کار سے اض بیگ نیچے اترا تو میری آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔ اس کا مطلب ا کہ فیاض بیگ مجھے تلاش کرتا ہوا یہاں آ گیا ہے۔ زمرد جان وہاں موجود نہیں ی۔ فاض بیگ میرے سامنے آ گیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا اور ماتھے پر پسینہ یا ہوا تھا۔ میں دوسرا مجرم تھا حالانکہ زمرد جان کے ساتھ یہاں آنے کا فیصلہ میں نے ہ نہیں کیا تھا لیکن کون مانتا۔۔۔؟ میں مجرموں کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا ر فیاض بیگ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"تمہیں حیرت تو ہو گی کہ میں تمہیں تلاش کرتا ہوا یہاں کیسے آ گیا۔۔۔؟" لیکن تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ تمہاری جھکی نظریں بتاتی ہیں کہ تمہارا ضمیر ابھی زندہ ہے۔ تم خود کو میرے سامنے مجرم محسوس کر رہے ہو لیکن میں جانتا ہوں کہ تم مجرم نہیں ہو۔ کچھ بتانا چاہتا ہوں میں تمہیں۔"

"جی۔۔۔" میں نے دہشت سے کہا۔

"انٹرویو کے بعد تمہاری اس سے پہلی ملاقات کب ہوئی۔۔۔؟"

"اس گھر میں جب آپ سے پہلی بار ملنے آیا تھا۔۔۔"

"اس کے بعد اس نے تمہارا جسمانی قرب کیسے حاصل کیا۔۔۔؟"

"بے حواسی کے عالم میں۔۔۔" میں نے جواب دیا۔

"سنو۔۔ میں تمہیں بے گناہ سمجھتا ہوں اور میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے لیکن اس احسان کے بدلے تم مجھ سے ایک وعدہ کر سکتے ہو۔"

"کیسا وعدہ۔۔۔؟"

"میں موت کے قریب ہوں۔ موت بہرحال مجھے آنی ہے۔ میں خود بھی اب جینا نہیں چاہتا لیکن ایک راز جو میرے سینے میں دفن ہے میں اسے تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے اس راز کو راز رکھ سکو گے۔۔۔"

"جی سیٹھ صاحب۔۔۔"

"تو پھر سنو۔۔۔"

"زمرد جان ایک بدروح ہے۔ اس کا تعلق ایک چھپکلی قبیلے سے ہے۔"

"چھپکلی قبیلہ۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔۔۔ بدروحوں کی دنیا میں یہ قبیلہ مخصوص حیثیت کا حامل ہے۔ میں بس تمہیں اتنا بتا سکتا ہوں کہ جس طرح اس نے مجھے تباہ و برباد کر دیا ہے اسی طرح وہ تمہیں بھی اس منزل تک پہنچا دے گی اور اس کے بعد اپنی زندگی کیلئے کوئی تیسرا ساتھی تلاش کرے گی۔ اس نے پہلے مجھے ختم کیا اور اب وہ تمہیں خاتمے کی جانب لے جا رہی ہے۔ اس وقت تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی جب تک تم بھی زندہ درگور نہ ہو جاؤ کیا تم ایک روح کے ہاتھوں ختم ہونا پسند کرو گے۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں سیٹھ صاحب۔۔۔؟"

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم۔۔۔؟"

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔ سننا پسند کرو گے۔"

"جی ضرور۔" اور پھر سیٹھ صاحب کسی سوچ میں ڈوب گئے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔۔۔

"تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے میں ایک چھوٹی سی آبادی میں رہتا تھا۔ وہ آبادی اس جگہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ میں وہاں کے سب سے بڑے زمیندار کا بیٹا تھا۔ بیس بائیس سال پہلے ہماری بہت بڑی زمین جائیداد تھی۔ پھر وہ جائیداد میرے نام منتقل ہو گئی تھی۔ میری ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ میرے والد نیک صفت کے مالک تھے۔ انہوں نے مجھے تعلیم دلوائی اور اس کے بعد ہاسٹل میں داخل کرا دیا۔ ان دنوں پیسوں کی کوئی کمی نہیں تھی میرے پاس۔ ہاسٹل میں بہت سے برے لڑکے میری جوتیوں پر پلنے لگے۔ ان کی بری صحبت میرے لئے بڑی دلکش تھی۔ انہوں نے میرے لئے مختلف آسائشوں کا بندوبست کر دیا تھا۔ میں غلاظتوں کی انتہا میں ڈوب گیا تھا۔ شراب اور گندے بازار میرا راستہ بن چکے تھے۔ پھر ایک شام میں اور میرے دوست ایک کار میں جا رہے تھے کہ ہم نے ایک بہت خوبصورت لڑکی دیکھی اور میرے دوستوں کی نیت خراب ہو گئی۔ ہم نے اس لڑکی کو پکڑ لیا۔ لڑکی بہت روئی چیخی چلائی لیکن بدی کے کان بہرے ہوتے ہیں اور ہم نے ایک معصوم کلی کو پامال کر دیا۔ اس نے ہمیں انتہائی بددعائیں دیں اور اس کے بعد اس نے ہمارے سامنے ہی خودکشی کر لی۔ نجانے کیوں میرے دل میں ایک عجیب سی خلش پیدا ہو گئی تھی۔ جب میں واپس آیا تو لڑکی کی چیخیں میرے کانوں میں گونجتی رہیں۔ ہم اپنے اس گناہ کو بھولنے کی کوشش کرتے رہے لیکن پھر جب وہ واپس آیا تو میرے شہر یعنی میری بستی میں ایک عجیب سا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ میرے والد کے بہت سے دشمن ان کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے اور اس کے بعد میں نے خود اپنے والد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا۔ یہ قتل میں نے کیوں کیا؟ میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ بس دیوانگی سوار ہو گئی تھی مجھ پر۔ بعد میں جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو دیوانہ محسوس کیا اور پھر مجھے زمرد جان مل گئی۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے ہم نے اپنی وحشت کی بھینٹ چڑھایا تھا۔ اس نے

مجھے اپنی آنکھوں کے سحر میں گرفتار کر لیا اور میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔"

"اور تم اب بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اچانک ہی مجھے عقب سے زمرد جان کی آواز سنائی دی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چھرا تھا۔ زمرد جان نے اس چھرے سے فیاض بیگ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور پھر مجھ سے بولی۔

"دیکھو--- بھکنے کی کوشش مت کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ چلو سنگل پور چلتے ہیں۔ چوہدری شہباز کے روپ میں۔ تمہیں سنگل پور میں رہنا ہے اور دوستو--- میں اس خوفناک عورت کے ساتھ آ گیا۔ یقین کرو یا نہ کرو میں ایک گناہ گار انسان ہوں اور آج اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا ہوں۔ اب باقی تمہاری مرضی ہے میرے ساتھ جو دل چاہے سلوک کرو۔ وہ شیطان عورت پھر نکل گئی ہے۔ کون جانے کب اور کہاں کس کی زندگی برباد کرنے کے لئے---؟ وہ کوئی نیا روپ دھار لے گی۔ چوہدری شہباز کی کہانی میں نے بھی سنی اور سر پیٹ کر رہ گیا۔ تعجب کی بات ہے جب تک یہ پراسرار واقعات میری زندگی میں شامل نہیں ہوئے تھے میں نے کچھ بھی نہیں سنا تھا ان کے بارے میں لیکن اب تو کہانیاں ہی نئی نئی سامنے آ رہی تھیں۔

میں اپنے عذاب میں گرفتار تھا۔ اپنی مشکل کے حل کیلئے نکلا تھا لیکن دوسروں کی مشکلیں میرے اردگرد پھیل گئیں تھیں۔ دل میں فیصلہ کیا کہ حویلی واپس چلوں۔ میرے دل میں تو بس ایک آرزو تھی۔ اپنے تینوں بھائیوں کو تلاش کروں۔ پتہ نہیں--- ماں بیچاری کا کیا حال ہو---؟ مجھے بھی تینوں بھائیوں کی طرح مردہ تسلیم کر لیا ہو۔ چنانچہ میں نے سنگل پور سے واپس حویلی آنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری صبح جب میں تیاریاں کر رہا تھا تو مجھے علم ہوا کہ چوہدری شہباز نے اپنے سر میں گولی مار کر خودکشی کر لی ہے۔ یہ ایک منحوس کہانی کا اختتام تھا جو زبردستی میری زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔

○

اس کے بعد میرا دل اس بستی میں ایک لمحے کو رکنے کو نہیں چاہا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے واپسی کا تذکرہ کر دیا تو خلیل خان وغیرہ مجھے کبھی نہیں جانے دیں گے۔ بستی میں اس کہانی کے چرچے پھیلے ہوئے تھے اور لوگ اس سلسلے میں میرا نام بڑی عزت و احترام سے لے رہے تھے۔ چوہدری شہباز کی موت واقع ہو گئی۔ زمرد جان نکل گئی تو میں خلیل خان کے پاس واپس آ گیا۔ دل میں یہ فیصلہ تو کر لیا تھا میں نے کہ اب خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ خلیل خان اپنے ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری تو بات ہی کچھ اور ہو گئی تھی۔ لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آنے لگے تھے اور میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ کچھ نہ ہونے کے باوجود یہ عجیب و غریب کھیل شروع ہو گیا۔ خلیل خان ہنسنے لگا۔

"بھائی--- اب تو میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا۔ کسی بھی طرح نہیں جانے دوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

"ارے نہیں--- کیسی باتیں کرتے ہو خلیل! تمہیں نہیں معلوم کہ میری زندگی کیا ہے۔"

"تم بتاتے تو معلوم ہوتا۔"

"میرے پیارے بھائی میں بس تمہیں اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ تمہاری تو مشکل حل ہو گئی لیکن میری مشکل ابھی تک حل نہیں ہوئی۔"

"تمہارے لئے اگر کوئی کام ہو تو ہمیں بتاؤ بھائی--- ہم تمہارے لئے زندگی بھر کیلئے حاضر ہیں---"

"بہت بہت شکریہ--- میرے لئے تو خلیل تم صرف دعائیں کر سکتے ہو۔"

دن کی روشنی میں وہیں رہا لیکن رات ہوتے ہی میں خلیل خان کی رہائش گاہ سے باہر نکل آیا۔ میں اس بستی میں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ چنانچہ سنسان رات میں میں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔۔۔ اب تو دل بہت پکا ہو گیا تھا اور ڈر دہشت نام کی یہ چیز دل سے نکلتی جا رہی تھی کیونکہ حالات ہی ایسے گزرے تھے لیکن یہ صرف میرا خیال تھا۔ انسان خوف و دہشت کا مجموعہ ہے۔ جذبات اور احساسات تو زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔ میں وہاں سے چلتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد آسمان پر چاند نکل آیا۔ ڈائری کے علاوہ اگر کوئی چیز میرے پاس ذہن میں آتی تھی تو یہ وہ تعویذ تھا جس کے بارے میں نجانے کیوں میرے دل میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس سے بڑا محافظ میرے پاس اور کوئی نہیں ہے۔ یہ تعویذ بھی میں اپنی زندگی کی طرح عزیز رکھتا تھا اور یہ بڑی عزت و احترام کے ساتھ میرے گلے میں موجود تھا۔ شاید عقیدہ ہی انسان کیلئے زندگی کا باعث بنتا تھا۔ یہ عقیدہ میری زندگی کا باعث تھا کہ جب تک یہ تعویذ میرے گلے میں موجود ہے کوئی بدروح مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ گویا اس تعویذ نے میرے اندر ایک نئے حوصلے کو جنم دیا تھا اور رات کی اس تاریکی میں سفر کرتے ہوئے مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ پھر دریائے سنگل میرے سامنے آ گیا۔ سنگل کے کنارے کنارے لمبی لمبی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ اکا دکا درخت بھی تھے۔ تھوڑے فاصلے پر پتھروں کی چٹانیں تھیں۔ رات کی تاریکی میں اس وقت جھاڑیوں کے قریب قریب سفر کرتے ہوئے اگر کوئی مجھے دیکھ لیتا تو مجھے بھی آوارہ روح سمجھ لیتا کیونکہ اس وقت کوئی ذی ہوش ایسے علاقوں میں سفر نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان جھاڑیوں میں درندے موجود تھے۔ ویسے بھی میں نے اپنا پستول لوڈ کر کے اپنے ساتھ رکھا تھا اور اس طرح رکھا تھا کہ کسی لمحے ضرورت پڑنے پر میں اسے نکال کر ہاتھ میں لے لوں۔ مگر بات اب بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کتاب کی چھپکلی کا قبیلے کی چھپکلی سے کیا تعلق ہے۔۔۔؟ یہ بڑی حیران کن بات تھی۔ یہی تمام باتیں سوچتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک تھوڑے فاصلے پر مجھے جھاڑیاں ہلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ جھاڑیاں ہلنے کا انداز ایسا تھا کہ اسے قدرتی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یعنی یہ کہ ہوا کا کوئی جھونکا اس طرح جھاڑیوں کو جڑوں کے پاس سے نہیں ہلا سکتا تھا۔ میرے

قدم رک گئے۔ میں نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ دریائے سنگل کے آہستہ آہستہ بہنے کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ باقی چاروں طرف خاموش سناٹا تھا۔ آسمان پر چاند پوری طرح روشن تھا اور یوں لگتا تھا کہ جیسے چاند کسی خاص واقعے کا منتظر ہو۔ میں اپنی اطراف دیکھتا رہا۔ دل نے بے اختیار چاہا کہ میں جھاڑیوں کے قریب جاؤں۔ ہمت کرتا ہوا آگے بڑھا۔ جھاڑیاں تھوڑے فاصلے پر تھیں۔ جیسے ہی میں نے آگے قدم بڑھائے چھن چھن کی آواز ابھری۔ مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کوئی بھاگ رہا ہے۔ میں زور سے چیخا۔۔۔

”رکو۔۔۔ رک جاؤ۔۔۔ رک جاؤ ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ میں کہتا ہوں رک جاؤ۔“ چھن چھن کی آواز ایک دم رک گئی۔ جس جگہ جھاڑیاں ہل رہی تھیں میں نے اس طرف نگاہیں جمائیں اور رفتہ رفتہ ایک چہرہ ذرا بلند ہوا۔ ایک سلگتا ہوا سا حسین چہرہ جس پر نظر آنے والی روشن آنکھیں مجھے زندگی سے بھرپور محسوس ہوئی تھیں۔ آہ۔۔۔ یہ تو وہی لڑکی تھی جسے میں پہلے بھی ایک بار دیکھ چکا تھا اور جو میرے دل پر اپنا نقش چھوڑ گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر زندگی مجھ پر اگر اس قدر تلخ نہ ہوتی تو شاید میں اس لڑکی کے خیال کو دل سے نہ نکال سکتا۔ وہ اتنی ہی حسین تھی۔ اتنی ہی بے مثال تھی۔ اس وقت میری ہمت بڑھ گئی۔ میں نے کہا۔۔۔

”رک جاؤ۔۔۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ براہ کرم رک جاؤ۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے ایک دم اس لڑکی کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور دوسرے لمحے میں نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے ہوا میں فائر کر دیا اور کہا۔۔۔

”اگر تم نہ رکی تو اس بار میں تمہارا نشانہ بناؤں گا۔ مجھے چھن چھن کی آواز کے ساتھ جھاڑیاں ہلتی محسوس ہو رہی تھیں اور میں تیز رفتاری سے ان جھاڑیوں کے ساتھ دوڑ رہا تھا اور ساتھ ساتھ چیختا بھی جا رہا تھا لیکن چھن چھن کی آواز نہ رکی اور پھر کچھ دیر کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ میں حویلی کے قریب پہنچ چکا ہوں۔ آہ۔۔۔ واقعی یہ تو بہت طویل فاصلہ میں نے لمحوں میں طے کر لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا سانس تھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور تیز دوڑنے سے میرے سینے میں

دکھن پیدا ہو گئی تھی لیکن میں اس لڑکی کا پیچھا کرنا چاہتا تھا۔ میں اسے قریب سے
دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے دل میں آرزو تھی کہ میں اس سے بات کروں کون ہے وہ۔۔۔؟
کیا چاہتی ہے۔ یہاں کیا کر رہی تھی۔۔۔؟ ایک بار میں نے اسے دریائے سنگل میں
بھی کودتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر کیا وہ زندہ بچ گئی۔ کیا وہ بھی کوئی روح ہے۔۔۔؟ انداز
تو ایسا ہی تھا۔ چھن چھن چھن چھن کی آواز حویلی کے قرب پہنچی اور حویلی میں گم ہو
گئی۔ میں تھوڑے فاصلے پر کھڑا چاروں طرف آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ میں آہستہ
آہستہ آگے بڑھا لیکن اس بار میں دروازے کے بجائے پچھلے دروازے پر آ گیا۔
احاطے کی دیوار کے قریب سے عمارت تک چھوٹے بڑے درخت اور خودرو جھاڑیاں
اس طرح پھیل گئیں تھیں کہ دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا اور راستہ تو بالکل ہی بند ہو کر
رہ گیا تھا۔ دیمک زدہ گیٹ کو تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دقت نہیں ہوئی تھی لیکن
نجانے کیوں اندر جانے کی ہمت نہیں پڑی اور میں عقبی دروازے سے واپس پلٹ
پڑا۔ پھر سامنے کی سمت آکر میں صدر دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ حویلی کے اندر
کا بھیانک ماحول جوں کا توں تھا۔ میری نگاہیں رامو کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ لیکن
حویلی میں ایسا سناٹا طاری تھا جیسے یہاں پر حشرات الارض بھی نہ ہوں۔ میں آہستہ
آہستہ آگے بڑھا اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ کچھ دیر
تک دروازے پر رک کر اندر کی آوازیں سننے کی کوشش کی لیکن وہی خاموشی۔۔۔
وہی سناٹا۔ چنانچہ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ کمرے کے ماحول میں کوئی
تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی پھر اس سے قبل کے میں مسہری پر بیٹھتا قدموں کی چاپ
سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔ شاید رامو آ رہا ہے۔ ایک منٹ۔۔۔ دو منٹ۔۔۔ تین
منٹ۔۔۔ انتظار کرتا رہا۔ قدموں کی چاپ اس طرح ابھر رہی تھی جیسے کوئی بہت دور
سے آ رہا ہو۔ سنسان حویلی میں دور کی آواز بھی با آسانی سنائی دے سکتی تھی لیکن
خاصا انتظار کرنے کے باوجود کوئی اندر نہیں آیا تو میں اٹھ کر دروازے پر پہنچا اور میں
نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ راہداری سنسان پڑی تھی لیکن قدموں کی
چاپ ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بھاری بھاری قدموں سے
فرش کو روندتا ہوا گزر رہا ہو۔ لیکن کون۔۔۔؟ میں ٹھنڈی سانس لیکر واپس اپنی جگہ

آ بیٹھا۔ بہرحال اس آسیب زدہ حویلی میں یہ ساری چیزیں غیر متوقع نہیں تھیں۔ ابھی
زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اچانک پھر مجھے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ لیکن اس بار
یہ آوازیں ایک سے زیادہ کی تھیں۔ میرے اندر ایک عجیب سا ہیجان برپا ہو گیا اور
میں دیوانوں کی طرح دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ باہر آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا تھا کہ
قدموں کی آہٹیں یقیناً قریب ہونے لگیں اور میں یونہی کھڑا زینے کی جانب دیکھتا رہا
لیکن چند لمحات کے بعد یہ محسوس کیا جیسے وہ آوازیں ڈوب رہی ہوں۔ میں تیزی سے
آگے بڑھا اور زینے تک آ گیا۔ ہال کا دروازہ بند تھا اور قدموں کی آوازیں آنی بند ہو
گئیں تھیں۔ کچن میں جانے والا دروازہ بدستور کھلا ہوا تھا لیکن میں یقین سے کہہ
سکتا تھا کہ قدموں کی وہ آوازیں اس طرح جا کر ختم نہیں ہوئی تھیں۔ کچن کے
دروازے کے علاوہ صرف ایک دروازہ ہال میں تھا بند تھا لیکن اچانک ہی میرے ذہن
میں ایک جھماکا سا ہوا۔ میں اس تہہ خانے کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ یہی ایک لمحہ
تھا جس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یعنی تہہ خانہ۔۔۔ پھر میری نگاہوں میں
حویلی کی پہلی رات گھوم گئی اور مجھے یاد آیا کہ میں نے وہاں اپنے تینوں بھائیوں کی
لاشیں یا مصنوعی لاشیں دیکھی تھیں۔ اور اس کے بعد انتہائی کوشش کر کے بھی میں
تہہ خانے کا راستہ نہیں پا سکا تھا۔ لکڑی کے خوبصورت مگر بوسیدہ ریلنگ کا سہارا لئے
ہوئے میں نے ایک بار پھر ہال کا بھرپور جائزہ لیا اور اس کے بعد نجانے کون سی قوت
مجھے نیچے اترنے پر مجبور کرنے لگی۔ میں ست قدموں سے ایک ایک سیڑھی عبور
کرنے لگا۔ ابھی میں آخری سیڑھی پر تھا کہ ایک بار پھر قدموں کی آہٹیں سنائی دیں
اور میں ٹھٹھک کر رک گیا۔ ہال کے درمیان میں رکھی بڑی سی گول آبنوس میز
خودبخود گھومنے لگی تھی اور میں حیرت سے کھڑا اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ میری
آنکھوں کا وہم ہو لیکن حقیقت کو وہم کہہ دینے سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔ ایک
ٹھوس حقیقت تھی یہ۔ میز چکر میں گھومتی ہوئی نصف دائرے میں گھوم گئی اور ٹھیک
اس وقت مجھے یوں لگا جیسے کچن میں جانے والا دروازہ بند ہو رہا ہے کیونکہ کمرے میں
اجالے سمٹتے جا رہے تھے۔ میں نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا اور اس لمحے میرا
دل اتنی زور سے دھڑکا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل جائے گا۔ آدھے کھلے ہوئے

دروازے کی درز میں سے جھانکنے والی دو آنکھیں خونخوار انداز میں مجھے گھور رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میری نگاہیں ان آنکھوں میں جم گئی ہوں۔ میری پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا اور میں انہیں دیکھتا رہا۔ قدموں کی آہٹیں آہستہ آہستہ ہال کے درمیان رکھی میز کے گردونواح میں دھمک پیدا کرتی۔ مجھے خوفزدہ کرنے کیلئے سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن اب میں ادھر رخ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ مجھے تو بس یوں لگ رہا تھا جیسے دونوں آنکھوں نے میرے ذہن کو اپنی قید میں لے لیا ہو۔ پھر چرچراہٹ کی آواز اس طرح گونجی جیسے برسوں کے بعد کسی بند دروازے کو کھولا جاتا ہے۔ پھر کسی کے زینے پر چڑھنے کی آوازیں کانوں میں آئیں۔ اور میں کوشش کے باوجود اپنی نگاہوں کو ان آنکھوں سے الگ کرنے میں نہ روک سکا۔ وہ خوفناک آگ برساتی ہوئی مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور میں ان کے سحر میں گرفتار تھا۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے کمرے میں گہرا اندھیرا ہو گیا ہو۔ جیسے پوری حویلی کو تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ قدموں کی آوازیں اب کمرے کے فرش کو روندتی ہوئی میری طرف آ رہی تھیں۔ کھٹ کھٹ--- کھٹ کھٹ--- کھٹ کھٹ--- پھر آنے والے نے اپنا بھاری پاؤں اس زینے کی پہلی سیڑھی پر رکھ دیا جس کی ریلنگ کا سہارا لئے ہوئے میں کھڑا ہوا تھا۔ آواز پھر آئی--- کھٹ کھٹ کھٹ--- وہ دوسری سیڑھی پر چڑھا اور میں اس وقت تک نہ دیکھ سکا اور پھر آوازوں کے ساتھ ہی کوئی زینہ طے کرتا رہا۔ پانچویں چھٹی سیڑھی پر چڑھنے کے ساتھ ہی مجھے یوں لگا جیسے کچن کی سمت والا دروازہ بند ہو رہا ہو۔ پھر دروازہ پوری طرح بند ہو گیا اور جیسے میں کسی بھیانک خواب سے چونک پڑا۔ آنے والا اب میرے بالکل قریب پہنچ چکا تھا اور اس لمحے کمرے کی تاریکیوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ پھر مجھے ایک عجیب بھیانک آواز سنائی دی۔

"سنو---" مجھے یوں لگا جیسے کسی نے بہت دور سے پکارا ہو۔ میں نے جلدی سے اس طرف دیکھا۔ کچھ دیر قبل گھورنے والی آنکھیں میرے سامنے تھیں اور وہ مجھے نظر آ رہا تھا۔ دھاری دار چغے میں ملبوس رامو مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور جھرجھری لے کر رہ گیا۔ لمبے لمبے نوکیلے سفید دانت اور آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ لیکن اتنا قریب ہونے کے باوجود نہ جانے

کیوں اس کے چہرے کے نقوش دھندلائے ہوئے تھے۔ پھر اس کی پھٹی پھٹی آواز ابھری۔

"آیئے چھوٹے سرکار---" میری نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ آواز رامو کی تھی لیکن چمکتے ہوئے سفید دانتوں میں کوئی لرزش نہیں ہوئی تھی اور آواز ایسی جیسے کہیں دور سے آئی ہو۔ پھر وہ واپسی کیلئے مڑا تو میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے جسم کے تار اس کے جسم سے بندھے ہوئے ہوں۔ میں ریلنگ کا سہارا لیکر سنبھل سنبھل کر قدم جماتا ہوا نیچے اترنے لگا جبکہ رامو بغیر سہارا لئے ہوئے ہولناک اندھیرے میں چلتا ہوا گول میز کے قریب آ گیا تھا۔ ایک بار پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"آیئے---" اور وہ میز کے درمیان بنی بوسیدہ زینے کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ میرے قدم ٹھٹھک کر رک گئے۔ یہ وہی زینہ تھا جس سے حویلی کی پہلی رات میں نیچے اتر کر پہنچا تھا مگر اس وقت ہال کمرے سے گزر کر نہیں گیا تھا اور نہ ہی بڑی میز کے درمیان سے یہ راستہ جاتا تھا پھر یہ کیا قصہ ہے---؟ میرے ذہن میں ایک لمحے کیلئے خیال آیا ہی تھا کہ رامو کی آواز نے پھر مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا---

"رک کیوں گئے چھوٹے سرکار--- آیئے---" اس نے پلٹ کر مجھے گھورا اور مجھے ایک دم سے جھرجھری سی آ گئی۔ نجانے کس طرح اچانک ہی میرے حواس جاگ اٹھے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ میں رامو کے سحر سے ایک لمحے کے اندر آزاد ہو گیا تھا۔ اس نے غالباً مجھے محسوس نہیں کیا تھا لیکن میں نے خاموشی سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ رامو پر پورا پستول خالی کر دوں گا اور اس کا جھگڑا ہی صاف کر دوں گا اس شخص نے مجھے خوف و وحشت کی اس منزل تک پہنچا دیا ہے کہ جینا ہی حرام ہو گیا ہے۔ فنا کر دوں گا میں اسے۔ مار ڈالوں گا۔ میں نے دل میں سوچا لیکن نجانے کیا ہوا کہ میرے ہاتھ نے میرا ساتھ نہیں دیا اور میں ارادہ کرنے کے باوجود اس پر فائر نہ کر سکا۔ پھر اس کی آواز ابھری---"

"چھوٹے سرکار--- بہت پریشان ہیں آپ۔"

"پریشان---"

"ہاں--- چھوٹے سرکار! آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ کو دیکھ نہیں رہا---"

"کیا--- دیکھ رہا ہے تو---" میں نے سوال کیا لیکن رامو نے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر بولا---

"آیئے آج میں آپ کو بڑے مالک کی دولت دکھاؤں۔ اتنی دولت شاید پوری زندگی آپ کی نظر سے نہ گزری ہو۔"

"دولت--- میرے منہ سے آواز نکلی۔"

"ہاں۔"

"بڑے مالک کی دولت۔"

"جی سرکار۔"

"اس کے بارے میں تجھے کیا معلوم---؟" میرے منہ سے آواز نکلی اور جواب میں مجھے ہلکی سی سیٹی سنائی دی۔ میرے پستول والا ہاتھ کپکپا رہا تھا اور ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی دباؤ ڈالنے سے قاصر تھی۔ میرا سارا وجود کوشش کے باوجود اس کے سحر میں جکڑا ہوا تھا اور میرے قدم اس کی ہدایت کے مطابق اٹھ رہے تھے۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا ہوا چھوٹے سے کمرے میں آ گیا۔ سامنے کے بوسیدہ دروازے کی درازوں سے روشنی کی لرزتی ہوئی دھندلی لکیریں باہر آ رہی تھیں۔ یقیناً یہ وہی چراغ روشن ہو گا جس کی کانپتی ہوئی لو نے ایک بار مجھے میرے بھائیوں سے ملایا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال ابھرا اور اچانک ہی میرے وجود میں ایک ہوک سی پیدا ہو گئی۔ میرے دل میں بے اختیار یہ تصور ابھرا کہ کاش--- آج بھی میں اپنے بھائیوں کی صورت دیکھ سکوں۔ کاش--- کاش--- لیکن رامو نے کچھ اور ہی کہا تھا۔ اس نے کہا تھا وہ مجھے میرے پردادا کی دولت دکھانے لے جا رہا ہے۔ کیا میرے پردادا کے پاس دولت بھی تھی۔ آہ--- کیا کیا کچھ ہے اس پراسرار حویلی میں---؟ دولت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میری دولت تو میرے بھائی تھے۔ اگر میرے بھائی مجھے مل جائیں تو میں یہ سمجھتا کہ ساری کائنات کی دولت مجھے مل چکی ہے۔ بہرحال رامو کمرے کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ پھر دروازہ کھولنے کیلئے اس کے ہاتھ چغے

سے برآمد ہوئے تھے اور دوسرے لمحے خوفناک تھرتھراہٹ پیدا کرتا ہوا دروازہ کھل گیا۔ اندر کمرے میں روشنی تھی۔ رامو مڑے بغیر اور مجھے مخاطب کئے بغیر اندر داخل ہو گیا لیکن ایسا لگتا تھا کہ جیسے اسے یقین ہو کہ میں یہاں سے کہیں فرار نہ ہوں گا اور کمرے میں ضرور آ جاؤں گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ دوسرے لمحے میں بھی کمرے میں تھا۔ میں نے کمرے کے ماحول پر نظر ڈالی لیکن آج نہ وہ قبریں تھیں جس پہ میرے بھائیوں کی کفنائی ہوئی لاشیں رکھی ہوئی تھیں اور نہ وہ تابوت جنہیں میں نے ان کی جگہ دیکھا تھا۔ رامو جنوبی سمت کی دیوار کے قریب میری طرف پشت کئے کھڑا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کے بعد وہ کیا کرنے والا تھا---؟ لیکن میرے دل میں اس کے لئے شدید نفرت تیار ہو رہی تھی۔ ایسی نفرت جسے میں کوئی معانی نہیں دے پا رہا تھا۔ آہ یہ منحوس وجود--- یہ منحوس وجود میرے لئے کتنا بڑا عذاب بن گیا ہے۔ کیا کیا مصیبتیں اٹھانی پڑ رہی ہیں مجھے۔ ان مصیبتوں سے چھٹکارہ پانے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ کیا کروں--- کیا کروں میں--- کیا کروں۔ ایک بار پھر میں نے اپنے حواس مجتمع کیے۔ میرے دل نے شدت کے ساتھ یہ چاہا کہ میں رامو کو ٹھکانے لگا دوں اگر یہ ناپاک وجود ختم ہو جائے تو ہو سکتا ہے اس حویلی کا سارا راز مجھ پر منکشف ہو جائے۔ ہو سکتا ہے مجھے اپنے بھائیوں کا پتہ بھی چل جائے۔ مجھے یہ لگ رہا تھا جیسے اس بدبخت وجود نے مجھ سے میرے بھائیوں کو جدا کر رکھا ہے۔ ورنہ ضرور مجھے ان کے بارے میں معلوم ہو جائے۔ یہ احساس میرے دل میں جڑ پکڑتا چلا گیا اور--- پھر نہ جانے کس طرح میری ہمت بڑھ گئی--- رامو کی پشت میری جانب تھی اور اس وقت میں وہ کر سکتا تھا جو میرے دل میں تھا۔ چنانچہ میں نے دانت کچکچا کر رامو کی طرف دیکھا اور اس کے فوراً بعد ایک فائر داغ دیا گولی کا دھماکہ ہوا اور میں خود بھی اچھل پڑا۔ میری آنکھیں رامو پر جم گئیں۔ میں نے اس کی پیٹھ پر دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ گولی رامو کی پیٹھ پر لگی تھی لیکن وہ یوں ہی کھڑا ہوا تھا۔ دھماکہ اور اس کی پشت پر بڑھنے والے وزن کے باوجود اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا البتہ اتنا ضرور ہوا تھا کہ اس کے چغے سے نکلے ہوئے ہاتھ اس وقت دیوار سے ٹک گئے تھے جیسے اس نے جھٹکے سے سنبھلنے کی کوشش کی ہو۔ میں نے دانت کچکچا کر دوسرا فائر جھونک دیا تھا۔ لیکن اس بار بھی

نتیجہ صفر ہی نکلا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے رامو کے جسم میں ارتعاش پیدا ہوا ہو۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ جلتے چراغ کی لو بڑی طرح کپکپا رہی تھی۔ رامو کوئی آواز پیدا کیے بغیر ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس لمحے دیوار خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک طرف ہٹنے لگی اور اس کے ساتھ ہی سفید روشنی کا ایک دائرہ سا کمرے میں رینگ آیا۔ میری نگاہیں دیوار کی دوسری جانب اٹھ گئیں۔ دیوار سرکتے ہی ایسا لگا تھا جیسے اس وقت دن نکل آیا ہو۔ یا ہم حویلی سے باہر نکل آئے ہوں۔ انوکھی چمک تھی وہ جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ رامو کو جیسے میری کسی حرکت سے کوئی دلچسپ نہیں تھی۔ اس کی آواز بالکل ویسی ہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے مخصوص پھٹے پھٹے لہجے میں کہا۔

"آیئے چھوٹے سرکار۔" میں شدت خوف سے چکرایا ہوا تھا۔ ہر کوشش ناکام ہو رہی تھی۔ مجھے بار بار یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں شدت کے ساتھ ناکامی سے دو چار ہوا ہوں۔ رامو تو انسان ہی نہیں ہے۔ وہ اپنا کام کر رہا ہے۔ وہ اپنا کام کرتا رہے گا اور میں اس پر قابو پانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ ایک بار پھر میرے قدم آگے بڑھ گئے۔ میرا پستول بالکل بے کار ثابت ہوا تھا اور مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ واقعی خبیث روحوں پر گولیاں اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ مجھے یقین تھا کہ میں ایسی طلسم گاہ میں آ کے پھنس گیا ہوں جہاں موت ہی موت ہر طرف موجود ہے۔ یہ ساری آبادی سنگل پور خبیث روحوں کی آبادی ہے۔ آہ۔۔۔ کاش کوئی مجھے بتا دیتا کہ حویلی کے گرد و نواح میں اب زندہ انسان نہیں رہتے بس۔۔۔ ماضی کی داستانیں رہ گئی ہیں۔ کون جانے وہ بستی جہاں خلیل خان تھا اور باقی تمام افراد موجود تھے بھی روحوں کی بستی ہو۔ جو کچھ واقعے میرے سامنے پیش آیا وہ ماضی کا کوئی واقعہ ہو اور اس کا حال سے کوئی تعلق نہیں ہو۔ کیا کرنا چاہیئے۔۔۔؟ کیا گھر واپس لوٹ جاؤں۔۔۔؟ زندگی بچا کر نکل جاؤں یہاں سے۔ اپنے بھائیوں کا صبر کر لوں۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔۔۔؟ لیکن بس یہی ایک کیفیت ایسی تھی جو مجھے روکتی تھی۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ یا تو میرے بھائی مجھے مل جائیں یا پھر میں بھی وہی داستان بن جاؤں جو واقعات ان لوگوں کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ یہ میرے دل کی آرزو تھی۔ اور میرا دل یہی چاہتا تھا کہ ایسا ہو جائے۔ اس کی ہدایت پر میں ایک بار پھر آگے بڑھا۔ دیوار عبور کرتے

ہوئے مجھے ایک اور جھٹکا لگا اور میں اپنا دایاں ہاتھ جھٹک کر رہ گیا۔ بس ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے جھٹکے سے میرا پستول چھین لیا ہو۔ مگر کس نے۔۔۔؟ وہاں تو اس وقت رامو بھی موجود نہیں تھا۔ وہ مجھ سے خاصے فاصلے پر تھا اور نہ ہی کوئی اور شخصیت۔ ایک سایہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس کسی نادیدہ ہاتھ نے دیوار کے دوسری جانب جاتے ہوئے میرے ہاتھ سے پستول چھین لیا تھا۔ میں لرز کر رہ گیا۔ پستول کے چھن جانے کا مطلب ہے کہ اب میں بے دست و پا ہو گیا۔ کوئی عمل بھی نہیں کر سکتا لیکن عمل پہلے ہی کون سا کار آمد ثابت ہوا تھا۔ میں نے رامو پر کئی بار فائرنگ کی تھی لیکن اس کا نتیجہ خود شرمندگی کے علاوہ کچھ نہیں نکلا تھا۔ اچانک ہی مجھے محسوس ہوا کہ رامو اس وقت میرے پاس نہیں ہے وہ کدھر گیا۔۔۔؟ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ دور دور سفید روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس روشنی میں ایک ایک چیز واضح نظر آ رہی تھی۔ رامو کہاں غائب ہو گیا۔۔۔؟ اچانک ہی میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ دیوار جو اپنی جگہ سے ہل گئی تھی واپس اپنی جگہ آ گئی تھی۔ میں حیرانی سے پلٹ کر دیوار کو دیکھنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اب اس کمرے کا قیدی بن گیا ہوں۔ کیا اس کھیل کا آغاز ہو گیا جو میرے بھائیوں کے ساتھ کھیلا گیا تھا۔ کیا انہیں بھی کسی ایسی جگہ لا کر قید کر دیا گیا تھا اور وہاں بھوک پیاس کی شدت سے انہوں نے دم توڑ دیا تھا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔؟ میں نے بڑی افسردگی کے ساتھ سوچا اور اپنی گردن مسلنے لگا لیکن گردن مسلتے ہوئے اچانک ہی میرا ہاتھ گردن میں پڑے ہوئے تعویذ سے ٹکرایا اور حقیقت یہ کہ میرے پورے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔ آہ۔۔۔ میرا محافظ۔۔۔ میرا محافظ یہ تعویذ میرے پاس موجود ہے۔ میں نے سوچتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا۔

○

کچھ دیر اسی طرح گزر گئی۔ دل کو ایک سکون حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن۔۔۔ جس ماحول میں موجود تھا اسے نظرانداز تو نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی نہ کوئی فیصلہ کن مرحلہ آنا چاہیے۔ فیصلہ کن مرحلے کے بغیر میرا عمل بالکل بے کار ہو سکتا تھا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ دور دور تک سفید روشنی پھیلی ہوئی تھی اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ اس روشنی میں ایک ایک چیز نظر آ رہی تھی۔ سب سے زیادہ حیران کن مرحلہ رامو کا غائب ہو جانا تھا اور میں اس کے بارے میں خاص طور سے سوچ رہا تھا لیکن اب بہرحال مجھے ہی عمل کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے قدم آگے بڑھا دیئے۔ یہ فیصلہ میں اب بھی نہیں کر پایا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور میرا اگلا قدم اور کیا ہونا چاہیے۔۔۔؟ قدموں کی آواز اس کے بعد پھر سنائی نہیں دی تھی لیکن اب میں ہوشیار ہو گیا تھا اور بڑی احتیاط سے اپنے قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ نجانے کیوں میرے دل میں یہ احساس ہوتا جا رہا تھا جیسے مجھے چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے قدموں کی وہ آواز۔۔۔ جو مدھم ہو گئی ہے صرف مدھم ہوئی ہے ختم نہیں ہوئی اور گھیرنے والے قدم میرے چاروں طرف موجود ہیں لیکن وہ کون تھے؟ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔۔۔؟ دل چاہا چیخ کر ان سے سوال کروں لیکن اچانک ہی مجھے ایک حسین آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو۔۔۔" میرے قدم ایک دم رک گئے۔ اتنی رسیلی' اتنی حسین آواز جس میں چاندنی کی گھنٹیاں بج رہی تھیں میں نے کہیں نہیں سنی تھی۔ اچانک ہی میرا دل چاہا کہ مڑ کر دیکھو لیکن ہمت نہیں پڑی اور میں اپنی جگہ کھڑا دھڑکتے دل کے ساتھ دوبارہ اس آواز کا انتظار کرنے لگا۔ یا تو مجھے یہ آواز سنائی دے یا پھر کوئی ایسا عمل ہو

جس سے واقعات آگے کی سمت قدم اٹھائیں۔ ایک لمحے کے بعد ہی مجھے یوں لگا جیسے کوئی میرے قریب سے گزرا ہو۔ کپڑوں کی سرسراہٹ' قدموں کی آواز بالکل میرے قریب سے گزری تھی۔ یہی عمل میری پشت اور دائیں بائیں سے ہوا تھا۔ پھر۔۔۔ میں نے محسوس کیا کہ تیز دودھیا روشنی اچانک اس طرف بڑھنے لگی ہو بالکل اس طرح جیسے کسی برقی قمقمے کے آگے کسی گتے کے ٹکڑے کو آہستہ آہستہ لائیں اور پھر اسے پورا ڈھک دیں۔ میرے چاروں طرف سرسراہٹوں کا رقص طاری تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے بدن سے جان کھینچ رہی ہو۔ جیسے پراسرار قوتوں کا پراسرار عمل میرے جسم سے زندگی کھینچ رہا ہو۔ میں بمشکل تمام قدم جمائے ہوئے کھڑا تھا اور سرسراہٹیں۔۔۔ نامعلوم سرسراہٹیں میرے گرد حلقہ باندھے رقص کر رہی تھیں۔ روشنی سمٹ سمٹ کر اندھیرے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ مجھے یہ احساس تھا کہ اب یہ رقص کرنے والے وجود میرے جسم سے ٹکرا جائیں گے۔ میں گر پڑوں گا لیکن۔۔۔ نہ تو کوئی مجھ سے ٹکرایا نہ میں اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش میں کامیاب ہو سکا پھر شاید۔۔۔ قدرت ہی کو میری حالت پر ترس آ گیا۔ گھپ اندھیرے میں سرسراہٹوں کا رقص دور ہٹنے لگا اور قدموں کی چاپ مجھے کہیں قریب سے سنائی دی پھر چند ہی لمحوں کے بعد میں نے آنکھوں کے سامنے ایک ہیولا سا محسوس کیا۔ مجھے یوں لگا۔۔۔ جیسے کوئی مجھ سے ذرا فاصلے پر آ کر رک گیا ہو اور وہی حسین دل کو اپنی مٹھی میں لے لینے والی آواز میرے کانوں میں گرنجی۔۔۔

"آؤ۔۔۔" اور اس کے بعد قدم آگے اٹھنے لگے۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے پاؤں کسی نے رسی سے باندھ دیئے ہوں اور رسی آگے پیچھے کھچ رہی ہو۔ میں اسی طرح قدم بڑھا رہا تھا اور اس میں میری قوت ارادی کو دخل نہیں تھا۔ اب میری آنکھوں کے سامنے کوئی منظر نہیں تھا۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے میرا بدن ہوا میں سفر کر رہا ہو۔ پاؤں البتہ خودبخود آگے بڑھ رہے تھے اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں ذہن سے دور ہو گئی تھیں۔ پھر مجھے یوں لگا۔۔۔ جیسے پیروں کی جگہ نیچے گڑھے آ رہے ہوں۔ راستہ ناہموار ہو لیکن تاریکی۔۔۔ چاروں طرف گھور تاریکی اچانک ہی میرا پاؤں کسی گہرائی میں جا پڑا۔ دونوں ہاتھوں سے میں نے کسی ایسی چیز کا سہارا لینے کی کوشش کی

جو میرے گرتے ہوئے وجود کو سنبھال لے لیکن میں نہ سنبھل سکا۔ لڑکھڑایا ---- اور اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش ہیں ناکام ہو گیا۔ میں زمین پر گر پڑا اور پھر کی ڈھلان میں لڑھکنے لگا۔ ڈھلان اتنا سیدھا اور سپاٹ تھا کہ میں کوشش کے باوجود گرنے کے عمل کو نہ روک سکا اور پھر مجھے یوں لگا جیسے میں رک گیا ہوں لیکن جس جگہ میں رکا تھا وہاں زمین سپاٹ تھی۔ آنکھیں چونکہ گھومنے کی وجہ سے چکرا گئی تھیں اس لئے ایک لمحے کیلئے بند ہو گئیں۔ دماغی قوتیں بحال ہو گئیں۔ مجھے یوں لگا جیسے اس گرنے سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔ البتہ سپاٹ زمین پر میں رک گیا تھا۔ پہلے تو میں نے ہاتھوں سے ٹٹول کر اس زمین کو دیکھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ گرنے کا عمل دوبارہ تو نہیں شروع ہو جائے گا اور جب مجھے مکمل طور پر زمین پر ٹھہرنے کا احساس ہوا تو میں نے آنکھیں کھول دیں اور مجھے اپنے چاروں طرف دیواریں محسوس ہوئیں۔ ہاں -- یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو مکمل طور پر روشن تھا۔ حیران ہونے کی تو اب گنجائش ہی نہیں تھی ---- اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا جو کچھ ہوا ہے ان میں ان ہی پراسرار قوتوں کا دخل ہے جو میرے اردگرد بکھری ہیں۔ لیکن شاید ان کے لئے میں بھی ایک ٹیڑھی کھیر ہی ثابت ہوں گا۔ اس سے پہلے ان ہولناک واقعات کا سامنا کر کے شاید کوئی ہی یہاں رکا ہو۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ دل کی قوتوں کا بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ انسان ان قوتوں کو کیسے برداشت کر سکتا ہے جو اس کی سمجھ ہی میں نہ آئیں۔ ایک کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آ جاتا ہے جو دماغ کی چولیں ہلا دیتا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ میرے دادا یا پردادا ---- حیدر شاہ نے جو حویلی بنوائی تھی وہ اس دنیا کا سب سے بڑا عجوبہ ہو سکتی ہے چونکہ حیدر شاہ نے جو کام کیا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ بس ایک طرح سے یہ کہنا چاہیے کہ انہوں نے یہ حویلی آسیبوں ہی کیلئے بنوائی تھی۔ ویسے بھی اس جگہ کے بارے میں یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ پہلے یہاں کوئی شمشان گھاٹ تھا جہاں ہندو مردے جلائے جاتے تھے ---- اور ہندوؤں کے رسم و رواج میں ارواح خبیثہ کو ایک خاص دخل حاصل ہے ---- لیکن یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ ان کے ہاں سے یہی خبیث روحوں کا تصور دنیا میں آیا ہے ---- رامو کے بارے میں بھی مجھے علم ہو چکا تھا کہ وہ بہت پہلے

مر چکا ہے بس ذرا سا شبہ اس بات کا تھا ---- کہ جس شخص نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا وہ بھی عجیب و غریب ہی تھا ---- کون سچا ہے کون جھوٹا لیکن بہرحال اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رامو کا پراسرار کردار میری نگاہوں میں اچھی طرح آ چکا تھا اور وہ اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ ایک بھیانک حیثیت سے میرے سامنے تھا۔ میری نگاہیں کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ سامنے کی دیواروں پر خوبصورت لکڑیوں کی الماریاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک نگاہ چاروں طرف دوڑائی پھر میری نظریں اسی میز پر پڑیں جس کے قریب ہی مجھے کوئی کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا ---- میرے دماغ میں ایک دھماکا سا ہوا اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بیٹھے ہوئے وجود کو دیکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس کے بدن کے دھاری دار چغے نے جو اس کے پیروں کو چھو رہا تھا میرے ذہن میں ایک ہی نام کی گونج پیدا کی تھی۔ رامو یہ سو فیصد رامو ہی تھا میری نگاہیں اس پر جم کر رہ گئیں اچانک ہی رامو کی آواز ابھری۔

”میں اپنا وعدہ پورا کرنے کیلئے یہاں لایا ہوں ---- چھوٹے سرکار۔“ یہ آواز میرے لئے بڑی وحشت ناک تھی اور اب تو اس آواز کو سن کر میرا کلیجہ ہی الٹنے لگا تھا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ---- اور اسی طرح خاموشی سے وہ اپنے جگہ پڑا رہا البتہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کونسے وعدے کی بات کر رہا ہے وہ۔ مگر مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ زبان کھولوں لیکن اس وقت کچھ ایسی کیفیت تھی میری کہ میری زبان بھی تھکن محسوس کر رہی تھی۔ رامو کے کرسی سرکانے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا ----

”آپ نے جواب نہیں دیا -- چھوٹے سرکار۔“ میں نے پھر زبان کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن کمبخت ---- نجانے کیا ہو گیا تھا زبان تھی کہ اپنی جگہ سے جنبش ہی نہ کر پا رہی تھی ---- رامو چند لمحات اپنی جگہ کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ میری آنکھیں اس کی آنکھوں سے البتہ جمی ہوئی تھیں وہ مسکراتا ہوا وہاں سے آگے بڑھا اور ایک الماری کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے الماری کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ معمولی سی آواز پیدا ہوئی اور اس کے بعد کمرے میں ایک عجیب سی جگمگاہٹ پیدا ہو گئی۔ الماری کے

خانے سے ایک انوکھی روشنی نمودار ہوئی تھی جو میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یہ
رنگین روشنی ایک سحرزدہ کیفیت رکھتی تھی۔ اور کچھ لمحوں کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ
الماری کے اس خانے میں ہیرے رکھے ہوئے ہیں۔ انتہائی بیش قیمت ہیرے۔۔۔
رامو سامنے سے ہٹ گیا جیسے وہ مجھے یہ ہیرے دکھانا چاہتا ہو۔ بے شک میں نے
ہیرے دیکھے تھے لیکن میرے ذہن میں حیرت کے سوا اور کوئی تاثر نہیں تھا۔ ابتدا ہی
سے میں ایک معتدل نوجوان تھا۔ میں نے کبھی دولت کے حصول کیلئے ایسے خواب
نہیں دیکھے تھے جو انسانی اقدار کو پامال کرتے۔ دولت زندگی کی ایک اہم چیز ہے لیکن
اتنا بھی نہیں کہ اس کے لئے انسان اپنا اور دوسروں کا آرام چین کھو دے۔ میں نہیں
جانتا تھا کہ میرے بھائیوں کی اس سلسلے میں کیا حیثیت تھی۔ میں اپنی بات کر رہا ہوں
کہ میں نے زندگی میں کبھی دولت کے حصول کیلئے کبھی دیوانگی کی حد میں داخل ہونے
کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ رامو کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ یہ ہیرے مجھے دکھانا چاہتا
ہو۔ اس کے بعد اس نے اس الماری کے پٹ کو کھلا چھوڑ دیا اور دوسری الماری کی
جانب بڑھ گیا۔ اس الماری کا دروازہ اس نے کھولا تو سنہری روشنی چاروں طرف پھیل
گئی۔ یہ سونے کے بسکٹ تھے جو پوری الماری میں اوپر سے نیچے تک چنے ہوئے تھے۔
وہ ان کے سامنے سے ہٹ گیا اور اس انداز میں مجھے دیکھتا رہا جیسے ہر چیز کی نمائش کر
رہا ہو اور یہ سب کچھ صرف میرے لئے ہی ہو۔ کیا کر رہا ہے وہ۔۔۔؟ کیا دکھانا چاہتا
ہے وہ مجھے۔۔۔؟ الماریاں کھولنے کے بعد وہ ایک آخری الماری کے پاس پہنچا اور
وہیں کھڑا ہو کر دیر تک سوچتا رہا۔ الماریوں میں دنیا کا بیش قیمت خزانہ موجود تھا لیکن
اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے سامنے قسم کھا سکتا ہوں کہ اس خزانے کو میں صرف
اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے میں ایک تماش بین کسی چیز کو دیکھتا ہے۔ یا۔۔۔ ہم چالیس
چوروں کی غاروں میں جواہرات کے انبار دیکھتے ہیں جو لازمی طور پر مصنوعی ہوتے ہیں
اور کھل جا سم سم کے نام سے ظہور میں آتے ہیں۔ میرے دل میں ان میں سے ایک
چھوٹا سا پتھر بھی حاصل کرنے کی خواہش بیدار نہیں ہوئی تھی بلکہ میں تو صرف سوچ
رہا تھا کہ۔۔۔ کمبخت رامو مجھے کیا دکھانا چاہتا ہے۔۔۔؟ البتہ اس آخری الماری کو
کھولتے ہوئے وہ کافی الجھا ہوا نظر آیا تھا اور پھر جب اس نے اسے کھولا تھا تو دیر تک

ں کے سامنے سے نہیں ہٹا تھا۔ مجھے ایک بات کا اندازہ ضرور ہو گیا کہ رامو کی کوئی
وئی کمزوری اس الماری میں پوشیدہ ہے۔ وہ الماری کے سامنے سے اس طرح نہیں
ٹا جیسے دوسری الماریوں کے سامنے سے ہٹ گیا تھا بلکہ۔۔۔ دیر تک کھڑا پھٹی پھٹی
نکھوں سے اس الماری کو دیکھتا رہا تھا۔ ہر چند۔۔۔ کہ اس کی پشت میرے سامنے
ا لیکن مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ رامو کی الماری میں ایسی کوئی بات ضرور ہے جو
ہ میں نہ آنے والی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔ پھر
یک ہی اس نے جھٹکے سے الماری بند کر دی۔ میرا خیال تھا کہ وہ رخ بدلے گا لیکن
ں نے اپنا رخ اسی طرف رکھا تھا اور اس کی پھٹی پھٹی آواز ابھری تھی۔
"دیکھا چھوٹے سرکار! کتنی دولت ہے یہاں۔" اچانک ہی میری زبان کھل گئی
۔ یوں لگا جیسے میری چپکی ہوئی زبان کسی نے کھول دی ہو۔ میں نے اس سے
۔۔۔

"واقعی۔۔۔ بہت بڑی دولت ہے تمہارے پاس۔۔۔ کیا یہ تمہاری ملکیت
ہے۔۔۔؟" رامو نے اب بھی رخ نہیں بدلا۔ اس کا رخ الماری کی جانب تھا۔ میں
اپنے بدن کو جنبش دینے کی کوشش کی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔۔۔
"تم نے مجھے بتایا نہیں رامو! کیا یہ تمہاری ملکیت ہے۔۔۔؟"
"آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔؟ چھوٹے سرکار۔"
"میرا کوئی خیال نہیں ہے لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں رامو! مجھے اس
ت کو دیکھ کر حیرت ضرور ہوئی ہے لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے اس سے کوئی
ئی ہے تو اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ میں ایسی کسی دولت پر تھوکتا بھی
ں ہوں۔" اچانک ہی رامو کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ آزاد ہو گیا اور فضا میں
تعاش سا پھیل گیا۔ اس کے بعد اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔
"آپ سے پہلے آنے والوں نے بھی یہی کیا ہے سرکار! لیکن۔۔۔"
"لیکن کیا۔۔۔؟" میں اب اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"سرکار! یہاں سب اسی دولت کے چکر میں آتے ہیں۔"
"سب۔۔۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

ہاں سرکار! دولت کمبخت ہے ہی ایسی چیز—— انسان اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دیتا ہے اور وہ اس کے ہاتھ نہیں آتی یا ساری زندگی اس کے حصول کی کوشش میں گزار کر اسے پاتا ہے تو اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔"

"کتنے لوگ اس سلسلے میں آچکے ہیں یہاں پر—— رامو۔"

"اتنے—— کہ لسٹ نہیں بتائی جاسکتی۔" رامو نے جواب دیا۔

"مطلب۔"

"اب کیا مطلب بتائیں سرکار—— کیا مطلب بتائیں۔"

"دیکھ رامو! بہت کھیل کھیل چکا ہے تو میرے ساتھ۔ بہت کھیل چکا ہے تو میرے ساتھ رامو اور جب انسان اپنے حالات سے اکتا جاتا ہے تو پھر وہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جس سے ایک ہی کام ہوتا ہے۔ ریل یا جیل۔" رامو ایک بار پھر اسی انداز میں ہنس پڑا تھا پھر اس نے کہا——

"سرکار! ہم تو ایک بات جانتے ہیں۔"

"وہ کیا——؟"

"حویلی کا راز لوگوں کو کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟"

"حویلی کا راز۔"

"آپ اسے حویلی کا راز کہہ لیجئے—— یا ڈائری کا راز کہہ لیجئے سرکار! بات ایک ہی ہے۔" اس نے کہا اور اچانک میری جانب مڑ گیا۔ روشنی میں بھی اس کی خوفناک آنکھیں اس وقت آگ برسا رہی تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کی ان آنکھوں کو دیکھ کر میرے وجود میں شدید کپکپی دوڑ گئی۔ اور—— میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ رامو کی آنکھیں آگ اور خون برسا رہی تھیں۔ میں کوشش کے باوجود اس کی آنکھوں میں آنکھیں قائم نہ رکھ سکا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر میں نے اس میز کا سہارا لیا جو تھوڑے فاصلے پر ہی تھی اور جس کے پیچھے تھوڑی دیر پہلے رامو بیٹھا ہوا تھا۔

"اگر تو مجھے اجازت دے رامو! تو میں اس کرسی پر بیٹھ جاؤں۔"

"کرسی پر نہ بیٹھو چھوٹے سرکار! کرسی پر بیٹھنے کے بعد کوئی اس پر سے ہٹتا نہیں ہے اسے ہٹایا جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس کرسی پر کوئی بیٹھے——"

"یہ کرسی تیری ملکیت ہے رامو۔"

"ان باتوں کو چھوڑیں—— چھوٹے سرکار! وہ بات کریں جو کام کی ہے۔ میز پر بیٹھ جائیے۔" رامو نے اجازت دے دی۔ میں—— جو اپنے پیروں کو کسی قدر بے جان محسوس کر رہا تھا آگے بڑھ کر میز پر بیٹھ گیا اور میں نے کہا——

"رامو—— اگر تو مناسب سمجھے تو کم از کم مجھے کچھ تو بتا—— کچھ تو بتا دے مجھے رامو—— میں تو بے گناہ ہی الجھنوں کا شکار ہو رہا ہوں۔ اگر تو حالات کو جانتا ہے اگر تجھے ساری حقیقتیں معلوم ہیں رامو—— تو تو یہ سمجھ لے کہ میں کسی بھی طور پر تیرا دشمن نہیں ہوں۔ میں تفصیل سننا چاہتا ہوں۔ مجھے تفصیل بتا۔ کیا سمجھا——؟ اور اگر نہیں بتانا چاہتا تو تجھ سے جو کیا جائے کر لے میں تو ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کا فیصلہ کر ہی چکا ہوں۔ کیا ہو گا زیادہ سے زیادہ اس کوشش میں میری زندگی ہی چلی جائے گی نا——؟ مجھے زیادہ پرواہ نہیں ہے رامو—— میرے تین بھائی گم ہو چکے ہیں ہو سکتا ہے کہ میری ماں مجھے بھی صبر کر چکی ہو۔ مجھے یہ منظور ہے میں نے تو اپنے جہاز جلا دئے ہیں۔ میں اپنے بھائیوں کا پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں اس کے علاوہ مجھے اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہے رامو—— تو مجھے تفصیل بتا۔"

"سچ کہہ رہے ہیں چھوٹے سرکار! تفصیل تو ہمیں بھی نہیں معلوم۔"

"کیا مطلب——؟"

"ہاں—— اگر آپ وہ ڈائری ہمیں دے دیں تو یقیناً ہم آپ کے تمام سوالات کے جوابات دے دیں گے۔"

"ڈائری۔"

"جی چھوٹے سرکار۔"

"کونسی ڈائری——؟" میں نے کہا۔

"وہی جو آپ گھر سے لے کر چلے تھے اور جو اس وقت بھی آپ کے پاس موجود ہے نہ جانے کیوں میرے جسم میں اس وقت سرد لہریں دوڑ گئیں۔ میں اس ڈھلان پر گر پڑا تھا اور اس کمرے میں آگرا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک میں نے اس ڈائری پر غور نہیں کیا تھا۔ میرے کوٹ کے اندر ڈائری ہمیشہ ہی محفوظ رہتی تھی

اور اس کا وزن مجھے اپنے سینے پر محسوس ہوتا تھا۔ اگر میں کھڑا ہوتا تھا تب بھی ڈائری میرے سینے سے لگی رہتی تھی لیکن اس وقت ـــ مجھے اچانک یوں لگا تھا جیسے ڈائری کا لمس ـــ اس کا بوجھ میرے سینے پر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ بے اختیار کوٹ سے لگے اور دوسرے لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا خیال صحیح ہے۔ آہ ـــ ڈائری میری جیب میں نہیں تھی۔ میں نے دیوانوں کی طرح کوٹ میں ہاتھ ڈال کر ڈائری کو ٹٹولا لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد میرے اس خیال کی تصدیق ہوگئی کہ ڈائری میرے پاس نہیں ہے۔ خوف و دہشت سے میرا دل دھڑکنے لگا۔ آہ ـــ شاید اس سے زیادہ خوف کے لمحات مجھے کبھی نہیں محسوس ہوئے تھے۔ آخر کار ان خبیث روحوں نے مجھ سے ڈائری چھین ہی لی۔ میرا چہرہ پسینے سے تر ہوگیا۔ آنکھیں غم کا شکار ہوگئیں۔ اس ڈائری کو تو میں نے زندگی کی طرح سنبھال کر رکھا تھا۔ اس ڈائری کا راز تو میری زندگی کا بہت بڑا حصہ تھا لیکن میں یہ راز کھو چکا تھا۔ میں خبیث روحوں کے جال میں پھنس چکا تھا۔ میرے چہرے پر مایوسی کی لکیریں دوڑ گئی تھیں اور پھر میں نے افسردہ نگاہوں سے رامو کو دیکھا۔ رامو بدستور مجھے گھور رہا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ اس نے کسی قدر بے چینی سے کہا ـــ

"ڈائری کہاں ہے ـــ؟" میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن میرا حلق شدت غم سے بند ہوگیا۔ رامو نے بے چینی سے قدم آگے بڑھایا اور بولا ـــ

"میں پوچھتا ہوں کہ ڈائری کہاں ہے ـــ؟"

"ڈائری ـــ ڈائری میرے پاس نہیں ہے۔" کمینے' کتے ـــ ڈائری تیرے ہی پاس ہو سکتی ہے۔ اب تو مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کتے ـــ ذلیل ڈائری مجھے واپس کر دے۔ مجھے بتا وہ کہاں ہے ـــ؟ اچانک ہی رامو کے چمکیلے دانتوں میں لرزش ہوئی اور اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ بدصورت ہوگیا۔ وہ انتہائی خوفناک نظر آ رہا تھا۔ میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اب چند ہی لمحوں کے بعد" مجھ پر جھپٹا مارے گا اور میرے سارے وجود کو چیتھڑے چیتھڑے کر دے گا۔ پھر اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا ـــ

"ابھی تم کیا کہہ رہے تھے ـــ؟"

"میں کہتا ہوں ـــ بکواس بند کر۔ مجھے بتا صرف ـــ بتا کہ ڈائری کہاں ہے ـــ؟"

"تم تو کہہ رہے تھے چھوٹے سرکار کہ اس دولت سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تھوکتا ہوں میں تیری دولت پر ـــ تھو' تھو' تھو ـــ" میں نے غصے سے تین بار تھوک دیا اور رامو کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے کہا۔

"چھوٹے سرکار! آپ کو ڈائری کے کھو جانے کا بہت افسوس ہے نا مگر یہ بتایئے ـــ کہ اس کا افسوس کیوں ہے آپ کو ـــ؟" رامو کی شعلہ بار آنکھیں میرے بدن میں سوراخ کر رہی تھیں اور آواز اس وقت یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ آواز اس کے حلق سے ہی نکلی ہے یا کہیں اور سے آئی تھی۔ مجھے خاموش پا کر اس نے رخ تبدیل کیا اور پھر ان تمام الماریوں کو ایک ایک کر کے بند کرنے لگا۔ جب اس نے آخری الماری بھی بند کر دی تو میری جانب مڑا اور اس کے بعد بولا۔

"چھوٹے سرکار! یہ بھی اس ڈائری ہی کا کرشمہ ہے جو میں نے آپ کو اس عظیم الشان خزانے کے درشن کرائے ہیں۔" یہ الماریاں کھول کر آپ کو دکھائی ہیں ورنہ اس کمرے تک پہنچنا ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔"

"ہم سے تمہاری کیا مراد ہے ـــ؟" میں نے خود پر کسی قدر قابو پا کر کہا۔ میرے اس سوال کا رامو نے فوراً ہی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ بڑی دیر تک پراسرار انداز میں مجھے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا ـــ

"ہم سے مراد وہ ہیں چھوٹے سرکار! جو مر کر امر ہو گئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں کی چمک میں اور اضافہ ہوگیا تھا لیکن اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا ـــ

"مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے رامو ـــ؟ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ تمہارا اگر یہ مطلب ہے کہ کوئی اچھے کام کر کے زندہ جاوید ہو گیا ہے تو اس کا تصور تو میرے مذہب میں موجود ہے لیکن کوئی مرنے کے بعد روح کی شکل میں اس دنیا میں موجود ہے وہ کم از کم میرے مذہب کی مطابق نہیں ہے اور میں اسے نہیں مانتا ـــ"

"مانو گے چھوٹے سرکار ابھی تھوڑی دیر کے بعد مان جاؤ گے ـــ سب کچھ مان

جاؤ گے--- صرف تھوڑی دیر کے بعد۔" وہ اپنے سفید دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے
بولا اور میرے بدن پر کپکپاہٹ دوڑ گئی۔ اس کے کہنے کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے مجھے
دھمکی دے رہا ہو۔ بات وہی تھی بار بار خود کو سمجھانے کی کوشش کرتا تھا اور بار بار
دل کو یہ سمجھاتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے---؟ جس طرح میرے بھائی
زندگی سے محروم ہو گئے ہیں اسی طرح یہ بدبخت روح مجھے بھی فنا کر دے گی۔ اس
سے کیا فرق پڑتا ہے۔ زندگی کو آخر کار ایک دن موت کا مزہ تو چکھنا ہی ہوتا ہے۔ کیا
ہو گا زیادہ سے زیادہ---؟ ماں بیچاری ویسے ہی اب تک نجانے کس حال میں ہو
گی---؟ پہلے ہی اس کے دل پر زخم ہی زخم لگے ہوئے تھے ایک اور زخم لگ جائے
گا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس نئے زخم کے لئے وہ اب تک زندہ بھی ہو گی یا اپنے
آخری بیٹے کی موت کا داغ سینے میں لئے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہو گی۔ جو
ہو گا دیکھا جائے گا۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے سوا کیا کر سکتا تھا---؟ اس دوران رامو
بہت عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو۔ میں نے
خوف سے آنکھیں بند کر لیں لیکن ذہن میں بدروحوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔
نجانے اب یہ میرا کیا حشر کریں میں نے سوچا۔ رامو کی آواز نے ایک بار پھر مجھے چونکا
دیا۔

"سنو چھوٹے سرکار! آنکھیں بند کر لینے سے بلی بھاگ نہیں جاتی۔ آنکھیں
کھولو--- صحیح صورتحال کا مقابلہ کرو۔ وہ کرو جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ میں تمہیں
بتاتا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہے---؟ گر تم نے یہ بات نہ مانی چھوٹے سرکار! تو پھر
ہمارے پاس وہ طاقت بھی ہے کہ ہم تمہیں زبردستی اپنے ہر کام کیلئے مجبور کر دیں۔
میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا وہ کچھ قدم اور آگے آ گیا تھا اور اب مجھے اس کا
بھیانک وجود بالکل اپنے آگے محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے لرزتی آواز میں پوچھا۔"
"کیا چاہتے ہو؟" رامو کچھ لمحے سوچتا رہا پھر یوں لگا جیسے اس کے ذہن میں کوئی
شیطانی خیال آیا ہو۔ اس کے مکرو ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کچھ کہنے
کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ ایک آواز آئی۔
"چھن--- رامو ایک لمحے کیلئے رک گیا تھا--- چھن کی آواز کمرے میں ایک

کونے سے ابھری تھی اور میں بری طرح چونک کر اس طرف دیکھنے لگا تھا اور کمرے
میں اس وقت رامو کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ رامو صرف ایک لمحے کیلئے رکا
تھا اور اس کے بعد اس کے اجڑے ہوئے جبڑے تمسخرانا انداز میں پھیل گئے تھے اور
خون چھلکاتی آنکھیں مجھے وحشت زدہ کر رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ صورت حال
سے پوری طرح مطمئن ہو--- چھن--- چھن--- چھن چھن۔ کمرے میں گونج کی
آوازیں تو اب ہر طرف سے آنے لگی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے بہت سی رقاصائیں
پیروں میں گھنگروں باندھے کمرے میں گھس آئی ہوں۔ گھنگرو کی آواز کے ساتھ ہی
قدموں کی آواز بھی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز کسی ایک عورت کے
پیروں میں بندھے گھنگروں کی ہے یا بہت سی عورتوں کے پیروں کی' لیکن گھنگرو پر ایک
ردھم کے ساتھ چھنکنے لگے تھے۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی کمرے میں رقص کر رہا ہو۔
ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اس سے ملتی جلتی گھنگروں
کی آوازیں نے پہلے بھی سنی تھی۔ میں نے اس نادیدہ رقص کو نظرانداز کر کے رامو
سے کہا---

"تم نے میری اس بات کا جواب نہیں دیا رامو۔"
"جواب ضرور ملے گا چھوٹے سرکار۔" صرف چند منٹ انتظار کر لیں رامو کے
بھیانک چہرے پر مسکراہٹ بدستور چھلک رہی تھی اور اپنی چمکیلی نگاہوں سے میرے
قرب و جوار میں دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آسودگی تھی جیسے گھنگروں والیاں یا
گھنگرو والی اسے نظر آ رہی ہو۔ ایک بار پھر میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"مجھے بتاؤ رامو! کیا چاہتے ہو---؟ جواب دو یہ کون ہے جس کے پیروں میں
بندھے ہوئے گھنگروں کی جھنکار میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ مجھے جواب دو۔"
"دیکھتے رہو سرکار--- دیکھتے رہو چھوٹے سرکار! جواب میں تمہیں نہیں دوں
گا۔ جواب تمہیں وقت دے گا۔ صرف کچھ دیر انتظار کر لو کچھ دیر کا انتظار۔ پھر
جواب ہی جواب---" میرا دماغ چیخ رہا تھا۔ یہ انتظار میرے لئے برسوں سے کم نہیں
تھا۔ رقص کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے پھر کہا---
"رامو! اسے روکو--- کون ہے یہ---؟ یہ سب کیا ہے---؟ اور تم---"

میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکا۔ رقص میرے بالکل قریب ہو رہا تھا اور مجھے یو
لگ رہا تھا جیسے کسی رقاصہ کی آؤٹ لائن میرے قریب رقصاں ہو۔ اس کا وجود میر
نگاہوں میں نہ آ رہا ہو لیکن آؤٹ لائن سے مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی نوجوا
اور نوخیز رقاصہ ہے جو سفید لباس میں ملبوس ہے لیکن پھر یہ آؤٹ لائن بھی بڑھتی چ
گئی۔ سفید براق جیسے کپڑوں میں ملبوس یہ ہیولا جس کا کوئی چہرہ نہیں تھا یہ ممکن ہے ک
میری نظروں کا قصور رہا ہو۔ ہیولے کا جسم بڑی مشاقی سے رقص کر رہا تھا۔ اس ک
نرم و نازک دودھیا ہاتھ اور خوبصورت پیر بڑے فنکارانہ انداز میں تحرک رہے تھے
وہ فن رقص میں ماہر معلوم ہوتی تھی لیکن اس کا چہرہ۔۔۔ اس کا چہرہ کہاں تھا۔۔۔
لاتعداد سوال میرے ذہن میں ابھرے اور میں۔۔۔ رامو کو دیکھنے لگا۔۔۔

"رامو! کمینے۔۔۔ کتے کیوں مجھے پریشان کر رہا ہے۔۔۔؟ مجھے بتا تو کون ہے
مجھے بتا رامو۔۔۔"

"میں کون ہوں۔۔۔؟ یہی پوچھنا چاہتے ہو نا تم چھوٹے سرکار!" رامو ن
کراہت آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ میں یہی جاننا چاہتا ہوں۔" رامو مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے
ایک بار پھر شعلے رقصاں ہو گئے۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔۔۔

"تو ٹھیک ہے چھوٹے سرکار۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ بتاتے ہیں ہم آپ کو اپنے
بارے میں۔۔۔ بتاتے ہیں۔۔۔"

سو سال سے زیادہ بیت گئے۔ ہاں۔۔۔ سو سال سے زیادہ بیت گئے۔ ہم بھی
آپ کی طرح سنگل پور کے باسی تھے۔ سنگل پور اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور اس
وقت آپ کی یہ حویلی نہیں تھی۔ چھوٹے سرکار! اور نہ آپ کے خاندان کے افراد
نے یہاں آئے تھے۔ لیکن۔۔۔ آپ کو اس بات کا پتا نہیں کہ آپ کے خاندان کے
افراد کس طرح سنگل پور میں اپنے قدم جمائے۔ ہاں سرکار۔۔۔ بات واقعی بہت پرانی
ہے۔ حویلی حیدر شاہ کو بعد میں بنوایا گیا تھا۔ ہم اس بستی کے بزرگ تھے۔ رامو تھا
ہمارا نام۔ رام چندر۔۔۔ عرف رامو۔۔۔ اور پھر حیدر شاہ صاحب نے یہ حویلی بنائی۔
اس وقت سنگل پور کے سارے ہندوؤں نے مل کر حیدر شاہ صاحب کو روکا تھا۔ ان
سے کہا تھا کہ مالک۔۔۔ یہ ہمارا مرگھٹ ہے یہ ہمارا مرگھٹ ہے مالک۔۔۔ یہاں حویلی
بنا کر ہمارے مردوں کو تکلیف نہ دیں۔ مرگھٹ میں مردے جلا کر ہم ان کی راکھ
دریائے سنگل میں بہاتے ہیں۔ مالک۔۔۔ آپ تو جو کچھ کر رہے ہیں وہ ایک الگ ہی
بات ہے۔ آپ نے حویلی ایک الگ مقصد سے بنوائی ہے لیکن ہم بھی تو انسان ہیں۔
مرگھٹ کی یہ جگہ ہمارے لئے چھوڑ دیجئے اور جب ہم نے ان کا راستہ روکا۔ جب
حویلی کی تعمیر کیلئے ہم نے اپنے گردن اٹھا کر ان سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات
کی تو ایک دن۔۔۔ ایک رات۔۔۔ ایک رات رامو کی آنکھیں شعلہ بار تو پہلے ہی ہو
رہی تھیں اب ان کا حجم بڑھنا شروع ہوا۔۔۔ سرخ ماحول میرے اردگرد پھیل گیا۔
رامو کی آنکھیں بڑی ہوتی گئیں اور مجھے یوں لگا جیسے میں ان آنکھوں میں کچھ دیکھ رہا
ہوں۔ کمرے کا ماحول۔۔۔ چھن چھن کی آواز وہ سب کچھ جو یہاں موجود تھا ان
آنکھوں کی سرخی میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر۔۔۔ میرے اردگرد سرخ ہی سرخ

ماحول پھیل گیا۔ میں نے قدیم سنگل پور دیکھا اس وقت میرے قرب و جوار میں نہ کوئی ہیولا رقص کر رہا تھا نہ ہی میں اس کمرے میں تھا۔ جس میں لکڑیوں کی الماریوں میں بے انتہا دولت بھری ہوئی تھی اور نہ ہی رامو میرے قریب تھا۔ بس۔۔۔ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے صدیوں پہلے کے زمانے میں قدم رکھ دیا ہو میں نے۔ یہ کیا۔۔۔؟ میں اردگرد کے ماحول سے بے خبر نہیں تھا نہ ہی یہ کوئی فلم تھی۔ میرے قدم واقعی زمین پر تھے۔ اڑتا ہوا ایک پرندہ جو اپنی چونچ میں ایک سوکھی ہڈی دبائے لے جا رہا تھا۔ ہڈی کے وزن کو نہ سنبھال سکا اور ہڈی میرے شانے پر گر پڑی۔ کوئی خاص چوٹ تو نہیں تھی لیکن پھر بھی ہڈی کافی بلندی سے گری تھی۔ میں نے چونک کر پرندے کی جانب دیکھا تو پرندہ اڑتا ہوا نظر آیا اور اب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں ایک جیتی جاگتی دنیا میں ہوں۔ لیکن کیسے۔۔۔؟ خود ایک ہیولے کی شکل میں۔۔۔ ایک ایسے ہیولے کی شکل میں جو خود بھی اپنے آپ کو نہ دیکھ سکتا ہو۔ واقعی۔۔۔ مجھے بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے میں صرف ایک دیدار ہوں اور یہاں باقی لوگ جو موجود ہیں وہ جاندار۔۔۔ میرے قدم حیرت کے انداز میں آہستہ آہستہ ایک جانب اٹھنے لگے۔ قرب و جوار میں لاتعداد مکانات بکھرے ہوئے تھے۔ کچے پکے۔۔۔ چھوٹے بڑے لاتعداد مکانات۔ میرے قدم خودبخود ایک چھوٹے سے کچے مکان کی جانب اٹھ گئے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوت میرے قدم قدم اس جانب اٹھا رہی ہو۔ میں ادھر نہیں جانا چاہتا تھا لیکن ماحول کا حکمران۔۔۔ مجھے اسی سمت لے جا رہا تھا۔ وہ مجھے کچھ بتانا چاہتا تھا' کچھ دکھانا چاہتا تھا اور میں مجبور تھا کچھ جاننے کیلئے' کچھ دیکھنے کیلئے' سو میرے قدم اس جانب اٹھ رہے تھے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں چلتا رہوں۔ یہاں تک کہ میں اس چھوٹے سے مکان کے احاطے تک پہنچا۔ دروازہ میرے پہنچتے ہی خودبخود درمیان سے کھل گیا۔ اب گویا میں اپنے قدموں کا قیدی تھا۔ میرا ذہن کچھ کہے یا نہ کہے مجھے جانا تھا۔۔۔ آگے جانا تھا اور میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اس احاطے کے اکلوتے لیکن وسیع و عریض کمرے کے احاطے تک پہنچ گیا جو احاطے کے دروازے کی طرف کھل گیا تھا اور میری نگاہیں اندر کا جائزہ لے سکتی تھیں۔ بڑا سا گھر۔۔۔ بڑا سا احاطہ اور بڑے سے احاطے کے اندر ایک

بڑا سا کمرہ۔۔۔ لیکن اس کمرے میں غربت و افلاس کا دور دورہ تھا۔ ٹوٹے پھوٹے پلنگ چھوٹے موٹے برتن۔۔۔ البتہ جو چیز سامنے نظر آئی وہ ایک چٹائی تھی اور اس چٹائی پر ایک وجود لیٹا ہوا بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس وجود کو دیکھا اسے پہچان لیا۔ یہ رامو ہی تھا۔ ادھیڑ عمر کا رامو جو فرش پر پڑی بوسیدہ چٹان پر لیٹا کروٹیں بدل رہا تھا۔ رات کی تاریکی کے ساتھ ساتھ ہوا میں بھی تیزی آتی جا رہی تھی۔ رامو کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو جیسے اس کے ذہن میں کرب اور بے چینی پائی جاتی ہو۔ اس کے منہ سے مدھم مدھم آوازیں نکل رہی تھیں۔

"اے بھگوان۔۔۔ اے بھگوان۔۔۔ اے بھگوان۔۔۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھیلتے ہوئے اندھیرے کو روکنے کیلئے کراہتا ہوا ایک طرف بڑھا۔ وہاں سے اس نے ماچس کی ڈبیہ اٹھائی۔ ماچس کی ایک تیلی جلائی اور ایک طرف طاق میں رکھے ہوئے دیئے کی لو روشن کر دی۔ کمرے میں پیلی اور مدھم روشنی پھیل گئی۔ رامو آہستہ آہستہ بے چین ہو کر پھر دوبارہ اس چٹائی پر آ بیٹھا۔ اس کے منہ سے آواز نکلی۔۔۔

"اے بھگوان! مجھے شکتی دے کہ میں اس پاپی موہن کا مقابلہ کر سکوں وہ مزدوروں کا سربراہ ہے لیکن۔۔۔ لیکن میں نہیں مان سکتا اسے۔ آج اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ میرا خون پی لے گا۔ وہ میرا خون پی لے گا لیکن بھگوان میں بھی تو انسان ہوں۔۔۔ میں بھی تو انسان ہوں۔ کیا میں اس طرح اس سے ہار مان لیتا۔۔۔؟ اچانک ہی منظر بدلا اور میں نے ایک اور منظر دیکھا۔ وہ ایک تنومند اور طاقتور آدمی تھا۔ جس کی بڑی نوکیلی مونچھیں۔۔۔ چوڑا چکلا جسم۔۔۔ رامو آہستہ آہستہ اس کی طرف جا رہا تھا۔ منظر خوب بدل رہے تھے۔ بالکل فلم کے سین کی طرح۔ رامو کی سوچ اب حقیقت بن کر منظر کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ دوسرا آدمی جو یقینی طور پر موہن تھا آگے بڑھا اور رامو کے سامنے پہنچ گیا۔ بہت سے لوگ اس کے قرب و جوار میں جمع تھے۔ رامو نے کہا۔۔۔

"تو کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو موہن! ٹھیک ہے مانتا ہوں کہ تو مزدوروں کی

یونین کا صدر ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو جس کو چاہے دبا لے۔" جواب میں موہن کی موٹی موٹی مونچھوں کے نیچے موٹے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔۔۔"

"کیوں۔۔ تیری موت آئی ہے۔ جھینگر کی اولاد۔۔۔ موہن کے سامنے آ رہا ہے تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔۔۔"

"تو کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔ تجھ سے جو بگاڑا جاتا ہے بگاڑ لے۔"

"اگر میں تیرا کچھ بگاڑنے پر آ جاؤں تو شمشان میں بھی تجھے جگہ نہیں ملے گی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں دیکھوں گا تو میرا کیا بگاڑ لیتا ہے۔"

"دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی دکھاؤں یا پھر۔"

"جب تیرا دل چاہے۔" اور موہن اسے کھڑا گھورتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس تھی۔ پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" اور اس کے بعد وہ تیزی سے وہاں سے پلٹ پڑا۔ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے اور دبلے پتلے بوڑھے شخص نے رامو سے کہا۔۔۔

"کیوں اپنی جان کا دشمن ہو گیا ہے رامو۔۔۔ موہن سے ٹکر لے کر تو نے اچھا نہیں کیا۔"

"وہ پاپی مجھے غلط طریقے سے دبا رہا تھا چاچا جی۔" کیا میں اس کی بات مان لیتا؟

"ارے وہ تو ٹھیک ہے کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ کالا جادو کرنا جانتا ہے اس نے بہت سے بیر قبضے میں کیے ہوئے ہیں۔ اس کی طاقت بالکل الگ ہے۔ اس کی طاقت کے سامنے کسی کی طاقت نہیں ہوتی۔ ارے تجھے کیا معلوم کیا کیا کر چکا ہے وہ۔ ایک بار تجھے پتا نہیں ہے کہ اس نے کیا تھا۔ چاچا آرام سنگھ ذرا اسے بتاؤ کیا دیکھا تھا تم نے۔۔۔؟ سچ سچ کہنا۔۔۔ جھوٹ ت بولنا کہیں یہ نہ سمجھے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ اسے ڈرا رہے ہیں آرام ۔ چاچا تم بتاؤ موہن سنگھ یا موہن کیا چیز ہے۔۔۔؟

آرام سنگھ چاچا جس شخص کو کہا گیا تھا یہ بھی ایک عمر رسیدہ آدمی ہی تھا۔ اس نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔۔۔

"ارے رام۔۔ ارے رام۔۔۔ ارے رام۔۔۔ موہن پاپی کوئی انسان تھوڑی ہے بھیا؟ وہ ماضی میں کیا رہ چکا ہے یہ تو خیر کسی کو بھی نہیں معلوم لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ اس کی شکتی کے آگے کسی اور شکتی کی چلتی نہیں ہے۔ ہم تجھے ڈرا نہیں رہے۔۔۔ بات اس بیچارے کی ہے جس کا نام بھی لینے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ پر موہن بھی بڑا عجیب و غریب ہے۔ قصور اس کا نہیں ہے اس کے ساتھ بھی نا انصافی ہوئی تھی ایک بڑا چوہدری تھا جس نے اس نیچ ذات کو سنسار میں جینے کا حق نہیں دیا تھا۔ اس کا نام ہری داس تھا۔ ٹھاکر ہری داس۔ کہانی سے کہانی نکلتی ہے موہن اس وقت ایسا تھوڑی تھا وہ تو ایک سیدھا سادھا سنگل پوریہ تھا۔ اور ٹھاکر ہری داس سمجھ لو اپنے آگے کسی کو انسان سمجھتے ہی نہیں تھے۔ ہر ایک کو نیچ سمجھنا ان کا کام بن گیا تھا۔ بڑی آگ لگا رکھی تھی انہوں نے بستی میں۔ کسی کو اپنے خلاف پایا۔۔۔ تو پکڑوایا اور جوتے لگوا دیئے۔ کسی نے زیادہ سرکشی کی تو ہاتھ پاؤں تڑوا دیئے۔ بڑے بڑے عزت داروں کی عزت اتار دی تھی۔ انہوں نے پانچ بیٹے تھے ان کے اور دو بیٹیاں اور یہ سب ان کی نگاہوں میں یوں سمجھ لو کہ سنگل پور کے سب سے اونچے لوگ تھے۔ ایک بہن بھی تھی ان کی۔ اس کا نام۔۔۔ سرجو تھا۔ سرجو بڑی سندر تھی۔ بہت ہی سندر۔۔۔ ہری داس کی بیٹیوں سے کوئی دو چار سال ہی بڑی تھی۔ سرجو۔۔۔ بہک گئی۔ جوانی کے جوش میں اس نے پرکھوں کے ریت رواج بھلا دیئے اور ایک نیچ ذات سے پریم کر بیٹھی اور یہ نیچ ذات موہن ہی تھا۔ بھلا ایک نیچ ذات کو کہاں کا حق حاصل تھا کہ وہ ایک اونچی ذات کی لڑکی سے۔۔۔ اور وہ بھی ہری داس کی بہن سے پریم کرے۔ ہری داس تو یہ سمجھتا تھا کہ سنگل پور میں اگر کھیتوں سے اناج اگتا ہے تو ہری داس کے حکم پر بھگوان بن بیٹھتا تھا۔ بیچارے موہن کا گھر تو سنگل پور کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ وہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہری داس کا نوکر ہی تھا۔ پھر بھلا ٹھاکر ہری داس یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ سنگل پور کا ایک نیچ ذات ان کی بہن بہو کو دیکھے اور ایسا ہو گیا انجانے میں کب اور کہاں دیکھے گئے دونوں۔۔۔؟ اس کا

پتہ بھی نہیں لیکن سرجو موہن کے پریم میں گرفتار ہو گئی اور چھپ چھپ کر اس سے ملنے لگی۔ بستی والوں نے دیکھا کسی کی مجال نہیں تھی کہ زبان کھول سکے لیکن آپس کی کانا پھوسیوں کو کون روک سکتا ہے۔ کس کو معلوم نہیں تھا اس وقت تک کہ سرجو کی حرکتیں دیکھ لی گئی ہیں لیکن ہری داس کی دھرم پتنی نے ایک رات سرجو کو چوری چھپے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا تو چونک گئی۔ دن بھر اور رات بھر سوچتی رہی اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ ہرس داس کو سب کچھ بتا دے۔ مہاراج ہری داس کے تن بدن میں تو آگ لگ گئی تھی۔ دوسری رات انہوں نے سرجو کا پیچھا کیا اور دیکھا کہ چاندی رات میں اس باغ میں جس میں موہن کو لگا دیا گیا تھا۔ سرجو اور موہن بیٹھے ہوئے پریم کی باتیں کر رہے تھے اور سنسار سے بے خبر ہیں۔ خون اتر آیا ہری داس کی آنکھوں میں۔ سوچتا رہا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اور جب برداشت نہ کر سکا تو ان کے سامنے پہنچ گیا اور گرجدار آواز میں دونوں کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں تھر تھر کانپنے لگے۔ بیچارا موہن ہرس داس کے قدموں میں گر گیا۔ تو ہری داس زور دار ٹھوکر موہن کے سر پر ماری اور اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ بہتے ہوئے خون کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا لیکن سرجو نے اس وقت ہمت سے کام لیا اور اپنی ساڑھی کا پلو پھاڑ کر ہری داس کے سامنے اس کے ماتھے پر پٹی کس دی۔ ہری داس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ وہ سرجو کی طرف بڑھا تو سرجو تن کر کھڑی ہو گئی اور بولی——

"ہوش میں رہنا ہری داس مہاراج! بھائی ہو تم میرے پتا نہیں—— تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم میرے پتی کو اس طرح ٹھوکر مارو۔ ہری داس کا تو دم ہی نکل گیا یہ سب سن کر کہ سرجو موہن کو پتی کہہ رہی ہے۔ ایک نیچ ذات کو۔ کچھ لمحے تو وہ حیرت سے گم کھڑا رہا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس کی بہن اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی کھڑی ہو سکتی ہے لیکن اس کے بجائے وہ تو بات ہی کچھ اور کر رہی تھی۔ ہری داس انہیں گھورتی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ تیرا پتی ہے۔"

"ہاں۔"

"کیا بک رہی ہے تو کمینی۔"

"تم مجھے پاپی ہی کہو گے نا—— بھائی ہری مہاراج—— مگر اب تو یہ پاپ میں کر چکی ہوں۔"

"کب اور کیسے؟"

موہن سے میں بہت پہلے سے پریم کرتی تھی۔ ہم دونوں کا پریم پاوتر تھا اور جب میں نے موہن کو مجبور کیا کہ وہ میرے ساتھ پھیرے کرے تو میرے مجبور کرنے سے وہ مجبور ہو گیا اور اس نے رام مندر میں جا کر پجاری کے سامنے اگنی کے گرد میرے ساتھ پھیرے کر لئے اور میں اس کی پتنی بن گئی۔ ہم جانتے تھے بھائی جی مہاراج کے آپ سنیں گے تو آپ کا من سلگ اٹھے گا اس لئے ہم چھپ کر یہاں ملتے ہیں اور اس سمے کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ہم دونوں کو ساتھ رہنے کی آگیا دے دیں گے۔

ہری داس کی جو کیفیت تھی وہ اس کا دل ہی جانتا تھا لیکن مصلحت سے کام لیتے ہوئے اس نے کہا——"

"ہوں ٹھیک ہے جا گھر جا کر بات کروں گا میں تجھ سے۔ بہن کو بیٹی کی ہی طرح پالا تھا اس نے ماں باپ مر چکے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ سرجو جو اسے اپنی اولاد ہی کی طرح پیاری تھی، لیکن سرجو نے جو کچھ کر ڈالا تھا وہ معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے موہن سے بھی کچھ نہ کہا اور خاموشی سے وہاں سے واپس چلا آیا۔ لیکن پھر اس نے اپنے ایک بہت ہی خاص آدمی کو بلا کر اس سے اس بارے میں بات کی تو اوم پرکاش گردن جھکا کر بولا——"

"یہ بات تو بہت دن سے سنگل پور میں کہی جا رہی ہے مہاراج——"

"تجھے معلوم تھی یہ بات——"

"ہمیں نہیں، بہت سوں کو معلوم ہے۔"

"تو، تو نے ہمیں کیوں نہیں بتایا——"

"ہمت نہیں پڑی مہاراج۔"

"اب یہ بتا کہ کریں کیا——"

"مہاراج بہت سوچ سمجھ کر کام کرنا ہو گا آپ کو۔ اندازہ ہو چکا ہے کہ سرجو یہ

بات کسی سے چھپانا نہیں چاہتی اور بڑی ہمت سے کام لے رہی ہے——"

"ماری جائے گی وہ ہمارے ہاتھوں' ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا میں انہیں' ہری داس دیوانگی سے بولا۔"

"نہیں مہاراج یہ حل نہیں ہے کسی بات کا——"

"تو پھر مجھے بتا کہ میں کیا کروں۔"

"آپ مجھ سے بڑا دماغ رکھتے ہیں——"

"سب نے غداری کی ہے میرے ساتھ ایک ایک کو دیکھ لوں گا' مندر کے پجاری نے اس کے پھیرے کرا دیئے' میری بہن کے ایک نیچ ذات کے ساتھ پھیرے کرا دیئے' اس کتے کو بھی زندہ نہیں چھوڑں گا میں۔"

"مہاراج آپ کو اندازہ ہے کہ صورتحال کیا ہو گئی ہے؟ سوچ سمجھ کر کام کرنا ہو گا آپ کو سارے سنگل پور کو تو آپ نہیں مروا سکتے' ہر ایک کی زبان یہ بات جانتی ہے۔"

"اور میں نہیں جانتا صرف میں نہیں جانتا——"

"یہ تو سوچنا پڑے گا آپ کو مہاراج کہ جو بات آپ سے چھپائی گئی' وہ آپ سے چھپی رہی——"

"ہوں' تو میرا ساتھ دے گا——"

"اوم پرکاش نے ہمیشہ آپ کا ساتھ دیا ہے مہاراج' کسی بھی کام میں وہ پیچھے نہیں رہے گا' اوم پرکاش نے جواب دیا اور ہری داس کی آنکھوں میں چتا سلگنے لگی' کوئی بہت ہی بھیانک منصوبہ بنایا تھا اس نے——"

○

پنڈت رام سنگھ نے حیرت سے یہ آوازیں سنیں' نجانے کون تھا؟ اور کیا کر رہا تھا؟ پنڈت رام سنگھ ایک ایماندار آدمی تھا۔ نجانے کب بچپن میں جب اسے ہوش بھی نہیں تھا کوئی اسے مندر کی سیڑھیوں پر چھوڑ گیا تھا' ظاہر ہے اس کی ماں کے سوا اور کون ہو گا؟ کون تھا؟ کیا تھا؟ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن اس ننھے سے بچے کو پروان چڑھایا' مندروں کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کسی کو نہیں پتہ چل سکا کہ وہ بچہ کون تھا؟ لیکن پھر ایک دن ایک بڑی پوجا کے موقع پر پنڈت جی نے اسے دیوی کے چرنوں میں رکھ دیا۔ اس کے گلے میں سفید دھاگا پڑا ہوا تھا' لوگوں نے اسے دیکھا اور پنڈت جی کو اطلاع دی تو پنڈت جی ہرے رام—— ہرے رام کرتے ہوئے باہر آ گئے اور انہوں نے لوگوں کو ایک عجیب کہانی سنائی—— انہوں نے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ ایک خواب دیکھ رہا تھا اور خواب میں انہوں نے یہی دیکھا کہ پتھر کی دیوی کے چرنوں میں ایک بچہ پڑا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ دیوی نے ہدایت کی ہے کہ پنڈت اٹھ باہر جا اور اس بچے کی سیوا کر۔ پھر تو کیا تھا دھوم مچ گئی سنگل پور میں اور وہ نامعلوم ماں باپ کا وجود پنڈت جی کی آغوش میں آزادانہ پرورش پانے لگا۔ یہی پنڈت رام سنگھ تھا جو اسی مندر میں ہوش سنبھال کر اسی میں جوان ہو گیا تھا اور اسی میں بوڑھا' بہت ہی نیک دل انسان تھا اور دنیا سے بہت کم واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب دو محبت کرنے والے اس کے سامنے پہنچے اور انہوں نے ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تو پنڈت رام سنگھ انکار نہیں کر سکا البتہ ان لوگوں کے نام پوچھنے پر اسے اس بات کا پتہ چل گیا کہ ان میں سے لڑکی ہرس داس کی بہن ہے اور لڑکا موہن ایک نیچ ذات کا مگر مندر میں اونچ نیچ ذات کو نہیں مانا جاتا' یہ

تو بھگوان کا گھر ہوتا ہے اونچ نیچ ذات تو لوگوں نے بنا رکھی ہے' پنڈت رام سنگھ اسی کا قائل تھا' چنانچہ اس نے دونوں کے پھیرے کروا دیئے۔ مندر میں پوجا کے لئے لوگ آتے تھے اور پنڈت انہیں پوجا کراتا تھا۔ باقی باتوں سے اسے کوئی غرض نہیں تھی لیکن آج کی رات اس کے دل میں کچھ بے کلی سی چھائی ہوئی تھی' پھر آدھی سے زیادہ رات گزر گئی۔ چاند آسمان پر کھل گیا تو پنڈت نے کچھ آوازیں سنیں عجیب سی آوازیں تھیں جو مندر کے پیچھے سے آ رہی تھیں۔ یعنی پچھلے حصے سے' لگ رہا تھا کہ کوئی زمین کھود رہا ہو' پنڈت صورتحال معلوم کرنے کے لئے چل پڑا۔ اس نے چار آدمیوں کو دیکھا جو ایک گہرا گڑھا کھود رہے تھے' گڑھا انسان کے قد سے بھی نیچے تک چلا گیا تھا۔ پنڈت حیران حیران سا ان کے پاس پہنچ گیا اور اس نے ان لوگوں سے پوچھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو بھائی---؟"

"گڑھا کھود رہے ہیں پنڈت جی۔"

"آدھی رات کو---؟"

"ہاں---"

"مگر کیوں بھائی---"

"یہ تو مالک ہی بتا سکیں گے۔"

"کون مالک---؟"

"ہم پنڈت رام سنگھ--- ہم--- ایک طرف سے ہری داس اور اوم پرکاش باہر نکل آئے---"

"ہری داس مہاراج آپ---"

"ہاں پنڈت پہچان گئے ہم تمہیں---"

"لیجئے ہری داس مہاراج کو نہیں پہچانوں گا میں کیا---؟" پنڈت رام سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک' پنڈت جی یہ گڑھا دیکھ رہے ہیں آپ۔"

"دیکھ رہا ہوں مہاراج اور بڑا حیران ہوں کہ آدھی رات کو یہ اتنا گہرا گڑھا

کیوں کھودا جا رہا ہے---؟"

"اس میں ایک آدمی کو دفن کرنا ہے پنڈت جی۔"

"دفن کرنا ہے---؟"

"ہاں---"

"سمجھ میں نہیں آیا مہاراج---"

"سمجھ میں آ جائے گا چلو تم لوگ گڑھا کھود چکے' وہاں جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ ہری داس نے کہا اور وہ چاروں جو گڑھا کھود رہے تھے گردنیں جھکائے وہاں سے آگے بڑھ گئے تو ہری داس نے کہا---

"ہاں پنڈت جی اس گڑھے میں ہمیں ایک آدمی ہی کو دفن کرنا ہے آپ کا کیا خیال ہے---؟"

"بات ہی سمجھ میں نہیں آئی بھیا' خیال کیا بتائیں گے اپنا---"

"چلئے دوسری بات بتا دیجئے پنڈت جی۔"

"ہاں پوچھئے۔"

"پنڈت جی آپ دھرم کے پکے ہیں نا---"

"بھگوان جنے' سنسار تو یہی کہتا ہے۔"

"آپ جانتے ہیں دھرم کیا ہوتا ہے---؟"

"تھوڑا سا جانتے ہیں بھگوان کو سچے من سے پکار لیا جائے اسی کو دھرم کہتے ہیں' ہری داس مہاراج---"

"بھگوان نے اونچ نیچ بھی تو بنائی ہے---"

"بھگوان نے تو یہ سنسار بنا دیا ہے اور اس میں انسان پیدا کر دیئے ہیں۔ اونچ نیچ بھگوان نے نہیں بنائی ہے۔ ہری داس جی' اونچ نیچ تو سنسار نے بنائی ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے ایک برہمن اور اچھوت میں کوئی فرق ہوتا ہے---"

"نہیں برہمن کی بھی دو آنکھیں ہیں' اچھوت کی بھی دو آنکھیں ہوتی ہیں' اچھوت کے بھی دو پاؤں ہوتے ہیں اور دو ہاتھ اور برہمن کے بھی اور پورا شریر ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔"

"نہیں ویسے بہت زیادہ باتیں بنا رہے ہیں آپ پنڈت جی مہاراج' ہری داس نے غصے سے کہا---"

"نہیں بھائی سچ بول رہے ہیں' جھوٹ بول رہے ہیں تو بتا دو---؟"

"سرجو آپ کے پاس آئی تھی۔"

"سرجو---"

"ہاں میری بہن!---"

"آئی تھی---"

"اس کے ساتھ بھی کوئی آیا تھا---"

"موہن آیا تھا---"

"موہن اچھوت ہے۔"

"ہو گا---"

"اور سرجو میری بہن ہے---"

"وہ تو معلوم ہے---"

"آپ نے دونوں کے پھیرے کرائے تھے۔"

"ہاں' دونوں کے پھیرے کرائے تھے میں نے۔"

"آپ کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ میری بہن ہے--- اور موہن ایک اچھوت---"

"وہی باتیں کئے جا رہے ہو ارے بھائی دھرم کی نظر میں وہی ٹھیک ہوتا ہے جو بھگوان کا کہنا ہے۔ انسان تو سارے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ کون کیا ہے؟ کون کیا ہے؟ یہ تو تم لوگوں کا بنایا ہوا ڈھونگ ہے۔

"پنڈت جی آپ نے جو کچھ کیا ہے؟ اسے معاف نہیں کیا جا سکتا---"

"کون مجھے معاف نہیں کرے گا---؟"

"میں---"

"تم بھگوان تو نہیں ہو---"

"بھگوان تو نہیں ہوں مگر تمہارا مالک ہوں---"

"نہیں' مالک تو بس بھگوان ہی ہے---"

"تو ٹھیک ہے پنڈت جی' آپ اس گڑھے میں اتر جائیے یہ آپ ہی کے لئے تیار کیا گیا ہے' پنڈت رام سنگھ ہنسنے لگا پھر بولا---"

"وہ آدمی میں ہی ہوں جسے تم گڑھے میں دفن کرنا چاہتے ہو---؟"

"جی مہاراج وہ آپ ہی ہیں۔"

"بھائی اگر بھگوان کی بھی یہی مرضی ہے تو یہ کام تم نہ کرتے کوئی اور بھی کر سکتا تھا' ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ میں بھاگتا دوڑتا آیا اور اس گڑھے میں گر پڑتا یا کسی اور گڑھے میں گر پڑتا اور میرے اوپر گر جاتی مٹی' جان تو جانی ہی تھی میری' کیونکہ یہ بھگوان کی مرضی تھی اور اگر بھگوان کی مرضی نہیں ہے تو یہ گڑھا خود بخود بھر جائے گا اور تم سارے جیون یہ گڑھا کھودتے رہو گے' یہ نہیں کھدے گا---

"ہوں تو پنڈت جی بھگوان کی ہی مرضی ہے کہ آپ نے جو گندی حرکت کی ہے ایک اونچی ذات والے کی بہن کو ایک نیچی ذات والے کے ساتھ پھیرے کرا کر اس کی پتنی بنا دیا ہے اس کے نتیجے میں آپ کو اس گڑھے میں دفن ہونا پڑے گا---"

"تو اترے جاتے ہیں اس گڑھے میں بھائی' تم ڈال دو ہمارے اوپر مٹی' بھگوان کی جو مرضی' پنڈت جی نے استقلال سے کہا اور اس کے بعد اطمینان سے گڑھے میں کود گئے' ہری داس تو ایک لمحے کے لئے کانپ کر رہ گیا تھا لیکن اسے اس بات کا شدید غصہ تھا کہ اس کی بہن کو پنڈت جی نے موہن کی دھرم پتنی بنا دیا ہے۔ انہوں نے آدمیوں کو آوازیں دیں' یہ آدمی اوم پرکاش کے آدمی تھے اس کے اشارے پر گردنیں کٹوا دینے والے' چنانچہ ان لوگوں نے پنڈت جی کے اوپر مٹی ڈالنا شروع کر دی اور یہ بھی صبر و استقامت کا ایک انوکھا مظاہرہ تھا کہ پنڈت جی آرام سے اس گڑھے میں دفن ہو گئے' مٹی اوپر تک بھر دی گئی اور اس کے بعد اسے برابر کر دیا گیا۔ پہلے سے لائے ہوئے پودے اس پر لگا دیئے گئے۔ اس طرح کسی انسان کو دفن ہونے کی کہانی بڑی عجیب و غریب تھی۔ ہری داس اور اوم پرکاش وہاں سے واپس آ گئے لیکن بہرحال ہری داس کے دل میں ایسی ہی آگ جل رہی تھی کہ وہ اس صورتحال کو برداشت نہیں کر پایا تھا پھر یہ ہوا کہ چار پانچ دن تک خاموشی چھائی رہی'

پنڈت جی کے مندر سے غائب ہو جانے کی کہانی پورے سنگل پور میں پھیل گئی تھی اور لوگ ان کی تلاش میں ناکام ہو کر یہی سوچنے لگے تھے کہ دیوی دیوتاؤں کی مرضی سے پنڈت جی سنگل پور چھوڑ کر کہیں چلے گئے' تھوڑے دن تک لوگ پنڈت رام سنگھ کے بارے میں باتیں کرتے رہے انہیں دیوتا قرار دیا گیا۔ ان کی کہانیاں دوہرائی جاتی رہیں پھر لوگ پنڈت جی کو بھول گئے۔ پندرہ دن مہینہ گزر گیا اور اب اس مرحلے کا دوسرا کام ہری داس نے شروع کر دیا۔ وہ انتظار میں رہا اور سوچتا رہا کہ لوگ جب پنڈت جی کا واقعہ بھول جائیں تو وہ اپنا دوسرا کام کرے' پھر ایک رات اس نے اوم پرکاش کی مدد سے دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لیا اور رات کی تاریکی میں وہ موہن کے گھر پہنچ گیا۔ موہن کے گھر کے سامنے پہنچ کر اس کے ایک آدمی نے دروازہ بجایا تو موہن کے باپ نے دروازہ کھول دیا۔ جو شخص دروازہ بجا رہا تھا اس نے موہن کے باپ کو دیکھتے ہی اس کے سر پر لاٹھی ماری اور موہن کا دبلا پتلا باپ ایک چیخ مار کر وہیں ڈھیر ہو گیا' موہن باہر نہیں نکلا تھا یا پھر وہ موجود ہی نہیں تھا۔ گھر کی عورتیں' باپ' بیٹے' بچے یہ سب وہاں موجود تھے۔ اصل میں ہری داس اور اوم پرکاش خود سامنے نہیں آنا چاہتے تھے ان کے فرشتوں کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ موہن ایک ضروری کام سے کافی دن کے لئے باہر گیا ہوا ہے اگر وہ یہ معلوم کر لیتے تو موہن کی واپسی کا انتظار ضرور کرتے چنانچہ یہ ہوا کہ پہلے انہوں نے ان سب کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا اور اس کے بعد سارے گھر پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ ایسے جلایا تھا یہ گھر کہ کوئی اس کی مدد بھی نہ کر سکا اور گھر جل کر راکھ ہو گیا' بستی والے شور مچاتے رہے لیکن آگ اتنی خوفناک تھی کہ کوئی ایک بھی زندگی نہیں بچا سکا اور موہن کا گھر خاک ہو گیا' پھر جب آگ بجھی تھی' تب بستی والوں نے جل کر کوئلہ ہو جانے والی لاشیں نکالی تھیں لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ کس کی لاش یا کون سی لاش کس کی ہے---؟" سرجو کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی اور اس پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ کئی دن تک تو وہ سکتے کے عالم میں رہی تھی اس کی اس کیفیت سے ہری داس بھی پریشان ہو گیا تھا اور ڈر گیا تھا کہ کہیں بہن مر ہی نہ جائے' ساری باتیں اپنی جگہ اپنی بہن سے وہ بہرحال محبت کرتا تھا اور اس کی زندگی چاہتا تھا اور اس

کی زندگی کیلئے ہی تو اس نے اتنا بڑا جرم کر ڈالا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ سرجو کی کیفیت بحال ہو گئی۔ بستی کے لوگ آج بھی اس گھر کے بھسم ہو جانے پر دکھ کا اظہار کرتے تھے۔ خود ہری داس بھی اس دکھ میں شریک نظر آتا تھا لیکن جب سرجو کی حالت بہتر ہو گئی تو اس نے کئی بار سرجو کو اپنی جانب متوجہ پایا' اس کی آنکھوں میں شک کے آثار ہوتے تھے' آخرکار ایک رات سرجو ہری داس کے پاس پہنچ گئی' ہری داس اس وقت اپنے کسی کام میں مصروف تھا' سرجو کو دیکھ کر اس نے کہا---

"کیا بات ہے سرجی' کیسے آنا ہوا---؟"

"سرجو خاموشی سے ہری داس کو دیکھتی رہی تو وہ بوکھلا گیا اس نے کہا---"

"سرجو بتا بیٹا کیا بات ہے۔"

"تو آپ نے میرا سسرال بھسم کر ڈالا' بھائی جی مہاراج---"

"کیا---؟" ہری داس چونک پڑا۔

"سب کو کیوں مار دیا بھائی جی مہاراج' دشمنی تو آپ کی موہن سے تھی---"

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تیرا---؟"

"نہیں دماغ ٹھیک ہو گیا ہے میرا---"

"بکواس کیا کر رہی ہے---"

"موہن کے گھر میں آگ کس نے لگائی تھی---؟"

"مجھے کیا معلوم---"

"مہاراج آپ کو نہیں معلوم مگر مجھے معلوم ہو گیا ہے---"

"کیا معلوم ہو گیا ہے" ہری داس خوفزدہ لہجے میں بولا---"

"اوم پرکاش چاچا اور ان کے آدمی ان سب نے موہن کے گھر پر آگ لگائی تھی اور آگ لگوانے والے آپ تھے۔"

"کیا بک رہی ہے۔" ہری داس غصے سے دھاڑا لیکن اس کے بدن پر تھرتھری طاری ہو گئی تھی۔ نجانے کس نے مخبری کر دی' نجانے کس نے زبان کھول دی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے سرجو کو دیکھا۔ سرجو کے چہرے پر حیرت انگیز سکون طاری تھا۔ اس نے کہا---

"شبہ تو مجھے پہلے ہی تھا بھائی جی مہاراج آخر آپ میرے بھائی ہیں' ہم ایک ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے مگر آپ نے جو کیا وہ اچھا نہیں تھا' سارے کنبے مروا دیا آپ نے قصور کسی کا تھا' سب کا تو نہیں تھا۔ آپ کو دیا نہیں آئی ان پر۔ بچوں تک کو زندہ جلوا دیا۔"

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے سرجو پاگل ہو گئی ہے تو۔ یہ صلہ دے رہی ہے میرے پیار کا اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے جا چلی جا تھانے میرے خلاف رپورٹ درج کرا دے' گرفتار کرا دے مجھے ان سب کے قتل کے الزام میں' ہری داس کپکپاتی ہوئی آواز میں بول رہا تھا لیکن اس کے اندر سے ایک خوف ابھر رہا تھا—— ایک بڑا عجیب خوف——"

"بھیا جی' بھائی جی مہاراج آپ کو کیسے مروا سکتی ہوں میں' بھائی بہنوں پر ظلم کر سکتے ہیں' بہنیں بھائی کا برا نہیں چاہتیں سمجھے آپ—— بہنیں بھائی کا برا نہیں چاہتیں—— آپ نے سب کچھ ختم کر دیا ہے ہمارا بھائی جی جہیز میں آپ نے ہمیں موت دی ہے' بھائی جی موت دی ہے آپ نے ہمیں——"

"دیکھ سرجو عقل سے کام لے بیٹی' میں نے کچھ نہیں کیا ہے' میں تو خاموش ہو گیا تھا——"

"پنڈت دی کو کس نے مارا' پنڈت جی کہاں گئے جنھوں نے ہمارے پھیرے کرائے تھے۔"

"ارے ارے لگا دے ان کے قتل کا الزام بھی مجھ پر لگا دے کہہ دے کہ میں نے ان کو گڑھے میں دفن کروایا تھا جواب میں سرجو ہنس پڑی——"

"یہ تو آپ بتا رہے ہیں بھائی جی مہاراج' مجھے نہیں معلوم تھا' خیر چھوڑیے موہن اس سنسار سے چلا گیا اب بھلا ہمارے لئے اس سنسار میں کیا رہ گیا ہے۔ ٹھیک ہے بھائی جی مہاراج آپ کا بہت بہت شکریہ' یہ کہہ کر سرجو نے اپنے لباس سے زہر کی شیشی نکالی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے ہری داس کے سامنے اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ ہری داس چیختا ہوا اس کی جانب دوڑا لیکن سرجو زہر پی چکی تھی——"

"آپ کا بہت بہت شکریہ بھائی جی مہاراج' پھر سرجو مر گئی' ہری داس پر سکتہ

ساری ہو گیا لیکن کیا کرتا سب کچھ اپنا ہی کیا دھرا تھا۔ ایک بات اور بھی تھی سرجو کا مر جانا ایک طرح سے اچھا ثابت ہوا تھا' بہت ہی اچھا ثابت ہوا تھا اور وہ اگر زندہ رہتی تو ہری داس کے خلاف زبان بھی کھول سکتی تھی۔ ہری داس کس کس کا مقابلہ کرتا' بستی ہی مخالف ہو جاتی اس کی' لیکن بہن کے مرجانے کا اسے افسوس تھا۔ پھر اس کی آخری رسومات ادا کر دی گئیں اور کئی دن تک ہری داس پر سوگ طاری رہا۔ اوم پرکاش بھی سوگ میں تھا لیکن پھر اس دن اوم پرکاش ہی ہانپتا کانپتا ہری داس کے پاس آیا تھا——"

"ہری داس مہاراج غضب ہو گیا' بھگوان کی قسم ایسا غضب ہوا ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے——"

"بکے جا رہا ہے—— بکے جا رہا ہے—— کیا غضب ہوا ہے—— کیسا غضب ہوا—— ارے تم لوگ میری جان کے دشمن کیوں ہو گئے ہو' ویسے ہی دکھوں کا مارا ہوں میں' ہر ایک اپنی نئی سے نئی کہانی سنانے آ جاتا ہے۔ کیا غضب ہوا ہے کچھ منہ سے پھوٹے گا یا نہیں۔ ہری داس نے خوفزدہ لہجے میں کہا تھا۔"

"مہاراج موہن زندہ ہے اوم پرکاش نے کہا اور ہری داس پر جیسے بجلی سی گر پڑی——"

"کیا بکواس کر رہا ہے—— کیا بکواس کر رہا ہے' تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا' پاگل ہو گیا ہے تو—— کیا بکواس کر رہا ہے' ارے بول تو سہی منہ سے——"

"موہن زندہ ہے وہ اس سے کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ ہری داس مہاراج' جب آپ نے اس کے گھر میں آگ لگوائی تھی اور اب وہ واپس آ گیا ہے' مگر اس کا انداز بڑا خراب ہے——"

"کیسے معلوم—— تجھے کیسے معلوم——"

"کالی گھاٹی کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں نا——"

"جانتا ہوں—— جانتا ہوں آگے بول—— کمینے—— ہری داس کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا——"

"وہاں ہمارے کھیت ہیں——"

"پھر آگے تو بول کمبخت ——"

"مہاراج ہم کھیتوں پر گئے تھے کہ ایک طرف سے موہن داس نکل کر ہمارے سامنے آگیا ——"

"پھر ——"

"پھر کیا مہاراج' ویسے ہی کتنا لمبا چوڑا ہے اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ شاید اسے ساری باتیں معلوم ہو گئی ہیں' اپنے پریوار کے مرنے کی اور سرجو کے زہر پینے کی ——"

"معلوم ہو گئی ہیں ——"

"جی مہاراج ——"

"ہری داس کا جیسے دم ہی نکل گیا ——"

○

اوم پرکاش کی حالت بھی ہری داس سے کم خراب نہیں تھی۔ دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ہری داس نے کہا ——

"اوم پرکاش! تجھے بھگوان کا واسطہ مجھے بتا تو سہی پورا واقعہ کیا ہوا تھا ——"

"کیا بتاؤں ہری داس مہاراج انسان ہوں —— ڈر گیا تھا سمجھا تھا کہ کوئی بھوت ہے جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا —— کھیتوں پر دیکھ بھال کر رہا تھا کہ اچانک وہ ایک بڑے درخت کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس وقت وہاں میرے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ بہت قریب آکر کھڑا ہوا اور میں نے اس کی صورت دیکھی تو بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میری ہمت جواب دے گئی۔ میں اسے بس دیکھتا رہ گیا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے مجھ سے کہا ——

"اوم پرکاش چاچا! کتنی عمر ہو گئی ہے تمہاری ——"

"کیا کہہ رہا ہے موہن ——؟"

"بھیا —— تیرا چاچا ہوں اور کیا بتاؤں ——؟" میں نے کہا۔

"چاچا —— اور کتنے دن جینا چاہتے ہو ——؟"

"ارے بھیا —— زندگی موت تو بھگوان کے ہاتھ میں ہوتی ہے ——"

"کیا کہہ رہے چاچا —— زندگی اور موت تو تم نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ میرا سارا گھر ختم کر دیا۔ سب کو مار ڈالا تم نے ——"

"م —— م —— میں نے —— میں نے کب مارا بھیا ——؟"

"یہی تو کہہ رہا ہوں چاچا —— اگر زبان کھول دو —— سب کچھ سچ سچ بتا دو تو بچ جاؤ گے ورنہ یہیں کھیتوں میں تمہارا کلیان کر دوں۔ یہ گھاس کا جو گھٹا پڑا ہے نا

چاچا۔۔۔ اسے تمہارے بدن پر سجا کر اس میں آگ لگا دوں گا۔ جانے نہیں دوں گا
یہاں سے۔۔ پیروں میں رسی باندھ دوں گا۔ زندہ جل جاؤ گے اور بہت سے جھگڑوں
سے نجات پا لو گے۔ کیا سمجھے۔۔۔؟"
"ارے موہن بھیا۔۔۔ ایسے کیوں کرے گا تو۔۔۔؟"
"اس لئے چاچا۔۔۔ کہ مجھے ساری باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ جو کچھ کیا ہے تم
نے کیا ہے۔"
"میں نے کیا کیا ہے بھیا۔۔ میری اتنی ہمت ہو سکتی ہے۔ وہ تو بس ٹھاکر ہری
داس۔۔۔"
"ہری داس کے اشارے پر تم نے ہی تو یہ سب کچھ کیا ہے اوم پرکاش
چاچا۔۔۔"
"بھیا۔۔۔ میں تو غلام ہوں مالک تو ہری داس جی ہیں۔۔۔"
"اچھا چاچا۔۔ ٹھیک ہے۔ کچھ پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ مجھے۔"
"پوچھو۔"
"مندر سے پنڈت رام سنگھ کہاں گئے۔۔؟"
"بھیا۔۔۔ ہری داس جی نے اسے زندہ زمین میں گڑوا دیا۔۔"
"ہوں۔۔۔ میرے گھر میں آگ لگانے والوں میں کون کون تھا۔۔۔؟" موہن
نے پوچھا۔
"موہن بھیا۔۔۔ تو ایک بات بتاؤ کہ تو جیتا ہے کہ مرگیا۔" جواب میں موہن
نے ایک لمبا چاقو نکال لیا تھا کہ ہری داس جی۔۔۔ میری گردن پر رکھ کر بولا۔۔۔
"صرف نام بتاؤ چاچا۔۔۔ چھوڑنے کو دل تو نہیں چاہ رہا لیکن سب کچھ میری
مرضی کے مطابق کر دو گے تو بس۔۔ چھوڑ دوں گا تمہیں۔۔ وچن دے رہا ہوں
تمہیں۔" ٹھاکر جی! بتانا پڑا۔۔ سب کچھ بتانا پڑا۔ جیون کسے پیارا نہیں ہوتا۔۔۔ جیون
کسے پیارا نہیں ہوتا ٹھاکر جی۔۔۔ سب کچھ بتا دیا میں نے۔۔۔"
"ہوں۔۔ مارے گئے ہم تو۔۔۔ اب کیا کریں۔۔؟ میں تجھے کیا کہوں اوم
پرکاش۔۔ غلطی مجھ سے ہی ہوئی ہے۔ میرا من کہہ رہا تھا کہ اس غلطی کی سزا بھگتنی

پڑے گی مجھے۔ پر کیا کروں۔۔۔ کیا کروں۔۔۔ کیا کرتا۔۔۔ ایک طرف اپنی عزت تھی'
ارے باپ رے باپ۔۔ وہ بچ کیسے گیا سسرا۔۔۔؟"
"میں نے بعد میں معلوم کی تھیں ساری باتیں۔ بڑی چالاکی سے بستی والوں
سے موہن کے بارے میں پوچھا تھا۔ سب کو تو پتا نہیں تھا لیکن کسی کو یہ بات معلوم
تھی کہ ان دنوں موہن باہر گیا ہوا تھا جب اس کے گھر میں آگ لگی۔"
"باہر گیا ہوا تھا۔" ہری داس دکھتی ہوئی آواز میں بولا۔
"اس کا مطلب ہے وہ بچ گیا۔"
"ظاہر ہے۔۔۔ بچ ہی گیا ہو گا ورنہ ہمارے سامنے کیسے آتا۔۔۔؟"
"تمہیں یقین ہے اوم پرکاش! وہ اس کی آتما نہیں تھی۔"
"پتا نہیں مہاراج۔۔۔ آتماؤں سے ہمارا واسطہ پہلے کبھی نہیں پڑا۔" اوم
پرکاش نے جواب دیا۔۔۔
"اب پڑے گا۔۔۔ اب پڑے گا۔۔۔ جان عذاب میں کر دے گا وہ ہماری۔"
"ایک بات کہیں مہاراج۔"
"بول' بول۔۔۔ بھونک۔۔۔ بھونک۔۔۔" ہری داس نے خوفزدہ لہجے میں
کہا۔۔۔
"پولیس کو خبر کر دیں کہ موہن ہمیں دھمکیاں دے رہا ہے۔"
"سارا کچا چٹھا کھل جائے گا۔ اس کی بھی تو زبان ہے۔ ثبوت بھی دے دے
گا۔"
"تو پھر کیا کریں۔"
"بھگوان جانے۔۔۔ بھگوان جانے۔۔۔" ہری داس نے افسوس سے گردن
ہلاتے ہوئے کہا۔ نجانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ مصیبت گھر تک پہنچ گئی ہے اور
اب اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ خیال بالکل ٹھیک تھا۔ یہ تین یا چار دن کے بعد کی
بات تھی کہ۔۔۔ اس کارروائی میں حصہ لینے والے دو آدمی جن میں سے ایک کا نام
دھرم چند اور دوسرے کا ہیرا لال تھا اپنے گھر کے اندر سو رہے تھے کہ اچانک ہی
آدھی رات کو ان کے گھر والوں نے ان کی دہشت بھری چیخیں سنیں۔ ان دونوں کے

جسموں میں آگ لگی ہوئی تھی اور شعلے اتنے بلند تھے کہ کوئی بھی انہیں بجھا نہیں سکا اور وہ جل کر کوئلہ ہو گئے۔ وہ یہ بھی نہ بتا سکے کہ ان کے جسموں میں آگ لگی کیسے۔۔۔؟ اس واقعے سے بڑا خوف پھیل گیا تھا۔ بستی والوں کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ اصل بات کیا تھی۔۔۔؟ لیکن نجانے کیوں ہری داس کو اس بات کا یقین تھا کہ اس کارروائی میں موہن کا ہاتھ ہے۔ بہرحال۔۔۔ یہ چکر چلتا رہا۔ پھر ایک دن پتہ چلا کہ رتن اور پریم چند جو اپنے کھیت پر کام کر رہے تھے سانپ کے ڈسنے سے مر گئے۔ ایسی زہریلی ناگن تھی کوئی جس نے ان کے بدن پانی کر دیئے۔ پھر ہری راج اور شکتی بھی مارے گئے۔ ایک ایک کر کے سارے کے سارے ختم ہوتے جا رہے تھے اور بڑی خوف کی فضا پھیل گئی تھی۔ ہری داس کا ستیا ناس ہو چکا تھا۔ وہ بیمار ہو کر بستر سے لگ گیا تھا اور ایک ایک کر کے اس کے وہ سارے ساتھی مارے گئے تھے۔ پھر ایک دن اسے اطلاع ملی کہ وہ تمام لوگ ختم ہو گئے ہیں جنہوں نے موہن کے گھر میں آگ لگائی تھی۔ ہری داس نے اوم پرکاش کو بلا لیا اور اوم پرکاش اس کے سامنے پہنچ گیا۔۔۔

"بتاؤ۔۔۔ کیا کریں اب اوم پرکاش۔۔۔؟ کیا کریں۔۔۔؟" ہری داس نے اوم پرکاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اوم پرکاش کی تو حالت ہی خراب تھی۔ بالکل پیلا پڑ کر رہ گیا تھا۔ بڑے پریشان لہجے میں بولا۔۔۔

"مہاراج۔۔۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ بستی چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔"

"کیا بک رہے ہو اوم پرکاش۔۔۔ تم بستی چھوڑ کر بھاگ گئے تو میرا کیا ہو گا۔۔۔؟"

"مہاراج۔۔۔ بڑی مشکل پیش آ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ کروں تو کیا کروں۔۔۔" بس یوں سمجھ لو نہ کھانا کھایا جاتا ہے نہ پانی پی سکتا ہوں۔ ہر چیز حلق میں اٹکتی ہوئی لگتی ہے۔ یہ پتا چلتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہو گی اور مارا جاؤں گا۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے۔ یہ باتیں اس پرانی حویلی میں ہو رہی تھیں جو اس نئی حویلی سے منسلک تھی اور اب استعمال میں نہیں ہوتی تھیں۔ اس کے کمرے بالکل صاف ستھرے تھے اور ان میں فرنیچر بھی موجود تھا۔ لیکن عام طور پر وہاں کوئی نہیں ہوتا تھا۔

ہری داس اور اوم پرکاش اس وقت وہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور اوم پرکاش نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک چیخ سی نکل گئی۔ کوئی اسے دھکا دے کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ ہری داس نے بھی اسے دیکھا اور اس کا دم ہی نکل گیا۔ اس نے موہن کو پہچان لیا تھا۔ موہن آگے آ گیا اس نے کہا۔۔۔

"ٹھاکر ہری داس۔۔۔ ہمارے سارے گھر والوں کو مار دیا آپ نے۔ سارے گھر والوں کو مار دیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ نے بیچاری سرجو کو بھی ختم کر دیا۔ ٹھاکر ہری داس بھگوان کے ہاں کوئی ذات نہیں بنائی جاتی۔ نہ اونچی۔۔۔ نہ نیچی اور دل تو بھگوان نے سبھی کو دیا ہے۔ ہم نے تو بیاہ کیا تھا آپ کی بہن سے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ ہمیں قبول کر لیتے آپ تو کیا ہو جاتا۔۔۔؟ لیکن آپ نے نہ صرف ہمیں قبول نہ کیا بلکہ بہت بڑا ظلم کیا آپ نے۔ قصور وار تو ہم تھے ہمارے پیتا جی کو مار دیا۔ ماتا جی کو بھی مار دیا۔ بھتیجے کو بھی مار دیا۔ تم نے۔۔۔ مہاراج ہم تو سرجو کی وجہ سے خاموش ہو جاتے۔۔۔ معاف کر دیتے تمہیں لیکن دوسرے معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں۔۔۔ وہ تو مر گئے جنہوں نے ہمارا گھر پھونکا تھا اور اب تمہارے خاندان کی باری ہے مہاراج۔۔۔ چار بیٹے ہیں تمہارے۔۔۔ دو بیٹیاں ہیں۔۔۔ بیٹیوں کی تو تم نے شادی کر دی۔ ان کا نمبر سب سے بعد میں آئے گا۔ پہلے اپنے ان چار ستونوں کو گرتے ہوئے دیکھ لو۔ ہم ایسا کر دیں گے مہاراج کہ تمہارے گھر میں پھر کبھی روشنی نہیں رہے گی۔ ہم تمہاری ساری دیوالیاں بجھا دیں گے۔ یہ فیصلہ کیا ہے ہم نے۔۔۔ مگر تم جیتے رہو گے۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھو گے تم۔ کیا سمجھے۔۔۔؟" یہ کہہ کر موہن دروازہ سے باہر نکل گیا۔ اوم پرکاش اور ہری داس دونوں کے جسموں میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اب کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا موہن کی زندگی میں۔۔۔ کوئی دھوکا نہیں تھا۔ جو کچھ دیکھا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جو کچھ سنا تھا اپنے کانوں سے سنا تھا اور دل خون ہو کر رہ گیا تھا۔ حواس خراب ہو کر رہ گئے تھے۔ سب سے زیادہ خوف کی بات یہ تھی کہ اس نے ہری داس کو اس کے بیٹوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ہری داس کو اپنی اولاد اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ بڑا بدحواس ہو گیا تھا وہ۔ کچھ

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ---؟ بہت پریشانی ہو گئی تھی۔ اوم پرکاش کہنے لگا ---

"مہاراج --- مارے گئے --- مارے گئے ہم تو ---"

"تو کیا مارا گیا --- بکے جا رہا ہے --- بکے جا رہا ہے --- اس نے تیری طرف تو کوئی اشارہ نہیں کیا تھا۔"

"وہ سارے مارے گئے اب ہماری باری ہو گی۔ اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔"

"ارے کوئی بچا لو --- بچا لو میرے خاندان کو --- میرے بچوں کو بچا لو ---"

لیکن موہن نے جو کچھ کہا تھا بڑی چالاکی سے کیا تھا۔ بستی والے جانتے تھے کہ --- موہن کے گھر میں آگ لگی تھی اور سارے کے سارے مر گئے تھے اب اگر ہری واس لوگوں سے کہتا پھرتا کہ موہن زندہ ہے تو لوگ ہری واس کا مذاق ہی اڑاتے اور کہتے کہ ٹھاکر جی پاگل ہو گئے ہیں اور بے کار باتیں کرنے پر اتر آئے ہیں۔ اتنے عرصے کے بعد موہن بھلا کہاں سے زندہ ہو گیا۔ پولیس میں رپورٹ بھی کرتے تو پولیس والے بھی یہی بات کہتے کہ اتنے عرصے تک آخر موہن کہاں تھا۔ موہن اگر کسی کے سامنے نہیں آیا اپنے جلے ہوئے گھر تک نہیں پہنچا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مردہ ہی ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سوچی جا سکتی تھی۔ بہرحال --- اب کوئی حل نہیں تھا ان لوگوں کے پاس۔ سب سے پہلی مشکل پیش آئی۔ ہری واس کا سب سے بڑا بیٹا کمہار گرد تھا اور وہ ہری واس کو دیکھ کر ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے باپ سے کہا ---

"پتا جی --- کیا مشکل پیش آئی ہے آپ کو ---؟" کم از کم بتا تو دیجئے۔ مجھے تو بتا دیجئے کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے اپنی --- دیکھو تو ڈر لگتا ہے۔"

"کیا بتاؤں --- کیا بتاؤں --- کیسے کہوں تم سے کہ کیا ہو گیا ہے ---؟"

"پتا جی --- یہ تو آپ کی اپنی سوچ ہے۔ ہمارے سوا آپ کا اس سنسار میں اور ہے کون۔ جسے آپ من کی ساری باتیں بتا دیں۔" بیٹا ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ہری واس سوچ میں ڈوب گیا اور پھر اس نے سوچا کہ بات اب اس تک نہیں رہ گئی ہے۔ بیٹوں

کی اپنی زندگی بھی خطرے میں ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو ساری باتیں بتا دیں۔ پوری تفصیل سنائی اس نے۔ پنڈت جی کی موت کی بھی --- موہن کے گھر جلنے کی بھی اور اس کے بعد موہن کے آنے کی بھی۔ بڑے بیٹے کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کہا ---

"یہ تو بڑی عجیب کہانی ہے۔ پتا جی۔ آپ نے ایسا کیا ہے تو اب کوئی حل سوچیں۔ اس کا --- کوئی حل تو سوچیں ---"

"دیکھو --- اس نے ان سب کو مار دیا ہے جنہوں نے اس دن آگ لگانے میں اوم پرکاش کا ساتھ دیا تھا ---"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب کیا کریں ---؟"

"یہی میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں ---؟"

"ایسا کرتے ہیں پتا جی کہ ہم چاروں اس کی تلاش میں نکلتے ہیں کسی بستی والے سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بندوقیں لے کر ایسے گھومیں گے جیسے شکار کھیلنے کیلئے نکلے ہیں باقی بھائیوں کو بھی یہ ساری بات بتانی پڑے گی کیونکہ ہم سب مل کر موہن کو خاموشی سے تلاش کریں گے اور جہاں بھی وہ ہمیں نظر آیا ہم اسے ڈھیر کر دیں گے اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ پتا جی کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ پولیس کو اور نہ کسی اور کو سارے کے سارے کام خراب ہی کریں گے اور پاپی وہ اپنا کام کر کے نکل جائے گا جو خاموشی سے ہماری حویلی میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ لوگ کوشش کرنے لگے --- ہری واس تو اب بالکل ہی بے دست و پا ہو گیا تھا لیکن --- پھر ایک دن صبح جب گھر والوں نے کمار گرو کو اپنے سامنے نہ پایا تو اس کے کمرے میں پکارنے گئے --- نوکر نے اس کی لاش چھت کے کنڈے سے لٹکی ہوئی دیکھی تھی اس کی زبان اور آنکھیں باہر نکلی پڑی تھیں۔ یہ نہیں پتا چلا تھا کہ کس نے اسے سولی پر لٹکایا ہے۔ وہ زمین سے کئی فٹ اونچا لٹک رہا تھا۔ گردن میں رسی ڈلی ہوئی تھی اور کنڈے میں اس کا سرا بندھا ہوا تھا۔ کسی کو بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہری واس جانتا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے لیکن کیا کہتا --- کیا کہتا وہ کسی سے اوم پرکاش تو اب چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں رہ گیا تھا۔ بہرحال یہ حال کمار

گرو کا ہوا۔۔۔ دوسرا بیٹا کمار جگت تھا۔ کمار جگت رات کو آرام سے کھا پی کر سویا تھا۔۔ آدھی رات کو اس کے کمرے سے چیخوں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔۔۔ سب کو پکار رہا تھا مگر۔۔۔ اس کا کمرہ اندر سے بند تھا۔ بہت سے نوکروں نے مل کر اسے توڑا اندر کمرے میں دھواں بھرا ہوا تھا۔۔۔ گہرا۔۔۔ گاڑھا۔۔۔ کالا دھواں جس میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔۔۔ اور آہستہ آہستہ دوسرے بیٹے کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پہلے جب اس کی چیخیں سنائی دی تھیں تو وہ کافی قوت سے چیخ رہا تھا بعد میں اس کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی تھی۔۔۔ دروازے۔۔۔ کھڑکیاں سب بند تھے پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ دھواں کہاں سے آیا۔۔۔ نوکروں نے روشنیاں جلائیں۔۔۔ لیکن گہرے گاڑھے کالے دھوئیں کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آیا۔ دروازے کھڑکیاں کھول دیئے گئے جس طرح بھی ممکن ہو سکا کمرے کا دھواں باہر نکالا گیا اور پھر۔۔۔ ہری داس نے اپنے کڑیل بیٹے کی لاش زمین پر اکڑی ہوئی پائی۔ اس کا چہرہ بڑا بھیانک ہو گیا تھا۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے اسے گردن دبا کر مارا ہو۔۔۔ اور یہ اس کا دوسرا عمل تھا۔ بہت مشکل پیش آگئی تھی۔ اسے بہت ہی مشکل پیش آگئی تھی۔ بہرحال اس کے بعد ایک ایک کر کے چاروں بیٹے ہلاک ہوئے پھر لڑکیاں اور پھر اس کے بعد۔۔۔ ہری داس پاگل ہو گیا۔ کچھ عرصے تک زندہ رہا۔۔۔ اس دوران اس کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ ادم پرکاش تو اپنے گھر ہی میں مرگیا تھا۔۔۔ وہ ایک ایک بات سن رہا تھا۔۔۔ اور اس کا دم نکلتا جا رہا تھا۔ ان سارے واقعات کے پیچھے موہن ہی کی کہانی تھی۔ یہاں تک کہ ہری داس کا پورا خاندان ختم ہو گیا۔ ایک ایک کر کے موہن نے سب کو مار دیا تھا اور جب ہری داس کی آخری رسم ادا کی جا رہی تھی تو موہن اچانک نمودار ہوا اور بستی والوں کے سامنے موہن آ گیا۔ اس نے بڑی حیرت سے بستی والوں سے پوچھا کہ۔۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ تو بستی والوں نے اسے پوری کہانی سنائی اور۔۔۔ موہن زار و قطار روتا رہا۔ اس نے کہا۔۔۔

"کہ دیکھو بستی والو کیا ہو گیا ہے۔۔۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا میں تو نوکری کیلئے باہر گیا ہوا تھا۔ یہ بات تو شاید بہت کم لوگ جانتے تھے کہ اصل واقعہ کیا

ہوا ہے لیکن جو جانتے تھے وہ بھلا زبان کھولنے کی ہمت کیسے کر سکتے تھے۔۔۔ اور اس کے بعد سے موہن۔۔۔ سنگل پور کا ایک پراسرار کردار بن گیا تھا لیکن یہ ماضی کی کہانی تھی جو میرے سامنے نئے سرے سے آئی تھی۔ اس پراسرار اور عجیب و غریب ویران ماحول میں جس کی کوئی داستان میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی تھی اور اس وقت جب میں ایک دیدہ ور کی حیثیت سے یہ ساری داستان دیکھ رہا تھا اور سن رہا تھا۔ موہن کے بارے میں جان رہا تھا۔۔۔ تو مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ رامو جو اب تک بے چینی سے ٹہل رہا ہے اس کی وجہ موہن ہی ہے۔۔۔ موہن جس سے اس کا جھگڑا ہو گیا ہے۔ موہن جو زندگی کے بعد ایک عجیب و غریب روح اختیار کر گیا ہے اور سنگل پور کے ماضی میں اس کی ایک پوری داستان موجود ہے۔ ایک طویل اور لمبی داستان۔ وہ مزدوروں کا لیڈر تھا اور مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا لیکن سب سے الگ تھلگ لوگ اسے پراسرار روح سمجھنے لگے تھے۔۔۔ بہت سے لوگ اس کی شخصیت کے بارے میں طرح طرح کی پیشگوئیاں کرتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ وہ ایک آتما بن چکا ہے۔۔۔ ایک پراسرار آتما۔۔۔ کوئی کہتا تھا وہ زندہ ہے مگر اس نے کالے علم سیکھ لئے ہیں۔۔۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔۔۔ مگر رامو کی اس وقت کی بے چینی کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔۔۔"

اس کی ملاقات اس جھگڑے کے بعد گووند داس سے ہوئی تھی۔ گووند داس نے اس سے کہا۔۔۔

"راموسنا ہے تمہارا موہن سے جھگڑا ہو گیا ہے۔۔۔"

"ہاں گووند جی۔۔۔ وہ بہت مغرور ہو گیا ہے۔ اپنے آپ پر۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ سارے سنسار کو اپنا غلام سمجھتا ہو۔"

"تم نے اچھا نہیں کیا ہے رامو! اس سے جھگڑا کر کے۔"

"مطلب کیا ہے گووندداس جی۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ بھگوان کی سوگند۔۔۔ میرا کوئی مطلب نہیں ہے کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتا ہوں میں تم سے۔ جس سے تمہیں دکھ یا تکلیف ہو۔ اس سے زیادہ تم میرے دوست ہو مگر میں تمہیں اپنی آنکھوں دیکھا واقعہ بتا رہا ہوں۔ میں بھی اس وقت ساتھ تھا۔ ہوا یوں۔۔۔ کہ میں اور موہن شہر گئے ہوئے تھے۔ موہن کو کسی سے کچھ پیسے لینے تھے۔ جس شخص سے اسے پیسے لینے تھے اس نے کھلے الفاظ میں موہن سے کہا کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ وہ پیسے نہیں دے گا' تو موہن کہنے لگا۔۔۔

"تمہارے اوپر پیسے ہیں ہمارے مہاراج۔۔۔ ہم نہ تو تم سے بھیک مانگ رہے ہیں اور نہ ہی تم ہمارے اوپر کوئی احسان کر رہے ہو۔ لین دین تو انسان کا اچھا ہی ہونا چاہئے۔"

"تو مجھے سبق پڑھا رہا ہے جو تجھ سے کیا جائے کر لے۔۔۔"

"دیکھ مہاراج۔۔۔ ایسا نہ کہو کہ جو تجھ سے کیا جائے کر لے۔ ہم سے جو کیا جا سکتا ہے وہ تمہارا جیون بھی لے سکتا ہے۔۔۔"

"ابے جا جا۔۔۔ تجھ جیسے لوگ اگر کسی کا جیون لے لیں تو پھر ہم جیسے لوگوں کا اس سنسار میں جینا ہی مشکل ہو جائے۔"

"تمہاری مرضی۔۔۔" میں نے واپسی پر موہن سے کہا۔۔۔

"موہن۔۔۔ یہ تو نیت کا خراب ہو گیا ہے اب کیا کرو گے۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ پیسے تو اس کے پاس ہیں ہی نہیں جو وہ دے گا۔۔۔"

"تو پھر۔۔۔"

"صبح کو اس کے گھر چلے جانا اور اس سے پوچھنا کہ اس کا کیا حال ہیں۔۔۔؟" تو پھر یوں ہوا رامو! کہ صبح کو اس کے کہنے کے مطابق میں اس کے گھر پہنچا وہاں تو حالت ہی بگڑی ہوئی تھی اس کی۔ اس کے گھر والوں نے بتایا خون تھوکتا رہا ہے رات بھر۔ مجھے یاد آ گیا کہ موہن بھی ساری رات جاگتا رہا تھا اور نجانے کیا کرتا رہا تھا۔۔۔؟ پھر وہ مر گیا اور جب وہ مر گیا تو موہن اس کے پاس پہنچا۔ رامو میں تمہیں ڈرا نہیں رہا مگر موہن۔۔۔ صحیح نہیں رہا۔ لگتا ہے جیسے اس کے اندر کوئی اور آتما حلول کر گئی ہے اور اس وقت رامو کی آنکھیں بھڑکتے ہوئے دیے پر جمی ہوئی تھیں اور گووندداس کی باتوں پر غور کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں گووند داس کے بتائے ہوئے شخص کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ خون تھوکتا ہوا شخص اور موہن کے قہقہے۔ باہر چلنے والی ہواؤں کے جھکڑ تیز ہو گئے تھے اور چراغ بجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ موہن چٹائی پر سے اٹھا اور اس نے دیے کے اطراف ہوا روکنے کیلئے رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ ابھی وہ دیے کی روشنی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک ہی کمزور دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا اور رامو چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نظر دروازے کی طرف اٹھی ہی تھی کہ دیا بجھ گیا اور اس جگہ تاریکی پھیل گئی۔ نجانے کیوں۔۔۔ رامو کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں تھیں۔ کھلے ہوئے دروازے کے باہر گھور تاریکی نظر آ رہی تھی اور رامو اس تاریکی میں باہر دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اسے دور روشنیاں اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئیں۔ دور سے یہ روشنیاں بڑی عجیب لگ رہی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا چیز ہے۔۔۔ لیکن اچانک ہی دروازے کے باہر روشنیاں پھیل گئیں اور رامو نے ان روشنیوں کو دیکھا یہ دو انسانی آنکھیں

تھیں۔ جو اتنی تاریکی ہونے کے باوجود انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ رامو کے پورے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی۔ سخت سردی کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ حالانکہ وہ خود بھی ایک دلیر آدمی تھا اور بہت سے ایسے واقعات اس کے نام سے مشہور تھے جنہیں بستی والے بڑی عزت و احترام سے سنایا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ رامو کس طرح کا آدمی ہے۔ وہ بڑے سے بڑے خطرے سے ٹکرا سکتا تھا اور سوچتا نہیں تھا لیکن اس وقت۔۔۔ اس وقت اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ان خوفناک آنکھوں نے اس کے بدن کی پوری جان نکال لی ہو۔ دہکتی ہوئی انگارے نما آنکھیں کچھ لمحے اپنی جگہ رکی رہیں پھریوں لگا جیسے وہ آہستہ آہستہ تیرتی ہوئی رامو کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ رامو کا دل چاہا کہ چیختا ہوا وہاں سے بھاگ جائے لیکن وہ اپنے قدموں کو ہلا بھی نہیں سکا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین نے اس کے قدم ہی پکڑ لئے ہوں۔ آہستہ آہستہ آنکھیں اس کے بالکل قریب پہنچ گئیں اور پھر رامو نے ان آنکھوں کے نیچے نظر آنے والے بدن کو دیکھا۔ سیاہ کپڑوں میں ملبوس کوئی نامعلوم وجود اس کے سامنے تھا۔ رامو کو اپنی بے بسی پر بڑا ہی دکھ ہو رہا تھا۔ لیکن اگر سیاہ کپڑوں میں ملبوس موہن ہے تو یہ حقیقت ہے کہ رامو اس وقت موہن کے سامنے بالکل بے بس ہو گیا تھا۔ بس۔۔۔ اس کا سارا دھیان اس سیاہ ہیولے کی طرف تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد ہی کپڑے میں لپٹے ہوئے دو ہاتھ آگے بڑھے اور رامو کی گردن پر ایک شکنجہ قائم ہو گیا۔ رامو کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے بدن کی ساری قوت صرف کر کے اپنی گردن کو ان ہاتھوں کے شکنجے سے آزاد کرائے لیکن اس کے تو اپنے ہی ہاتھ نہیں اٹھ رہے تھے اور اس کی گردن پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے سارے وجود میں سناٹے محسوس ہو رہے تھے اور وہ خاموشی سے مر رہا تھا۔ ایسی بے بسی کی موت۔۔۔ شاید پہلے کوئی بھی ایسے نہ مرا ہو۔ رامو کی آنکھیں نکلی ہوئی تھیں اور جان نکل رہی تھی۔ پھر وہ بے بس اور بے حرکت ہو گیا۔ سیاہ ہیولا اس کی گردن دباتا رہا اور جب اس نے دیکھا کہ رامو کی زبان باہر لٹک گئی ہے۔ آنکھیں پھٹ گئی ہیں اور اب اس کے بدن میں سانسوں کا کوئی وجود نہیں ہے تو اس نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ جیسے ہی اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوئی رامو کا جسم اس سے الگ ہوتے ہی کٹے

ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر آ گرا۔ تیز ہوائیں آندھی کے جھکڑوں کی شکل اختیار کر گئی تھیں اور رامو زمین پر پڑا ہوا تھا۔ شاید موہن سے جھگڑا کرنے کا نتیجہ خراب نکلا تھا۔ آہستہ آہستہ سیاہ ہیولا واپسی کیلئے مڑا اور پھر باہر گہری تاریکیوں میں گم ہو گیا اور پھر صبح کو رامو کی بھتیجی پاروتی جب اس کیلئے ناشتہ لے کر آئی تو اس نے رامو کو زمین پر پڑے ہوئے دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے چاچا جی کے بدن میں جان ہی نہ ہو۔ وہ ناشتہ پھینک کر بھاگی اور کچھ ہی دیر کے بعد ساری بستی میں شور مچ گیا کہ رامو اس سنسار سے رخصت ہو چکا ہے۔ جس نے سنا دانتوں میں انگلی دبا کر رہ گیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کارروائی موہن ہی کی ہے لیکن۔۔۔ موہن کا نام کوئی بھی نہیں لے رہا تھا۔ گووند داس نے بھی رامو کی لاش کو دیکھا اور کانوں کو ہاتھ لگا کر خاموش ہو گیا۔ بستی کے ایک شخص نے کہا۔۔۔

"کسی سیانے کو تو بلا کر دکھاؤ اسے۔۔۔" اور سیانا بھی آ گیا۔ اس نے رامو کا بغور جائزہ لیا اور اپنا سر کھجانے لگا۔ اتنی دیر میں پاروتی کا باپ۔۔۔ جو رامو کا بھائی تھا آ گیا اور بھائی کی لاش دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا مگر ویدجی نے ایک بات کہی تھی وہ کہنے لگا۔۔۔

"سنو۔۔۔ سنو۔۔۔ سنو بھائیو۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ کیا بات ہے۔ جی۔۔۔ کیا یہ زندہ ہے۔۔۔؟"

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔ پر اس کے بدن میں کہیں نہ کہیں جان ضرور موجود ہے۔۔۔"

"زندہ بھی نہیں ہے۔۔۔ اور جان بھی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ بھگوان کی سوگند! یہ میری زندگی کا سب سے عجیب واقعہ ہے۔ ایسی لاش میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

"مگر وید جی۔۔۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا رامو مرنے کے باوجود زندہ ہے۔۔۔؟"

"یہی تو میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے ایسی عجیب و غریب موت کبھی نہیں دیکھی۔ اس کا پورا شریر ختم ہو گیا ہے مگر کوئی ایک چیز زندہ ہے اس کے شریر

میں—— جو اسے مردہ ظاہر کرنے سے روک رہی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے——؟"

"بھائی—— میں تو پاگل ہو گیا ہوں تم یوں کرو کہ مجھ سے کسی اچھے وید کو بلا کر اسے دکھا دو۔ تمہارا بھی فائدہ ہو جائے گا اور میرا بھی۔ ورنہ میری تو عقل کام نہیں کر رہی۔" وید جی بری طرح چکرائے ہوئے تھے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بھائی کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا—— سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے——؟ پھر وید جی کی بات اس کو بتائی گئی تو وہ کہنے لگا——

"آپ کا کہہ رہے ہیں وید جی——؟"

"سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ رامو مر چکا ہے۔"

"تو پھر——"

"بس—— کوئی ایک چیز ہے جو چل رہی ہے۔"

"آپ کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہیں—— کہ اسے سکتہ ہو گیا ہے۔" کسی نے کہا——

"ہو بھی سکتا ہے——"

"تو پھر اب کیا کیا جائے——؟ کیا اس کی زندگی کی امید ہو سکتی ہے——؟"

"مشکل ہے۔"

"کیا مطلب——؟"

"ایک بات میں تم سے کہوں تم لوگ سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایک بات میں تمہیں بتاؤں کہ میرے دل میں کیا ہے——؟" لوگ وید جی کے پاس بیٹھ گئے۔ تب وید جی نے رامو کے جسم کو ان لوگوں کو دکھایا اور کہا——

"یہ بتاؤ—— کوئی خاص بات ہے اس میں——"

"ہاں—— اس کا بدن دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو گیا ہے——"

"مرنے کے بعد کسی کا جسم سفید ہو جاتا ہے کیا——؟"

"ہوتا تو نہیں ہے۔"

"مگر اس کا ہو گیا ہے——"

"اس کی کیا وجہ ہے——؟" وید جی۔

"اس کے بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے——"

"کیا——" وہ سب اچھل پڑے۔

"ہاں—— اس کے پورے بدن کا خون کسی نے نچوڑ لیا ہے۔ آپ میں سے کوئی تجربہ کار ہو تو دیکھے بے شک مرنے کے بعد انسانی جسم میں خون جم جاتا ہے لیکن جے ہوئے خون کا رنگ بھی تو ہوتا ہے لیکن اس کا تو کوئی رنگ ہی نہیں ہے۔"

"لگ رہا ہے سچ کہہ رہے ہو۔ لگ تو یہی رہا ہے۔"

"تو پھر بتاؤ—— جب بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ ہو تو کیسے جئے گا——"

"مگر اب ہو گا کیا——؟"

"کریا کرم کرو اس کا۔ ارتھی بناؤ اور چتا جلا دو۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔" رامو کا بھائی پھر زور زور سے رونے لگا۔ بہرحال—— رامو کو مردہ تسلیم کر لیا گیا۔ بات کسی کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی رامو کا بھائی کہہ رہا تھا۔

"میرے بھیا کو مارا ہے کسی نے—— وہ ایسے نہیں مرا ہے—— کسی نے مارا ہے اسے—— بھگوان کی سوگند—— میں مارنے والے سے بدلہ لوں گا—— میں بدلہ لوں گا——" رامو کے مرنے کا سب کو افسوس تھا اور بستی کے سارے لوگ رامو کے بھائی اور پاروتی کو تسلیاں دے رہے تھے۔ دوپہر ہوتے ہوتے مرگھٹ پر چتا جلانے کا انتظام کر لیا گیا۔ لکڑیاں چن دی گئیں۔ رامو کی ارتھی بنائی گئی اور اس کے بعد اسے لے جا کر چتا پر رکھ دیا گیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ موہن بہت سے مزدوروں کے ساتھ شمشان گھاٹ پہنچ گیا اور بستی کے دوسرے لوگوں کے ساتھ جا کر کھڑا ہوا۔ موہن نے ایک عجیب بات کہی——

"بھائیو—— میں تمہیں ایک بات بتاؤں کہ اس چتا کو اس مرگھٹ پر نہ جلایا جائے۔"

"کیوں—— آخر کیوں——؟"

"اس لئے کہ اب یہ شمشان گھاٹ ہمارا اپنا نہیں ہے۔ حیدر شاہ نے اسے خرید لیا ہے اور دیکھ لو یہاں کوئی مردہ نہیں جلایا جا رہا۔ یہ دیواریں—— یہ اینٹیں اس

شمشان گھاٹ پر حیدر شاہ کی حویلی بنانے کیلئے اکٹھی کی جا رہی ہیں۔۔۔"

"لیکن یہ تو ہمارا شمشان گھاٹ ہے۔۔۔"

"تھا۔۔ لیکن اب نہیں ہے۔۔۔"

"آخر یہ کس نے حیدر شاہ کو دے دیا۔۔۔"

"انگریزوں نے۔۔۔"

"ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے' یہاں دیواریں نہیں اٹھیں گی۔"

"میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ رامو کی چتا یہاں جلانے سے پہلے حیدر شاہ سے معلوم کر لیا جائے جو وہاں خیموں میں موجود ہیں۔" حیدر شاہ نے حویلی کی تعمیر کا آغاز کر دیا تھا اور مزدور سامان وغیرہ کے ساتھ خیموں میں پڑے ہوئے تھے۔ اینٹوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے اور حویلی کی بنیادیں پڑ چکی تھیں لیکن جگہ آج تک شمشان گھاٹ ہی کی تھی۔ مسلمانوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا۔۔۔ کہ حیدر شاہ سے پوچھ کر ہی جواب دیں گے پھر اس بات پر خاصی لے دے ہوئی اور طے یہ ہوا کہ چونکہ ابھی حویلی تعمیر تو نہیں ہوئی ہے اس لئے اگر چتا جلا دی جائے تو کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے موہن یہاں رامو کی چتا نہ جلانا چاہتا ہو لیکن پھر وہ بھی تیار ہو گیا۔ اس نے کہا۔۔۔

"بھائیو۔۔۔ رامو کی چتا کو آگ میں دکھاؤں گا۔ آپ لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ اس کے شریر میں زندگی کے آثار موجود ہیں۔۔۔ وہ پوری طرح مرا نہیں ہے اور۔۔۔ اس کے اندر ابھی جان موجود ہے۔۔۔"

"لیکن پھر بھی رامو کو جلانا تو ہے نا۔۔ اسے ایسے تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔۔۔"

"آپ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر مجھے یہ کام کرنے دیجئے۔" موہن سے ویسے ہی سب ڈرتے تھے اور کوئی بھی اس کی مخالفت پر تیار نہیں ہوتا تھا لیکن اس وقت کوئی بھی اس کا راستہ نہیں روک سکا اور پھر رامو کی چتا کو موہن نے آگ لگائی لیکن موہن کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ موہن کی کیفیت اس وقت کچھ ایسی تھی جیسے وہ لوگوں کو کوئی تماشہ دکھا رہا ہو۔ حالانکہ رامو کا بھائی بھی یہاں موجود تھا لیکن وہ بھی کچھ نہ کر سکا اور اس نے خاموشی ہی اختیار کئے

رکھی البتہ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اچانک لوگوں کے حلق سے چیخیں نکل گئیں اور ان سب کے چہرے خوف سے زرد پڑ گئے کیونکہ انہوں نے جو منظر دیکھا تھا اس نے انہیں حیران کر دیا تھا۔ جیسے ہی چتا کو آگ لگی اچانک ہی رامو چتا پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لوگ ایک دم ڈر گئے اور اس کے بعد انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ ان کے ہوش و حواس گم ہو گئے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے۔۔۔؟ لیکن بس ایک موہن تھا جو خاموش کھڑا بے چینی سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں لوگوں کا مذاق اڑانے کا سا انداز تھا۔ ادھر رامو۔۔۔ چتا سے آہستہ آہستہ اٹھنے لگا اور اس کے بعد اس نے جلتی چتا سے باہر چھلانگ لگا دی۔ لوگ ہرے رام۔۔۔ ہرے رام کرتے ہوئے وہاں سے دوڑ پڑے تھے۔ اب تک جو رامو کو ہمدردی اور افسوس سے دیکھ رہے تھے اب وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ موہن قہقہے لگا رہا تھا۔ بھیانک اور دل ہلا دینے والے قہقہے۔ ایسی صورت میں بھلا کس کی مجال تھی کہ وہاں رک سکے۔ لیکن رامو اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا اور یہ صرف اس کا بھائی تھا جس نے رامو کے سامنے آنے کی ہمت کی رامو کے گھر کے آس پاس کے لوگ تو اپنے گھر چھوڑ کر دوسروں کے گھروں میں جا چکے تھے اور ہر شخص کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ رامو بھوت بن گیا۔ اس کی پلید آتما اس کے شریر سے نکل کر باہر آ گئی لیکن اب رامو انسان نہیں رہا ہے۔ رامو کا بھائی اس کے پاس پہنچا اور دہشت بھرے لہجے میں اس نے پوچھا۔۔۔

"رامو۔۔۔ تو جیتا ہے کیا۔۔۔؟"

"ارے بھیا جی۔۔۔ تم نے تو مجھے جیتے جی جلا ڈالا تھا۔ میری چتا جلا ڈالی تھی تم نے۔۔ یہ تم کیا کر رہے تھے۔۔۔؟"

"رامو۔۔۔ وید جی نے تیرے مرنے کی تصدیق کر دی تھی۔۔۔"

"تو وید جی کا قصور ہے میرا کیا قصور ہے۔۔۔؟"

"مگر بستی والے۔۔۔"

"بستی والے بھاڑ میں جائیں مجھے کسی کی پراہ نہیں ہے۔" رامو کے بھائی نے

محسوس کیا کہ رامو کے اندر کوئی خاص بات پیدا ہو گئی ہے۔ اس خاص بات کو وہ صرف محسوس کر رہا تھا۔ صحیح الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔

○

ادھر رامو اپنی کٹیا ہی میں تھا۔ پتا نہیں اس کی کیا کیفیت تھی۔ آدھی رات بیت چکی تھی اور رامو اپنی کٹیا میں لیٹا ہوا تھا کہ کالے کپڑوں میں ملبوس وہی ہیولا اندر داخل ہوا۔ پتا نہیں ——— وہ کون تھا ———؟ شاید موہن ہی تھا۔ ہیولا آہستہ آہستہ چلتا ہوا رامو کے قریب جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر وہ سوتے ہوئے رامو کو دیکھتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے جھکا اور رامو کے سیدھے پاؤں کا انگوٹھا سہلانے لگا۔ رامو ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ سامنے کھڑے ہوئے ہیولے کی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہو گیا اور ہیولے نے آہستہ سے کہا ———

"رامو ——— کون ہے تو ———؟"

"تمہارا داس۔" رامو کے منہ سے سحرزدہ سی آواز نکلی ———

"سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہے۔"

"ہاں مہاراج ——— رامو اب تمہارے چرنوں کی دھول ہے۔"

آ ——— میرے پیچھے پیچھے آ ———" ہیولے کی بھیانک آواز ابھری اور رامو اس کے پیچھے چلتا ہوا کٹیا سے باہر آ گیا۔ اب اس کا رخ بستی کے پہلے مکان کی جانب تھا جو تھوڑا سا بہتر بنا ہوا تھا۔

"جانتے ہو یہ مکان کس کا ہے رامو ———"

"جانتا ہوں مہاراج ———"

"تو پھر اس مکان میں جو کوئی بھی رہتا ہے وہ تمہارا پہلا شکار ہے۔" ہیولے نے کہا اور رامو نے گردن ہلا دی۔

"جاؤ اور اپنا کام کر کے آؤ۔" رامو اس طرح اپنی جگہ سے بلند ہوا جیسے ہوا میں اڑ رہا ہو پھر دوسرے لمحے وہ دیوار پھاند کر آنگن میں کود گیا۔ یہ بہت حیرت ناک بات تھی کہ اس کے چڑھنے کی ہلکی سی آواز بھی پیدا ہوئی نہ کودنے کی۔ اور اب رامو

برآمدے میں داخل ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک چارپائی کے قریب پہنچ گیا۔ جس پر ایک انتہائی قوی ہیکل آدمی سو رہا تھا۔ یہ فضلو پہلوان تھا ——— بستی کا سب سے طاقتور نوجوان۔ جس کی بڑی دھاک پھیلی ہوئی تھی اور لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ فضلو ایک بہت شریف آدمی تھا۔ اپنی طاقت سے اس نے کبھی کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ رامو اس کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ صحت مند اور توانا فضلو نے اس لمحے کسمسا کر کروٹ بدلی اور رامو آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر رامو جھکا اور اس نے اپنا منہ اس کی گردن سے قریب کر دیا اور چند لمحوں کے بعد وہ بڑی بے دردی سے فضلو کی گردن میں اپنے دانت داخل کر رہا تھا۔ فضلو نے دفاع کرنے کی کوشش کی اور اس درندے کو اپنے اوپر سے ہٹانے کی بھرپور جدوجہد کی لیکن رامو کے بدن میں نجانے کہاں سے شیطانی قوت بھر گئیں تھی۔ فضلو اپنے آپ کو رامو کی گرفت سے آزاد کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز گلے ہی میں گھٹ کر رہ گئی اور رامو اس کی گردن کو اپنے دانتوں کی گرفت میں لئے رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد فضلو کا بدن سیدھا ہو گیا لیکن اس کا سینہ پھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور سانسوں کی آمدورفت اس کی زندگی کا پتا دے رہی تھی۔ رامو کے منہ سے خون ٹپک رہا تھا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے فضلو کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ مشینی انداز میں واپس مڑا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا آنگن کی دیوار تک پہنچ گیا پھر وہ جس طرح اندر داخل ہوا تھا اسی طرح چھلانگ مار کر دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کود گیا۔ ادھر وہ سیاہ ہیولا اسی جگہ موجود تھا اور اسی انداز میں اپنی جگہ ساکت کھڑا ہوا تھا جیسے رامو کا انتظار کر رہا ہو۔ رامو کے نیچے کودنے کے بعد وہ پلٹا اور آگے چل پڑا۔ رامو اس طرح اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا جس طرح کوئی مشین چل رہی ہو۔ پھر کچھ دیر کے بعد رامو اپنے چھوٹے سے گھر کی کٹیا میں داخل ہو گیا اور سیاہ ہیولے نے ایک دیوار سے ٹیک لگا کر رامو سے کہا ———

"اور تو اب سب کچھ بھول چکا ہے رامو ——— سو جا ——— سو جا ——— گہری نیند سو جا ———" رامو عین اسی جگہ لیٹ گیا جہاں سے وہ اٹھ کر باہر گیا تھا اور چند لمحوں کے بعد اس کی تیز تیز سانسیں اس بات کا پتا دینے لگیں جیسے وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ سیاہ

رنگ کا ہیولا اسے سوتا ہوا دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ۔۔۔ سارے کام اس کی مرضی کے مطابق ہوئے ہیں۔ جب رامو گہری نیند سو گیا تو سیاہ ہیولا اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور رامو کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے اپنا چہرہ جھکایا اور چند ثانئے کے بعد رامو کی شہ رگ پر اپنے دانت رکھ دیئے۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کے دانت رامو کی شہ رگ میں داخل ہو گئے اور سیاہ رنگ کا ہیولا بڑی آسودگی سے رامو کا خون چوسنے لگا۔ رامو کا پورا وجود سحرزدہ تھا۔ وہ ہاتھ بھی نہیں ہلا رہا تھا حالانکہ گردن کی تکلیف سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی لیکن سیاہ رنگ کے ہیولے کی آنکھوں میں دیکھتے ہی وہ بھی سحرزدہ سا ہو گیا تھا۔ پھر جس طرح رامو نے فضلو کا خون چوسا تھا اسی طرح سیاہ ہیولے نے رامو کے بدن کا سارا خون چوس لیا۔ رامو اب بھی اسی طرح خاموش سے لیٹا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ سیاہ ہیولا مست سا ہو رہا تھا۔ اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔۔۔

"سنو رامو۔۔ اب یہی ہو گا۔۔۔ اب یہی ہو گا رامو۔۔ شمشان گھاٹ پر حویلی بن رہی ہے جب تک حویلی مکمل نہیں ہو جائے گی میں یہیں پر رہوں گا اور تم سے جس شخص کے بارے میں کہوں گا تم اس کا خون چوسو گے اور میں تمہارا خون۔ تمہاری رگوں میں تمہارا اپنا خون دوڑتا رہے گا جو تمہیں زندہ رکھے گا لیکن تمہاری معرفت سنگل پور کے بہت سے لوگوں کا خون میرے بدن میں اترتا رہے گا۔ کیا سمجھے۔۔۔؟ ان کا خون مجھے ملتا رہے گا اور اس کے بعد تم جس طرح چاہو لوگوں کو استعمال کرنا لیکن یاد رہے۔۔ جب میں واپس آؤں گا تو تمہیں میری تمام عمر کے قرضے چکانے ہوں گے۔ کیا سمجھے۔۔۔؟ میری بات سمجھ رہے ہو نہ رامو۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ میں سمجھ رہا ہوں۔" رامو مشینی انداز میں بولا اور ہیولے کے انداز سے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہنس رہا ہو۔ پھر اس نے گردن ہلائی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کٹیا سے باہر نکل گیا لیکن رامو اب بھی سحرزدہ سا تھا اور اس کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں بالکل بے کار ہو چکی تھیں۔ یہاں تک کہ ہیولا اس کی کٹیا سے باہر نکل گیا۔

○

رامو کی زندگی سب کیلئے تعجب خیز تھی لیکن بہرحال ایسا ہو گیا تھا اور اس کے

بعد ہر رات ہیولا رامو کے پاس آتا اور رامو کو کوئی نہ کوئی نیا شکار کرنا پڑتا۔ رامو اس شکار کا خون چوستا اور ہیولا رامو کا خون چوسنے لگا۔ بستی کے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ بہت سے لوگ صورتحال معلوم کرنے کیلئے راتوں کو پہرہ دیتے لیکن وہ ہیولا۔۔۔ جو رامو کے علاوہ کسی کا نہیں تھا اتنی چالاکی سے اپنا کام کرتا کہ کوئی بھی اسے نہ پکڑ سکا۔ رامو کا کسی کے ذہن میں خیال بھی نہ آیا تھا۔ ان کے ذہن میں صرف موہن تھا جو سنگل پور کا ایک پراسرار آدمی تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ سنگل پور چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جو نہ بھاگے وہ شکار ہو گئے اور آہستہ آہستہ بڑا خوفناک ماحول پیدا ہوتا چلا گیا۔ اب سنگل پور موت کی بستی کہلاتی تھی جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ موت نے یہاں پہ بسیرا کر لیا ہے۔ اس دوران حویلی کی تعمیر البتہ جاری تھی کیونکہ آج تک رامو نے کسی مسلمان کی طرف رخ نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ حویلی تعمیر ہو گئی اور پھر اس میں حیدر شاہ کے خاندان کے لوگ منتقل ہو گئے۔ اس خاندان کے ساتھ دیگر تمام افراد بھی تھے جن میں ملازمین وغیرہ بھی تھے۔ لیکن یہ ملازمین سب کے سب صوم صلوٰۃ کے پابند تھے۔ جب حویلی آباد ہو گئی تو رامو کی کوششیں بھی ختم ہو گئیں اور بھاگ جانے والوں میں کچھ جو اپنی زمینیں وغیرہ چھوڑ گئے تھے واپس آ گئے۔ خود رامو کا بھائی بھی یہاں آتا رہتا تھا لیکن پاروتی کو اب تک اس صورتحال کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اپنے رامو چاچا سے محبت کرتی تھی اور اس کے پاس آتی رہتی تھی۔ رامو حالانکہ خود اب اپنے بس میں نہیں تھا لیکن نجانے کیوں رامو نے بھی پاروتی کو شکار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ رامو اب ذرا پریشان رہنے لگا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حیدر شاہ نے اپنا کام مکمل کر لیا اور اپنے وچن کو پورا کر لیا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ یہاں ایک بہت بڑی مصیبت موجود ہے۔ حیدر شاہ نے کہا۔۔۔

"ظاہر بات ہے انسانوں کا خون چوسنے والی کوئی اچھی روح نہیں ہو سکتی' یہ کسی شیطان کا کام ہے۔ میں شیطان کے خلاف لڑنا تو نہیں جانتا لیکن میری حویلی میں جتنے ملازمین موجود ہیں یہ سب صوم صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ یہ صوم صلوٰۃ کرتے رہیں گے' اور حویلی میں ہونے والی اس برکت سے بستی والوں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ آپ

لوگ بے فکر رہیں اور دیکھیں کہ پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔" اور اندازہ بھی یہی ہوا تھا کہ اس دن کے بعد سے کوئی ایسی واردات نہیں ہوئی تھی لیکن رات کی تاریکی میں سنگل پور کے ایک گھر میں ایک انوکھا ہی کھیل ہو رہا تھا۔

اس دن موہن لباس تو سیاہ ہی پہنے ہوئے تھا لیکن اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور یہ چہرہ بری طرح سفید پڑ رہا تھا--- موہن کی چال میں بھی لڑکھڑاہٹ تھی--- وہ رامو کے پاس پہنچا تو سوتا ہوا رامو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ موہن کی آواز ابھری۔

"رامو! یہ کیا ہو گیا' یہ مسلمان یہاں آیا ہے تو ہمارا سارا کام خراب ہو گیا' کیا کریں ہم بتاؤ---؟ اب تو بالکل ہی بربادی ہو گئی--- مجھے کتنے عرصے سے خون نہیں ملا ہے' میرا جسم کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ تم نہیں جانتے میری کہانی کیا ہے اور کیسے میں اس خون کا عادی ہوا ہوں' لیکن خون ملنا ضروری ہے اور اس کیلئے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ حیدر شاہ کا خون پی لو--- اور وہ خون میرے بدن میں منتقل کر دو' سارا کام ٹھیک ہو جائے گا۔"

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ میں وہی کروں گا---" رامو نے جواب دیا تھا۔

ویسے سنگل پور کی آبادی اب ایک ہولناک آبادی بن چکی تھی۔ جن لوگوں کا خون پیا گیا تھا وہ خود بھی خون کی خواہش محسوس کرتے تھے' ان کے اندر ایک عجیب سی بے کلی ایک عجیب سی بے چینی پائی جاتی تھی۔ نواب حیدر شاہ اپنا کام تو کر چکے تھے' اصل میں بات وہی تھی کہ انہوں نے انگریزوں سے انتقام لینے کیلئے یہ حویلی بنوائی تھی اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ان کے اہل خاندان اس حویلی میں آ کر آباد ہو گئے تھے لیکن سنگل پور کا جو روپ ان لوگوں نے دیکھا تھا وہ بڑا عجیب و غریب تھا۔

حیدر شاہ تو ہر طرح کے چیلنج قبول کرنے کے عادی تھے۔ جب انہوں نے سنگل پور کی آبادی کا یہ رنگ و روپ دیکھا تو فکر مند ہو گئے اور سوچنے لگے کہ ان آسیبوں کی بستی میں کیا وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ سکون سے رہ سکیں گے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا تھا اور اس منظر نے حیدر شاہ کا دل ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک ایسا ہولناک واقعہ پیش آیا تھا جسے دیکھ کر یقین نہ آئے لیکن

واقعہ چونکہ خود نواب صاحب کے سامنے ہی پیش آیا تھا اس لئے وہ اس سے انکار بھی تو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ عمر چار پانچ سال ہو گی۔ کس کا بچہ ہے شاید راستہ بھٹک گیا ہے' گھوڑے پر جا رہے تھے' گھوڑا روکا نیچے اتر گئے' بچے کو آواز دی تو وہ حیدر شاہ صاحب کے پاس پہنچ گیا---

"کہاں پھر رہے ہو تم' کہاں رہتے ہو---؟"

"اماں کے پاس---" بچے نے جواب دیا۔

"اماں کہاں ہے تمہاری---؟"

"گھر میں---"

"بات سنو' گھر کہاں سے تمہارا---؟"

"جہاں اماں رہتی ہے---" بچہ معصومیت سے بولا اور حیدر شاہ کو ہنسی آ گئی انہوں نے کہا---

"بیوقوف' گھر سے بھٹک کر ادھر نکل آیا ہے' راستہ بھول گیا تو کیا ہو گا--- جنگل میں درندے بھی ہو سکتے ہیں۔" بچہ رونے لگا تو حیدر شاہ نے کہا---

"ٹھہر جا! میں تجھے گھر پہنچائے دیتا ہوں۔"

اتنی دیر میں حیدر شاہ نے دیکھا کہ ایک خرگوش اس طرف آ نکلا' بچہ حیدر شاہ کو بھول کر خرگوش کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر دبے پاؤں خرگوش کی طرف بڑھنے لگا' خرگوش تو بہت پھرتیلا جانور ہوتا ہے' حیدر شاہ نے سوچا کہ بچہ خرگوش کو کیا پکڑ سکے گا لیکن بچے نے خرگوش کو پکڑ لیا اور اس کے بعد حیدر شاہ نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر حیدر شاہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں--- بچے نے خرگوش کی گردن میں دانت گاڑھ دیئے تھے اور پھر بڑے مزے سے خرگوش کا خون چوسنے لگا تھا--- حیدر شاہ صاحب حیرت سے اسے دیکھتے رہے کچھ اور واقعات ان کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئے' انہوں نے ایک دو بار بستی کے جانوروں کو بھی دیکھا تھا۔ جن کی گردن میں انہیں سوراخ نظر آیا تھا اور جانور مردہ پڑے ہوئے تھے' انہیں فوراً ہی احساس ہو گیا کہ یہ ساری کی ساری بستی آسیب زدہ ہو گئی ہے' گھر واپس آئے تو انہوں نے کچھ ملازموں کو خاص طور سے ہدایت دی کہ ہر وقت تلاوت کرتے رہا کریں اور عبادت و

ریاضت کر کے اس بستی کو آسیبوں سے پاک کرائیں۔

○

حیدر شاہ صاحب سخت مزاج انسان تھے انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ سنگل پور چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں بلکہ اس آسیب زدہ بستی کو آسیبوں سے پاک کریں گے۔ چنانچہ ایک طرف ان کی اپنی کوششیں جاری تھیں۔ دوسری طرف موہن نے اس بستی کو خون پینے والوں کی بستی بنا دیا تھا اور اب وہ خود مشکل میں گرفتار تھا اور اپنی مشکل دور کرنا چاہتا تھا۔۔۔ چنانچہ اس کام میں مسلسل مصروف تھا' اس کے حالات کافی خراب تھے اور خون نہ ملنے کی وجہ سے اس کی حالت خراب سے خراب تر ہوئی جا رہی تھیں۔۔ وہ رامو کو مسلسل کہتا رہتا تھا۔

"ایک بار رامو! صرف ایک بار محنت کر کے تو حیدر شاہ کا خون پی لے' خون تو خیر سب کا ہی ایک جیسا ہوتا ہے لیکن حیدر شاہ اگر ہمارا شکار بن جائے تو پھر بستی کی یہ مشکل دور ہو جائے گی اور ہم آسانی سے آس پاس کی بستیاں خالی کر سکیں گے۔ خون ہی خون ہر طرف خون ہی خون۔۔۔ کیا سمجھا۔۔۔؟"

رامو ایک رات جان پر کھیل کر حیدر شاہ کی حویلی میں داخل ہو ہی گیا۔ لیکن وہ جدھر جاتا اس کا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑتا جو یا تو تلاوت کلام پاک کر رہے ہوتے یا پھر ان کے اپنے گلوں میں ایسے تعویذ پڑے ہوتے جو انہیں رامو کے شیطانی جال سے بچائے ہوئے تھے۔ آخرکار رامو نے ایک فیصلہ کیا اور معصوم سی صورت بنا کر ایک دن حیدر شاہ صاحب کے پاس پہنچ گیا۔۔

"کون ہو تم۔۔۔؟"

"آپ کی رعایا ہیں سرکار۔۔۔"

"کیا نام ہے۔۔۔؟"

"رامو ہیں مائی باپ۔"

"کیسے آنا ہوا۔۔۔؟"

"سرکار' بہت عرصے سے بھوکے مر رہے ہیں' سنگل پور میں بھلا کوئی نوکری

کہاں ہے' مائی باپ اگر دو روٹیوں کا سہارا کر دیں تو جیون آرام سے گزر جائے' کوئی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہیں ہے' مہربانی کر دیں سرکار۔۔۔"

"کچھ پڑھے لکھے ہو۔۔۔؟"

"جی سرکار۔۔۔"

"ٹھیک ہے بستی والوں سے تم اچھی طرح واقف ہو' ہماری زمینیں ہیں جائیدادیں ہیں یہاں' لیکن اس کا حساب لینے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم ساری بستی کا حساب کتاب بناؤ' ہم تمہیں اس کا معاوضہ دیں گے۔"

رہنے کی جگہ بھی چاہئے سرکار۔"

"ٹھیک ہے' رہنے کی جگہ بھی تمہیں دے دی جائے گی' اچھا ایک بات بتاؤ رامو۔۔۔"

"جی سرکار۔۔۔"

"بستی کے حالات کچھ عجیب نہیں ہو گئے ہیں۔۔۔؟"

"کیسے سرکار۔۔۔؟" رامو نے انجان بن کر پوچھا۔

"میں نے ایک بچے کو دیکھا تھا جس نے ایک خرگوش کا خون پی لیا تھا۔۔۔"

رامو چونک گیا وہ حیدر شاہ کی آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا' اس نے نگاہیں نیچی کئے کئے ہی کہا۔۔۔

"بچہ تو بچہ ہی ہوتا ہے سرکار۔۔۔"

"لیکن میں نے بڑے بڑے جانوروں کو بھی پڑے ہوئے دیکھا ہے ان کے جسم سے خون چوس لیا جاتا ہے۔"

"سرکار! ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"تمہاری یہ بھی ڈیوٹی ہے رامو کہ تم سنگل پور کی اس حالت کو دیکھ کر ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے سرکار ہم پوری پوری کوشش کریں گے۔" رامو نے جواب دیا۔

بہرحال رامو اس گھر میں ملازم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ حیدر شاہ کو اپنا شکار بنا لے گا لیکن

اس کام میں اسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ وہ جدھر جاتا اسے کلام پاک کی آیتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ حیدر شاہ صاحب جانتے تھے کہ اس آسیب زدہ بستی میں زندہ رہنے کا طریقہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے کہ یہاں ہر وقت ذکر الٰہی ہوتا رہے اور واقعی وہ اس کوشش میں کامیاب رہے تھے۔ صرف حیدر شاہ اور ان کی حویلی والے ہی اس خونی بلا سے بچے ہوئے تھے ورنہ سنگل پور میں تو وہ تباہی پھیلی ہوئی تھی کہ باہر کی دنیا کے لوگوں کو اگر اس کے بارے میں معلوم ہو جاتا تو خوف سے ان کے دل کی دھڑکن بند ہو جاتی' سنگل پور کے رہنے والے بچے' بوڑھے اور عورتیں سب خون کے رسیا ہو گئے تھے' موہن نے اس آبادی سے ایسا بدلہ لیا تھا کہ شاید انتقام کی کوئی اور داستان ساری دنیا میں اس قدر بھیانک نہ ہو' یہ موہن ہی تھا جس نے نجانے کیسے کیسے علم سیکھنے کے بعد ساری بستی والوں کو خون کا پیاسا بنا دیا تھا۔ کیا ہی دلچسپ بات تھی' انسان تو انسان' گائے' بھینس' بکریاں' بھیڑیں تک خون آشام بن چکی تھیں اور خون کے بغیر ان کا جینا مشکل ہو گیا تھا۔ وہاں کے رہنے والے ایک دوسرے کا خون پینے کی فکر میں سرگرداں رہتے تھے' جانوروں کا خون بھی پیا جاتا رہا اور جانور بھی درندے بن گئے' موہن کے قہقہے آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اس نے کھل کر کہا تھا۔۔۔"

"بستی والو اگر تم مجھے قصور وار کہنا چاہتے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے اصل قصور وار تو وہ ہے جس نے میرے سارے پریوار کو جلا کر بھسم کر دیا' سنسار میں مجھے تنہا چھوڑ دیا' میں ہری چن کی بات کر رہا ہوں' ٹھاکر ہری چن' جس نے میری سرجو کو مجھ سے چھین لیا' اور اس کے بعد میں اس سنسار کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ ہری چن کا پریوار تو خیر جیسے تیسے ختم ہو گیا لیکن سنگل پور والو! تم پر جو عذاب آیا ہے وہ ہری چن ہی کی وجہ سے آیا ہے اب پیو ایک دوسرے کا خون۔۔۔"

خون کی پیاس کی شدت بستی والوں کو ہمیشہ بے چین رکھتی تھی' انسان' جانور' گدھے' گھوڑے' کتے' بلی' سارے کے سارے جان بچائے پھرتے تھے لیکن خود بھی وہ خون آشام ہو چکے تھے۔ ایک طرح سے خون پینا اور پلانا سنگل پور کی آبادی کا سب سے اہم مسئلہ بن گیا تھا۔ ایک دن رامو شدت کی پیاس محسوس کر رہا تھا وہ اپنی

کٹیا میں ایک طرف بے چین پڑا ہوا تھا کہ اچانک ہی اسے چھت کے قریب ایک چھپکلی نظر آئی' چھپکلی چھت سے چپکی ہوئی تھی خوب موٹی ہو رہی تھی۔ اس کا رنگ کالا اور بدنما تھا لیکن رامو کو کچھ اور ہی سوجھی تھی۔ وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے دروازہ بند کر دیا' کھڑکیاں اور ایسی ہر جگہ بند کرنے لگا' جہاں چھپکلی چھپ سکتی تھی' پھر اس نے بانس کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور چھپکلی کو چھت سے گرانے کی کوشش کرنے لگا' چھپکلی بھاگی لیکن رامو نے چالاکی سے اسے بانس سے نیچے گرا لیا اور دوسرے لمحے اس پر جھپٹا مارا اس نے چھپکلی کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور دوسرے لمحے اس کی گردن توڑ کر اسے چوسنے لگا' خون کے چند قطرے اسے چھپکلی سے حاصل ہو گئے تھے' چھپکلی اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی تھی لیکن اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ جیسے چھپکلی کا بدن بڑھنے لگا ہو' اس نے چھپکلی کی گردن کے ٹوٹے ہوئے حصے کو ہونٹوں سے ہٹا کر پیچھے کر کے دیکھا اور دوسرے لمحے چھپکلی کو نیچے پھینک دیا' وہ دیکھ رہا تھا کہ چھپکلی کا ٹوٹا ہوا سر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور بدن الگ بڑھ رہا ہے' ٹوٹے ہوئے سر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور یہ آنکھیں کسی انگارے کی طرح دھکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں' دوسری طرف دھڑ اپنی جگہ پڑا دھڑک رہا تھا پھر چھپکلی کا سر اس کی جانب بڑھنے لگا اور رامو اپنی جگہ سے ہٹ کر دیوار سے جا لگا۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ رہا تھا' چھپکلی کا سر اب بہت بڑا ہو گیا تھا اور وہ رامو تک پہنچتا جا رہا تھا کہ اچانک ہی کٹیا کا دروازہ کھلا اور موہن اندر داخل ہو گیا' رامو نے گھوم کر دیکھا اور موہن کو دیکھ کر سحرزدہ سا ہو گیا۔ چھپکلی کا بڑا سر رک گیا۔ اس کی آنکھوں کا رخ موہن کی جانب ہوا اور پھر آہستہ آہستہ وہ موہن کے قریب پہنچ گیا' موہن خاموش کھڑا ہوا تھا لیکن اچانک ہی رامو نے ایک اور منظر بھی دیکھا۔ چھپکلی کا وہ بڑھتا ہوا نچلا بدن جو اب ایک مگرمچھ کے بدن کے برابر ہو گیا تھا موہن کے گرد رقص کر رہا تھا اور اس کا سر اپنی جگہ رکا ہوا تھا' لیکن اچانک ہی رامو کو وہ سر غائب ہوتا ہوا نظر آیا۔ رامو چاروں طرف تلاش کرنے لگا تو موہن کی آواز سنائی دی۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہو رامو۔۔۔؟"

"چھت۔۔۔ چھت۔۔۔ چھت' چھپکلی۔۔۔" جواب میں موہن کا

قہقہہ بلند ہوا اور رامو کپکپا کر رہ گیا تب موہن کی آواز ابھری۔

"جانتے ہو تم نے کیا کر لیا ہے رامو۔۔۔"

"مم میں نے اس چھپکلی کا خون پیا ہے مگر وہ میری مجبوری تھی۔۔"

"رامو تم نے جو کچھ کیا ہے تم اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے' تم امر ہو گئے ہو رامو' اب اس سنسار میں تم امر ہو گئے ہو' لیکن تمہیں یہ اندازہ نہیں ہے کہ یہ زہریلا خون پی کر تم نے خود پر بھی ظلم کیا اور بستی سنگل پور پر بھی' جانتے ہو کیا ہو گیا ہے سنگل پور پر اب اس چھپکلی کا راج ہو گا' یہ جب چاہے گی' جس روپ میں چاہے گی آ سکتی ہے' اس کا دھڑ کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا' لیکن جب اس کا سر اس کے دھڑ تک پہنچے گا اور اس سے ملے گا تو اسے خون کی پیاس محسوس ہو گی اور چونکہ تم نے اپنے آپ کو اس کا داس بنا لیا ہے اس لئے تمہیں ہر قیمت پر تازہ انسانی خون مہیا کرنا ہو گا۔۔۔ کیا سمجھے۔۔۔"

رامو اس کے یہ الفاظ سن رہا تھا لیکن اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا' موہن نے دوبارہ کہا۔

"سنگل پور اب جادونگری بن چکی ہے رامو' اور یہاں وہ ہو گا جو سنسار میں کہیں اور نہیں ہو گا' میں چلتا ہوں آیا تو تم سے قرض لینے کیلئے تھا لیکن تم خود پیاسے ہو' ویسے رامو تمہیں اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ سنگل پور میں تو سب کے خون خراب ہو چکے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا خون پی کر ایک دوسرے کو منتقل کرتے رہتے ہیں یہی کام ہمارا ڈھورڈنگر کر رہے ہیں یہ آس پاس کی بستیاں تو ہیں وہاں تو لوگ رہتے ہیں ان کے جسموں میں تو تازہ خون موجود ہے' وہ تمہارا شکار بن سکتے ہیں انہیں اپنا شکار بناؤ رامو۔۔۔ اور بستی کے حکمراں کی حیثیت سے بستی کے سردار کی حیثیت سے' بستی والوں کو ان کا خون مہیا کرو' ایک بات بتاؤ رامو۔۔۔؟"

"جی موہن مہاراج' رامو کے منہ سے آواز نکلی۔۔"

"تمہاری بھتیجی پاورتی باقی ہے ابھی۔۔۔" نہ اس نے کسی کا خون پیا' نہ اس کا خون کسی نے پیا' ایسا کیوں ہے رامو۔۔۔؟"

"ہاں پاروتی باقی ہے' رامو نے پر سوچ انداز میں کہا۔۔۔

"بھگوان جانے' رامو نے کہا اور موہن کی آنکھوں سے ایک دم غصے کے آثار جھلکنے لگے' پھر اس نے کہا۔۔۔"

"تم آج تک بھگوان کا نام لیتے ہو' رامو ہمارا دیوتا تو شیطان ہے' بھگوان کا اور ہمارا رابطہ تو نجانے کب کا ٹوٹ گیا ہے اس کے بعد کبھی بھگوان کا نام مت لینا' ورنہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہو گا' تم سوچ بھی نہیں سکتے' موہن نے کہا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل گیا' لیکن رامو کے کانوں میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی' پاروتی باقی ہے ابھی۔۔۔ پاروتی باقی ہے۔۔۔ آس پاس کی بستیوں کے لوگ تو ہیں ان کے جسموں میں خون بھی ہے تازہ تازہ۔۔۔ سرخ سرخ' رگوں میں کھولتا ہوا خون' رامو کی آنکھوں میں نشہ اترنے لگا۔ ایک بار پھر اس نے پاروتی کے بارے میں سوچا' سارے سنگل پور میں شیطانیت کرتا رہا تھا وہ' لیکن پاروتی سے بہت پیار کرتا تھا' وہ بھی اسے چاچا چاچا کہہ کر جان دیتی تھی اس پر' بلکہ رامو نے ایک اور کام بھی کیا تھا' حیدر شاہ کے پاس وہ ایک بہت ہی نیک اور ایماندار آدمی کی حیثیت سے کام کرتا تھا بستی والوں کے سارے حساب کتاب بنا کر اس نے' حیدر شاہ کو دیئے تھے اور حیدر شاہ اس سے بہت خوش تھا' یہی وجہ تھی کہ جب رامو نے پاروتی کے بارے میں حیدر شاہ سے کہا کہ اس کی بھتیجی کو بھی کوئی نوکری دے دی جائے تو حیدر شاہ انکار نہیں کر سکا۔ اس نے کہا۔۔۔

"رامو وہ لڑکی اگر میری بیگم کی خدمت کرے' تو تم اسے یہاں لے آؤ۔۔۔"

"میں لے آؤں گا مہاراج' پاروتی ویسے بھی بہت اچھی لڑکی تھی' بڑی خوبصورت' بڑی نرم مزاج' ہنسنے بولنے والی چنانچہ حیدر شاہ کی بیگم نے اسے بہت پسند کیا اور پاروتی وہاں ملازم ہو گئی' حیدر شاہ کی حویلی میں رہ کر پاروتی کو بستی والوں سے بھی تحفظ ملا تھا ورنہ "خون آشام" (خون کی پیاسی) بستی میں اب کوئی ایسا نہیں تھا جو خون کا پیاسا نہ ہو۔ ایک عجیب و غریب خون خوار کیفیت چھائی ہوئی تھی اس بستی پر' اور لوگ ایک دوسرے کی زندگی کے درپے ہو گئے تھے۔ رامو کے قدم خودبخود آگے بڑھتے رہے۔ اس کے کانوں میں ایک ہی جملہ گونج رہا تھا' پاروتی کیوں بچی ہوئی ہے۔۔۔ پاروتی کیوں بچی ہوئی ہے' بہرحال وہ آگے بڑھتا رہا اور پھر حویلی کے آہنی

گیٹ تک آگیا اس نے گیٹ کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے کھولے بغیر ا
پر چڑھ کر دوسری طرف احاطے میں کود گیا تھا۔۔۔"

○

ایک خونی ڈرامے کا آغاز ہو گیا تھا۔ رامو پر اس وقت دہشت اور دیوانگی طاری تھی، وہ یہ بھول گیا تھا کہ حیدر شاہ کی حویلی میں وہ ایک شریف اور اچھے ملازم کی حیثیت رکھتا ہے اور یہاں اس کی بڑی عزت ہے۔ اس وقت خون کی پیاس نے اسے دیوانہ کر دیا تھا۔ یہ اس کے گرو موہن کی نشاندہی تھی اور موہن نے اسے اس بات پر اکسایا تھا کہ ابھی پاروتی تروتازہ ہے حالانکہ رامو اس سے بہت محبت کرتا تھا، چچا، بھتیجی ایک دوسرے پر جان دیتے تھے، لیکن اس وقت رامو رامو نہیں بلکہ شیطان تھا، حویلی کے بڑے دروازے کے قریب چوکیدار بیٹھا اونگ رہا تھا۔ رامو کو دیکھ کر اس نے ایک بار آنکھیں ملیں اور پھر اس طرح بیٹھا رہ گیا۔ نجانے کیوں اس وقت اس کی زبان بند ہو گئی تھی، رامو کی آنکھوں میں اس نے کیا دیکھا تھا جس کے زور نے اسے معذور کر دیا تھا، وہ ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکا۔ رامو نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور ہال سے گزر کر دوسری منزل پر آ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ پاروتی کہاں ہو گی، لیکن اس وقت تو اس کی تقدیر ہی جاگ رہی تھی کیونکہ اندر گرمی ہونے کی وجہ سے پاروتی راہ داری میں ہی سو گئی تھی اور اس وقت بھی وہ مست نیند سو رہی تھی، اس کے بدن کا لباس بے ترتیب تھا اور اس کا حسین اور گداز بدن ایسے زاویئے اختیار کئے ہوئے تھا کہ کوئی بھی اسے دیکھ کر بدحواس ہو جائے، لیکن رامو کے دل میں ایسا کوئی تصور نہیں ابھرا، تو وہ پاروتی کی سفید صحرائی دار گردن پر نظر آنے والی اس شہ رگ کو دیکھ رہا تھا جو ابھری ہوئی تھی اور جس سے چھلکتے ہوئے خون کی روانی جاری تھی، رامو کی آنکھوں میں ایک نشے کی سی کیفیت چھا گئی، کچھ لمحے کھڑا ہوا وہ پاروتی کو دیکھتا رہا اور پھر اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔۔۔"

پاروتی کو اچانک ہی ایک عجیب سا احساس ہوا اسے رامو کی آنکھوں میں شیطان ناچتا ہوا نظر آگیا تھا۔ باپ جیسے چاچا سے وہ ایسی کسی بری بات کی توقع نہیں رکھتی تھی، حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا---

"چاچا--- چاچا تمہیں کیا ہو گیا ہے---؟ چاچا---؟ لیکن رامو اس وقت چاچا نہیں تھا بلکہ ایک خون آشام تھا--- اور پاروتی کو وحشت ناک نظروں سے دیکھ رہا تھا، پھر وہ جھکتا چلا گیا، پاروتی کی سانس گھٹنے لگی تھی، وہ وحشت زدہ ہو گئی، پھر اس نے پوری قوت سے رامو کو ایک طرف دھکیل دیا اور بجلی کی طرح اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ دوسرے لمحے اس کے حلق سے آواز نکلی---"

"بیگم صاحبہ--- بیگم صاحبہ بچاؤ مجھے--- بچاؤ مجھے بیگم صاحبہ---" وہ بھاگتی ہوئی بیگم صاحبہ کے کمرے میں گھس گئی، لیکن رامو اس وقت ہوش و حواس میں نہیں تھا--- وہ خود بھی بیگم صاحبہ کے کمرے میں پہنچ گیا۔ بیگم صاحبہ جو اپنے بستر پر سو رہی تھیں--- ہڑبڑا کر اٹھ گئیں، ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا ہوا ہے، یا کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ پاروتی دوڑ رہی ہے اپنے آپ کو بچا رہی ہے اور رامو وحشی بنا ہوا اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے، سامنے دریا کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر آ رہے تھے، رامو پاروتی کو پکڑنے کیلئے دوڑ رہا تھا۔ جب پاروتی کو اور کوئی جگہ نہ مل سکی تو وہ کھلی ہوئی کھڑکی پر چڑھ گئی۔ اس نے روتے ہوئے کہا---"

"رک جا چاچا--- رک جا--- تجھے بھگوان کی سوگند رک جا---" لیکن بھگوان سے تو رامو کا رشتہ کب کا ٹوٹ چکا تھا، وہ پاروتی کی طرف دوڑا تو پاروتی نیچے کود گئی--- اس کی کربناک چیخ فضا میں ابھری اور وہ کافی بلندی سے نیچے گری۔ بیگم صاحبہ کچھ بھی نہیں کر پائی تھیں، بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہی تھیں، لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا--- پاروتی کھڑکی سے دوسری طرف کودی تو رامو بھی کھڑکی پر چڑھ گیا اور دوسرے لمحے وہ بھی بلندی کی پرواہ کئے بغیر نیچے کود گیا--- وہ تو سنبھل کر کودا تھا لیکن پاروتی خوف کے عالم میں نیچے کودی تھی چنانچہ اس کا بھیجا باہر

نکل پڑا تھا--- سرخ اور گاڑھا گاڑھا خون قرب و جوار میں دور دور تک پھیل گیا تھا--- پاروتی کی پراہ کئے بغیر رامو زمین پر اوندھا لیٹ گیا اور اس نے بہنے والے خون کو چاٹنا شروع کر دیا--- لیکن تشنگی کم نہیں ہوئی تھی--- بلکہ پیاس اور بڑھ گئی تھی--- وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا پھر اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا--- حویلی کی کھلی ہوئی کھڑکی میں بیگم صاحبہ کھڑی ہوئی تھیں۔ رامو کو اپنی طرف متوجہ پا کر اور یہ منظر دیکھ کر وہ دہشت زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گئیں۔ پھر جب تک وہ دوبارہ باہر دیکھتی یا چیخ چیخ کر حویلی کے دوسرے لوگوں کو جگاتی، رامو نے تیزی سے پاروتی کا جسم اپنے کندھے پر اٹھایا اور دریائے سنگل کی جانب دوڑ پڑا۔ چند لمحے کے بعد وہ بھی دریا میں کود گیا---

ادھر بیگم صاحبہ دہشت بھرے انداز میں چیخنے کی مشین بن گئیں تھیں۔ اور چند ہی لمحوں میں پوری حویلی جاگ اٹھی تھی، حویلی کے ایک ایک ملازم نے صورتحال معلوم کی اور بیگم صاحبہ کی نشاندہی پر نیچے جھانکنے لگے، لیکن انہیں کچھ بھی نظر نہیں آیا اور اس کے بعد حیدر شاہ اپنے دونوں بیٹوں--- غلام شاہ اور صابر شاہ کے ہمراہ وہاں پہنچے تو انہیں کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا، بیگم صاحبہ سے انہوں نے پوچھا تو بیگم صاحبہ نے کہا---

"وہ--- وہ وحشی رامو--- پاروتی---" یہ کہہ کر بیگم صاحبہ چیخ چیخ کر رونے لگیں، حیدر شاہ نے نیچے جھانکا، لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا، تب وہ اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ اس جگہ پہنچے جہاں پاروتی گری تھی، تو وہاں بھی انہیں کچھ نظر نہیں آیا، یوں لگتا تھا جیسے کوئی بھی یہاں موجود نہ ہو---"

"بات کیا ہے---؟"

"بیگم صاحبہ نے کہا کہ رامو پاروتی کا پیچھا کر رہا تھا--- وہ نیچے کودی اور رامو بھی نیچے کود گیا--- اور پھر وہ پاروتی کا خون چاٹنے لگا---" حیدر شاہ کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے، انہوں نے کہا---"

"دیکھ--- رامو کی خودکشی کی بات تو لوگوں کو پتہ چل ہی جائے گی، لیکن پاروتی کا نام کسی کے سامنے مت لینا۔ خبردار کوئی بھی پاروتی کا نام نہ لے، پتہ نہیں لوگ

کیا سمجھیں گے۔ یہی کہیں گے کہ ہم نے ایسا من گھڑت واقعہ بنانے کی کوشش کی ہے--- یہاں نہ رامو ہے نہ پاروتی--- لیکن خون کے نشانات بھی نہیں ہیں--- ایسی مشکل میں ہم اپنی صفائی بھی پیش نہیں کر سکیں گے-- چنانچہ عقل سے کام لینا--- کوئی اس مسئلے کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔ حیدر شاہ کے آدمیوں نے گردن ہلا دی تھی' لیکن بہرحال حیدر شاہ صاحب بہت زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔ انہوں نے واپس آنے کے بعد اپنی بیگم کو سمجھایا اور کہا---"

"دیکھو--- میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' اسے غور سے سنو---" پاروتی کی موت کا مجھے بھی افسوس ہے' لیکن تم نہیں جانتیں اگر یہ بات منظر عام پر آئی تو ہمیں کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا---"

"لیکن میں کہتی ہوں' آخر یہ ہو کیا رہا ہے--- وہ تو اس کا چچا تھا---"

"کیا سمجھتی ہو تم---؟"

"اس کتے کی نیت خراب ہو گئی تھی---"

"نہیں سلطانہ ایسی بات نہیں ہے' سنگل پور عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گیا ہے۔ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا' لیکن یہ سمجھ لو کہ ہم ایک آسیب زدہ بستی میں رہ رہے ہیں' یہ آسیبی بستی اس وقت عجیب و غریب کیفیت کا حامل بن گئی ہے---"

"تو پھر یہاں سے نکل کیوں نہیں چلتے--- ہمارے بچوں کو کہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے--"

"نہیں--- اس کا میں نے پورا پورا بندوبست کر لیا ہے' ایسا نہیں ہو گا' لیکن میں یہاں سے جا بھی نہیں سکتا--- تمہیں صورتحال کا اندازہ نہیں ہے--- انگریز باقاعدہ کچھ لوگوں کو تلاش کر رہے ہیں--- اگر میں یہاں سے چلا گیا تو ان کی گمشدگی کا الزام مجھ پر لگ جائے گا--- مجھے اپنی اور تمہاری حفاظت کیلئے یہاں رہنا بہت ضروری ہے--- کیا سمجھیں--؟"

"میں کیا سمجھوں آپ جو بہتر سمجھتے ہیں---" لیکن خدا کیلئے میرے بچوں کی حفاظت کا بندوبست کیجئے---

"میں نہیں جانتا تھا کہ یہ بدبخت رامو بھی سنگل پور کا خون آشام ہے' لیکن

پھر دیکھوں گا کہ یہ وحشی درندے کس کس کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ بندوبست کروں گا میں ان کیلئے--- ایسے تو نہیں چھوڑوں گا-- آپ بے فکر رہیں بیگم' میں ان کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور کر لوں گا---"

نواب حیدر شاہ بیوی کو سمجھاتے رہے' لیکن وہ خود بھی جانتے تھے کہ اس سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھانا ان کے بس کی بات نہیں ہے' چنانچہ وہ خاصی تشویش کا شکار ہو گئے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں-- سنگل پور کی یہ وباء دوسری آبادیوں تک بڑھتی چلی جا رہی تھی--- راستے مخدوش ہو چکے تھے۔ انگریز حکومت کو کیا پڑی کہ چھوٹی چھوٹی بستیوں کو نگاہوں میں رکھے اور ان پر توجہ دے اور ویسے بھی حیدر شاہ اب انگریزوں کی قربت سے بچنا چاہتے تھے' اپنی وحشت خیزی میں جو عمل انہوں نے کیا تھا اس کے بارے میں انگریزوں میں کچھ شکوک و شبہات پائے جاتے تھے چنانچہ ان کا خیال تھا کہ ان معاملات سے جس قدر دور ہیں' زیادہ اچھا ہے ورنہ بات منظر عام پر آئے گی تو نجانے کون کون سے گل کھلیں گے' ویسے وہ اس بات پر پریشان تھے اور سوچتے رہتے تھے کہ آخر سنگل پور کا حشر کیا ہو گا---؟ بستی والوں سے ان کا رابطہ ایک طرح سے کٹا ہی ہوا تھا' وہاں موجود جتنے افراد تھے انہوں نے خاص طور سے انہیں ہدایت کر دی تھی کہ کسی بھی مسئلے کو عام لوگوں کے سامنے نہ لے جائیں' اس کے علاوہ اپنی حفاظت کا بندوبست بھی کریں اور بہرحال ابھی تک حویلی والوں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا' ویسے وہ آج تک حیران تھے کہ قصہ کیا ہے؟ بستی کے لوگوں کو تو خیر اس بارے میں کوئی پرواہ نہیں تھی' رامو مسلسل غائب تھا اور پاروتی کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا---

اس وقت بھی بیگم صاحبہ اور نواب صاحب بیٹھے ہوئے اس موضوع پر بات کر رہے تھے' راؤ حیدر شاہ کی آنکھوں میں گہرے غور و فکر کے آثار تھے' انہوں نے بیگم صاحبہ سے کہا---

"سلطانہ-- آج تک میں پاروتی کیلئے حیران ہوں' ویسے لڑکی بہت اچھی تھی---"

"خدا غارت کرے اس منحوس چچا کو--- جس نے اپنی معصوم اور نوخیز بھتیجی کو

اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی بیگم صاحبہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ لیکن راؤ صاحب اس مسئلے پر ان سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔۔۔ انہوں نے کہا۔۔۔"

"اصلی مسئلہ یہ نہیں تھا سلطانہ۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔"

"میرا خیال ہے ایسی کوئی بات نہیں تھی۔۔۔"

"یعنی۔۔۔"

"بھئی تمہارا خیال ہے کہ رامو اپنی بھتیجی کو ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔۔۔"

"تو سو فیصدی اور کیا بات ہو سکتی ہے' وہ بیچاری گرمی سے پریشان ہو کر باہر جا لیٹی تھی' مجھ سے اجازت مانگی تھی اس نے تو میں نے کہا تھا کہ کوئی بات نہیں یہاں بھلا کون آئے گا' اور ویسے بھی زنان خانے میں گھر کے ملازم رخ نہیں کرتے' بچ گئی بال بال۔۔۔ مگر بچ کہاں گئی' عزت بچانے کیلئے زندگی گنوا دی' مجھے تو وہ بہت یاد آتی ہے۔۔۔"

"مگر ایک تعجب کی بات ہے بیگم۔۔"

"کیا۔۔۔"

"تم کہتی ہو کہ وہ نیچے کودی تھی۔۔۔"

"میری آنکھوں کے سامنے کی بات تھی۔۔۔"

"اور رامو بھی اس کے پیچھے کود گیا تھا۔۔۔"

"ہاں۔۔۔"

"اور تم نے یہ بھی کہا کہ اس کا سر پھٹ گیا تھا۔۔۔"

"اور کیا دیکھا تھا۔۔۔"

"جو کچھ دیکھا تھا وہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"میں نے دیکھا کہ رامو اسے بھول کر زمین پر پڑا ہوا خون چاٹ رہا ہے۔۔۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"رات کی بات ہے بیگم آپ کو اپنی آنکھوں پر دھوکہ ہوا ہو گا۔۔۔"

"کیسی بات کرتے ہیں آپ۔۔۔؟"

"نہیں میرا مطلب ہے آپ سو رہی تھیں۔۔۔"

"مگر اس خوفناک واقعے پر میں جاگ چکی تھی۔۔۔"

"اچھا تو ایک بات بتایئے کہ اگر کوئی ایسی بات تھی تو پھر وہ دونوں کہاں غائب ہو گئے۔۔۔"

"کیا پتہ۔۔۔؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔" بیگم صاحبہ پھر خاموش ہو گئیں۔۔۔ بہرحال خاصہ وقت گزر گیا تھا۔۔۔

○

راؤ حیدر شاہ کو اس بات کی بہت زیادہ فکر تھی اور وہ ایک کمانڈر کی طرح اپنی حویلی میں رہنے والے ایک ایک شخص کو محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ آج کی رات بھی بہت اندھیری تھی۔۔۔ تیز ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے اور راؤ حیدر شاہ اپنی خوابگاہ میں عبادت سے فارغ ہو کر آرام کرنے کیلئے لیٹے تھے۔۔۔ ذہن میں مختلف خیالات آ رہے تھے' وہ سوچ رہے تھے کہ وہ کون سا ذریعہ ہو سکتا ہے کہ سنگل پور کو اس وحشت خیز ماحول سے نکالا جا سکے۔۔۔ اب تو ان کے کانوں میں قرب و جوار کی خبریں بھی پہنچ رہی تھیں۔۔۔ راستے کی گزرگاہوں پر سنگل پور کے باسی چھپے ہوئے تھے اور جب کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر سے گزرتا تو بڑی محبت سے اس کے پاس جاتے اسے کھانے پینے کی اشیاء دیتے لیکن ان اشیاء میں خواب آور دوا ملی ہوتی تھی اور جب کھانے والا ایک مہمان کی مہمان نوازی سے متاثر ہو کر نشے میں ڈوب جاتا تھا تو اس کا سارا جسم خون سے خالی کر دیا جاتا تھا' اب یہ الگ بات ہے کہ جب وہ اپنی بستی میں پہنچتا تو خود بھی خون آشام بن چکا ہوتا یا پھر خون نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جاتی۔۔۔ یہ پراسرار چکر نجانے کب سے چل رہا تھا' راؤ حیدر شاہ اس وقت یہی سوچ رہے تھے کہ اچانک ہی کہیں سے انہیں پائل کی چھنکار سنائی دی۔ چھن۔۔۔ چھن۔۔۔ چھن۔۔۔ کرتا ہوا کوئی قریب سے گزر رہا تھا۔۔۔ راؤ صاحب

حیرانی سے اٹھ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو پیروں میں گھنگروں باندھ کر اس طرح آزادی سے سفر کرے لیکن آواز ان کے قریب آتی جا رہی تھی--- وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئے۔ قریب ہی بندوق رکھی ہوئی تھی جسے لوڈ کرنے میں انہوں نے کسی سستی کا مظاہرہ نہیں کیا اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد وہ خوابگاہ کا دروازہ کھول کر راہداری میں نکال آئے۔ راہداری دور تک ویران پڑی ہوئی تھی--- کچھ دیر دروازے کے پاس کھڑے وہ ادھر ادھر کا جائزہ لیتے رہے اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہال کے زینے کی جانب بڑھ گئے--- بہت سی باتیں ہو سکتی تھیں--- بہت سے خیالات تھے ان کے دل میں' یہ حویلی بہت سے رازوں کی امین تھی--- راؤ حیدر شاہ نے اپنے آبائی خزانے کو بھی اسی حویلی کے نیچے تہہ خانے میں محفوظ کر رکھا تھا--- اور اس تہہ خانے کے بارے میں بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔ اصل میں یہ خزانہ صدیوں سے راؤ حیدر شاہ کے خاندان میں منتقل ہوتا آ رہا تھا--- اور اس کے بارے میں کچھ روایتیں تھیں' جن میں ایک روایت یہ بھی تھی کہ اس خزانے کو خرچ کرنے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ اس نسل کے جس فرد کو اس خزانے کی ضرورت ہوگی وہی اسے خرچ کر سکے گا۔ اگر کسی اور نے اسے ہاتھ لگایا یا خرچ کرنے کی کوشش کی تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا--- چنانچہ خود راؤ حیدر شاہ کی تین نسلیں اس خزانے کی حفاظت کرتی چلی آ رہی تھیں اور جب راؤ حیدر شاہ نے یہاں اپنے قدم جمائے تھے اور اس حویلی کو آباد کیا تھا تو انتہائی راز داری کے ساتھ رات کی تاریکی میں انہوں نے یہ خزانہ یہاں تہہ خانے میں منتقل کیا تھا اور اس کے بارے میں بہت ہی کم لوگ جانتے تھے' انہیں اس خزانے کا خیال بھی تھا---

بہرحال وہ ہال کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئے' ہر چیز جوں کی توں تھی--- درمیان میں رکھی بڑی میز' کچن کی طرف جانے والا راستہ--- پھر وہ زینہ طے کر کے نیچے آ گئے لیکن میز کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بس اچانک ہی ٹھٹھک کر رک گئے تھے' کہیں قریب ہی سے پائل کی جھنکار خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی ان کے کانوں تک پہنچی تھی اور وہ ایک لمحے کیلئے اپنے بدن میں سنسناہٹیں محسوس کر کے رہ گئے تھے--- انہوں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر ان کی نظر کچن

کے دروازے پر پڑی--- ان کا دل اس زور سے دھڑکا جیسے ابھی پسلیاں توڑتا ہوا باہر آ جائے گا۔ ان کا بندوق کے دستے پر رکھا ہوا ہاتھ کانپ رہا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دروازے میں کھڑے سیاہ ہیولے نے انہیں اپنی آنکھوں سے محصور کر لیا ہو۔ پھر اس سے پہلے کہ بھری ہوئی بندوق ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گرتی' انہوں نے خود کو سنبھال لیا' دروازے میں کھڑے ہیولے کی خونریز آنکھیں ان پر جمی ہوئی تھیں--- اور اب اسے آگے پیچھے حرکت کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا' راؤ صاحب نے ایک لمحے کیلئے ہیولے کی نظروں سے اپنے آپ کو بچایا اور بندوق پر گرفت مضبوط کر کے نشانہ لئے بغیر فائر جھونک دیا--- گرجدار آواز کے ساتھ ہی دروازے کا ایک پٹ بند ہو گیا--- اور وہ شعلہ بار آنکھیں بجلی کے بلب کی طرح بجھ گئیں--- ہیولے میں حرکت ہوئی اور پھر وہ تیزی سے واپس پلٹ کر تاریکیوں میں گم ہو گیا--- راؤ حیدر شاہ کی آنکھیں تاریکی میں گھورتی رہیں' وہ کچھ دیر تک کھڑے تاریکی میں گھورتے رہے' پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھنے لگے--- لیکن ابھی وہ چوکھٹ بھی پار نہیں کر پائے تھے کہ بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھریں' شاید گھر والے بیدار ہو گئے تھے' دو نالی بندوق کے فائر کی آواز بہت گرجدار ہوتی ہے' چنانچہ بھلا اس بات کے کیا امکان تھے کہ حویلی میں رہنے والے دوسرے لوگ اس آواز کو سن کر بیدار نہ ہوں--- لیکن راؤ حیدر شاہ ان کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھے اور انہوں نے فائر سے بند ہونے والے دروازے کے پٹ کو کھولا' دوسری طرف بھی تاریکی ہی تھی' لیکن ہیولا یا وہ خون بار آنکھیں انہیں نظر نہیں آئی تھیں' ان کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں پھر انہوں نے عقب میں پلٹ کر دیکھا اور راہداری میں دوڑتے ہوئے قدم اب زینے تک پہنچ گئے تھے۔ اس کے فوراً بعد روشنی کی تیز کرنیں زینوں کے انتہائی سرے پر نمودار ہوئیں--- اور راؤ صاحب کی گرجدار آواز ابھری---

"کون ہے---؟"

"میں ہوں--- ابو---" ان کے بیٹے غلام شاہ کی آواز سنائی دی' اور تھوڑی دیر کے بعد غلام شاہ' صابر شاہ' سلطانہ اور بہت سے ملازم سیڑھیوں پر پہنچ گئے' وہ

آہستہ آہستہ ان کے قریب آ گئے تھے اور راؤ حیدر شاہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے ان سب کا جائزہ لے رہے تھے---

"کیا بات ہے ابو--- غلام شاہ نے باپ سے پوچھا لیکن حیدر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اچانک دوڑتے قدموں کی آواز دوبارہ سنائی دی اور پھر سب نے اس لڑکی کو دیکھا۔ اس سے قبل کہ وہ اس کے بارے میں کوئی قدم اٹھاتے اچانک لڑکی نے کھڑکی پر چڑھ کر چھلانگ لگا دی۔ سب کے حلق سے آوازیں نکل گئیں۔ راؤ حیدر شاہ نے جھانک کر نیچے دیکھا۔ لڑکی پتھروں پر دم توڑ رہی تھی۔ راؤ حیدر شاہ سب کو اشارہ کر کے نیچے دوڑے لیکن اس وقت ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب نیچے پہنچ کر انہیں کچھ نہ ملا--- حیدر شاہ حیران رہ گئے۔

دوسرے دن ناشتے پر صابر شاہ نے انہیں ڈائری دیتے ہوئے کہا۔ "یہ ڈائری مجھے حویلی کے ایک پرانے کاٹھ کباڑ کے کمرے سے ملی ہے اور اس کی تحریر عجیب و غریب ہے۔

راؤ حیدر شاہ نے ڈائری دیکھی' پہلے ہی صفحے پر ایک مکروہ چھپکلی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس کے بعد ایک پراسرار اور سنسنی خیز تحریر تھی۔ ایک ناقابل یقین تحریر--- جس سے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھتا تھا۔

○

وہ ایک حسین اور سرسبز شاداب پہاڑی علاقہ تھا۔ تاحد نظر درخت نکھرے نظر آ رہے تھے۔ جن کے دامن میں سبز گھاس اگی ہوئی تھی۔ حسین و جمیل پھول چاروں طرف کھلے ہوئے تھے۔ بے حد خوشنما علاقہ تھا۔ ایک آبشار پہاڑ کی بلندی سے نیچے گر رہی تھی۔ حسین ترین خطہ تھا' پرسکون خاموشی' میں نے یہیں قیام کا فیصلہ کر لیا اور ایک خوبصورت جگہ آرام کیلئے منتخب کر لی۔

رات گہری ہو گئی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاروں طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ میں اپنی آرام گاہ میں لیٹا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ جگہ کچھ وقت گزارنے کیلئے بہتر ہے۔ اب یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کتنے دن یہاں دل لگے گا۔ ہو سکتا ہے طبیعت بہت جلد اکتا جائے۔ اب اس بات سے تو انکار نہیں کر سکتا تھا کہ انسان نہیں ہوں۔ انسانی فطرت بہرطور انسانوں کو ہی طلب کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے بے زاری کی یہ کیفیت بہت جلد ختم ہو جائے اور میں پھر انسانوں کے ہی درمیان جانے کی خواہش دل میں پاؤں لیکن اس پرفضا مقام سے بہرطور کچھ عرصہ تو لطف اندوز ہوں گا۔ بعد میں دیکھا جائے گا جیسی بھی صورتحال ہو۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ اچانک کانوں میں موسیقی کی آواز ابھری۔ ہوا کے دوش پر یہ آواز مدھم مدھم سروں میں مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ دن کی روشنی میں تو میں نے یہاں انسانی زندگی کا نشان بھی نہیں پایا تھا پھر یہ کون ہے؟ ایک تجسس دل میں ابھرا اور میں اس تجسس کو دبا نہ سکا۔ ذرا دیکھوں تو سہی ان آوازوں کا کیا راز ہے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور آوازوں کی کھوج میں چل پڑا۔ گھنگروؤں کی جھنکار'

طبلے کی تھاپ اور دوسرے سازوں کی آواز اس بات کا اظہار کر رہی تھی کہ یہ صرف
ساعت کا واہمہ نہیں ہے بلکہ حقیقتاً کہیں رقص و موسیقی کا دور چل رہا ہے۔ مجھے
احساس ہوا کہ یہ آواز اس آبشار کے دوسری جانب سے آ رہی ہے۔ جسے میں نے دن
کی روشنی میں دیکھا تھا اور جو اب بھی دودھ کی سفید دھاروں کے مانند بلندیوں سے
بہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے دوسری جانب یا تو کوئی آبادی ہے یا پھر کوئی
ایسا سلسلہ جو اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ میں اپنے تجسس کو کسی طور نہ دبا
سکا اور اچھا خاصا طویل سفر طے کر کے آبشار کے قریب پہنچ گیا آوازیں زیادہ واضح ہو
گئی تھیں۔ اس میں انسانی آوازیں بھی شامل تھیں۔ میں بالاخر آبشار کے دوسری
طرف جانے کا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ گھور سناٹے اور اندھیرے میں
اس طرف ایک چھوٹے سے حصے کو منور کئے ہوئے تھے۔ خاص قسم کی مشعلیں جلائی
گئی تھیں۔ جو ہواؤں سے بھی نہ بجھیں اور ان مشعلوں کے درمیان دو ناچن ہاریاں
حسین رقص پیش کر رہی تھیں۔ جنگل میں منگل منایا جا رہا تھا۔ کیونکہ آس پاس کوئی
آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید کوئی قافلہ ہے جو یہاں وقت گزاری کیلئے اس نے یہ
سب کچھ کیا ہے۔ غرض یہ کہ یہ حسین منظر نگاہوں کے سامنے واضح ہو گیا۔ میں نے
کچھ اور قریب جا کر ان رنگ رلیاں منانے والوں کا نظارہ کرنے کے بارے میں سوچا
اور چھپتا چھپاتا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ان لوگوں کو دیکھا جا سکتا تھا۔ سو میں نے
دیکھا کہ پریوں کا ایک غول ہے جس نے ایک بڑی اور وسیع چٹان پر ڈیرا جما رکھا
ہے۔ آس پاس چھوٹے چھوٹے خیمے لگے ہوئے ہیں اور ان خیموں سے کافی فاصلے پر
سپاہی ایستادہ تھے۔ وہ خاص قسم کے لباس پہنے ہوئے مستور تھے۔ لیکن یوں لگتا تھا
جیسے انہیں اس حسین مجمع کے پاس آنے کی اجازت نہیں ہے اور وہ صرف پہرہ دے
رہے ہیں۔ اپسراؤں کے غول میں ایک چاند نکلا ہوا تھا۔ چھوٹے سے سنگھاسن پر
انتہائی زرق برق لباس میں ملبوس ایک ایسی لڑکی جسے دیکھ کر آنکھیں بند نہ کرنے کو جی
چاہے مسکراتی نگاہوں سے پریوں کا رقص دیکھ رہی تھی۔ لڑکیاں ہی ساز بجا رہی تھیں
اور لڑکیاں ہی جام لنڈھا رہی تھیں۔ یہ حسین محفل مجھے بے حد پسند آئی لیکن اتنا
ضرور جانتا تھا کہ ان لوگوں کے قریب جا کر خود کو نمایاں کر دینا لاتعداد مصیبتوں کا

باعث بن سکتا ہے۔ دور ہی سے دیکھتے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ بہت دیر
تک یہ رقص دیکھتا رہا۔ وہ دو لڑکیاں تھک کر بیٹھ گئیں تو دوسری لڑکیوں نے رقص
کرنا شروع کر دیا۔ پھر بہت دیر کے بعد وہ مست شباب انگڑائی لے کر کھڑی ہو گئی اور
اس نے ہاتھ اٹھا کر غالباً لڑکیوں سے رقص و سرور بند کرنے کیلئے کہا۔ مشعلیں آہستہ
آہستہ بجھنے لگیں۔ اپسرا ایک خیمے کی جانب چل پڑی اور پریوں کا غول اس کے پیچھے
لگ گیا۔ پھر وہاں مکمل تاریکی چھا گئی تھی۔ وہ سب آرام کرنے لیٹ گئی تھیں۔ میں
بھی اپنی قیام گاہ کی جانب واپس پلٹ پڑا اور کچھ دیر کے بعد اپنے مخصوص ٹھکانے پر
جا لیٹا۔ دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی۔ ننھی ننھی بوندیں آسمان سے ٹپک رہی تھیں
اور ان کی رفتار اس قدر مدہم تھی کہ بس ایک ہلکی سی پھوار کا احساس ہوتا تھا۔ کچھ
فاصلے پر جھرنے کا سفید پانی بہتا ہوا گزر رہا تھا اور یہ ننھی ننھی بوندیں اس میں شامل
ہو کر ایک عجیب سی بہار دے رہی تھیں۔ میں آوارہ گردی کرنے والے انداز میں چل
پڑا اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے جھرنا گر رہا تھا۔ میں نے پانی میں قدم رکھ دیئے اور
اس کے بعد ایک خوشگوار غسل کرنے لگا۔ پانی کی گہرائیاں میرے لئے بڑی مست کن
تھیں۔ بہت دن کے بعد ایسے قدرتی ماحول میں نہانے کا موقع ملا تھا۔ میں بہت دیر پانی
میں بیٹھا رہا اور پھر کچھ فاصلے پر ابھرا لیکن جیسے ہی میں نے سر ابھارا ایک ہلکی سی
آواز میرے کانوں میں گونجی۔ نسوانی آواز تھی اور انداز چیخنے کا سا تھا۔ میں نے حیرانی
سے ادھر نگاہیں دوڑائیں تو وہی رات والی حسینہ کچھ فاصلے پر پانی میں نظر آئی۔ لیکن
اس طرح کہ ہوش و حواس معطل ہو جائیں۔ اس کے سارے بال بھیگے ہوئے تھے اور
وہ شبنم سے دھلے پھول کی مانند نظر آ رہی تھی۔ میری نگاہیں اس پر جم گئیں۔ وہ
دہشت کے عالم میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی
موجود نہیں تھا۔ وہ بے لباس ہونے کی وجہ سے پانی سے نکل کر بھاگ بھی نہیں سکتی
تھی۔ بہرحال کچھ اخلاقی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور میں چونکہ جان بوجھ کر وہاں نہیں گیا
تھا بلکہ پانی کے نیچے نیچے تیرتا ہوا اس جگہ تک پہنچ گیا تھا۔ ورنہ اگر میں اسے اس
طرح دیکھ لیتا تو اس کے قریب جانے کی کوشش نہ کرتا۔ میں رخ پلٹ کر دوسرے
کنارے کی سمت چل پڑا اور پھر کنارے سے ابھر کر بھی میں نے اس کی طرف منہ

نہیں کیا بلکہ سیدھا سیدھا وہاں سے آگے بڑھ گیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ
اس کے حسن و جمال کا عکس میرے دل پر جم گیا تھا۔ بلاشبہ انتہائی حسین لڑکی تھیں۔
ایسی کہ ایک بار دیکھنے کے بعد بار بار دیکھنے کو جی چاہے۔ میں نے ایک ہی نگاہ میں
پہچان لیا تھا۔ وہی تھی جس کی سب ناز برداریاں کر رہے تھے۔ ہو گی کوئی مجھے کیا۔
بہرحال میں تھوڑی دیر کے بعد اپنے ٹھکانے پر واپس آگیا اور ایک جگہ بیٹھ کر حالات
کے بارے میں سوچنے لگا۔

واقعی انسان سوچتا تو ہے کہ اسے پرسکون گوشوں میں زندگی گزار کر زندگی کا
لطف حاصل کرنا چاہئے لیکن یہ کام ان درویشوں' ولیوں' رشیوں اور سینوں کا ہی ہے
کہ جو دنیا تیاگ کر پہاڑوں میں جا بستے ہیں۔ وہ شخص جسے زندگی کی دلکشی کا احساس ہو
چار دن بھی انسانوں کی دنیا سے دور نہیں رہ سکتا۔ وہاں چندر بھان کے ساتھ میری
اپنی سوچوں میں نہ جانے کیا کچھ شامل ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے بارے میں تو
سوچنا ہی حماقت کی بات تھی۔ وہاں سے نکل کر جب ایک بار پھر اپنے آپ کو انسانوں
کے درمیان پایا تھا تو خیالات ہی بدل گئے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ ساری عمر
انسانوں کی قربت میں گزاری جا سکتی ہے۔ ان سے دور رہ کر چند لمحات گزارنا بھی
ایک مشکل کام ہے۔ بہرحال دیکھتے ہیں کتنا وقت اس طرح گزر سکتا ہے۔ اس کے بعد
کسی انسانی آبادی کا رخ کریں گے۔ بس یونہی نہ جانے کب تک سوچتا رہا تھا۔ بوندیں
بند ہو گئی تھیں اور اب آسمان سے بادلوں کی دھند چھٹنے لگی تھی۔ ابھی میں اپنی
سوچوں میں ہی گم تھا کہ مجھے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور اس وقت میں چونک کر
اٹھ بیٹھا جب میں نے کچھ فاصلے پر پانچ چھ سپاہیوں کو دیکھا جو میری جانب چلے آ رہے
تھے۔ ایک لمحے میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ وہی سپاہی ہیں جو رات کو پہرہ دے رہے
تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بلاوجہ مجھ سے جھگڑا مول لینے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو
گا۔ یقینی طور پر میرے بارے میں اسی اپسرا نے کوئی قدم اٹھایا ہے۔

سپاہی میرے پاس پہنچ گئے۔ آگے والے شخص نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "جے
ہو مہاراج کی' آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"ہاں پوچھو۔" میں نے سپاہی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا صبح صبح جھرنے کے کنارے آپ ہی نہا رہے تھے؟"

"ہاں میں ہی تھا۔" میں نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔

"کماری پرشوتما آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"کون کماری پرشوتما ـــــ؟"

"ہماری راج کماری ہیں۔ ریاست چینتا کی راجکماری۔"

"کیوں ملنا چاہتی ہیں وہ مجھ سے ـــ؟"

"مہاراج انہوں نے آپ کیلئے سندیس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ وہ دوستوں کی
طرح آپ سے ملنے کی آرزو رکھتی ہیں۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ ان کی یہ
آرزو پوری کریں۔"

"اگر وہ دوستوں کی طرح ملنا چاہتی ہیں تو مجھے چلنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔
اتفاق کی بات ہے کہ میں بھی اس وقت جھرنے کے پانی میں نہا رہا تھا جب تمہاری
کماری جی وہاں پانی میں نہا رہی تھیں لیکن اس کے بعد میں خاموشی سے وہاں سے
واپس چلا آیا۔"

"کماری جی کو آپ کی یہ بات بہت پسند آئی ہے۔ وہ آپ کی تعریفیں کرتے
ہوئے یہ بات بتا رہی تھیں کہ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔ چلیں گے مہاراج۔"

"ہاں چلو۔ اگر یہ بات ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور
سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں میں نے ان سے پوچھا کہ انہیں یہ کیسے پتہ
چل گیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔"

"کماری پرشوتما نے کہا تھا کہ آپ اسی علاقے میں ہیں۔ آپ کو تلاش کیا جائے
ہم تو بہت دیر کے بعد آپ کی کھوج کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں مہاراج۔"

O

کچھ دیر کے بعد میں اسی جگہ پہنچ گیا تھا جہاں خیمے لگے ہوئے تھے۔ بہت ہی
خوبصورت خیمے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر سپاہی اب بھی ٹہل رہے تھے لیکن شاید ان
کیلئے جگہ مخصوص کر دی گئی تھی۔ وہاں سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ جب مجھے

لانے والے سپاہی ایک مخصوص جگہ پر پہنچے تو وہاں میں نے دو لڑکیوں کو دیکھا جو غالباً انتظار ہی کر رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے پرشوق نگاہوں سے دیکھا اور ان کی آنکھوں میں پسندیدگی کے جذبات ابھر آئے۔

"یہی ہیں وہ۔" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ہاں یہی ہیں۔ ہم نے معلوم کرلیا ہے۔"

"آیئے مہاراج۔" ایک لڑکی اپنے ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ عجیب سا انداز تھا اس کا۔ آنکھوں میں شوخی کی جھلکیاں' چہرے پر شوخ مسکراہٹ' چال میں بانکپن' دونوں کی دونوں میرے دونوں سمت چل پڑیں اور پھر وہ مجھے لئے ہوئے اس بڑی چھولداری کے پاس پہنچ گئیں جس کے سامنے لڑکیاں ہی پہرہ دے رہی تھیں۔

"اندر چلے جایئے مہاراج۔" مجھے ساتھ لانے والیوں میں سے ایک نے کہا اور میں پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔

وسیع و عریض چھولداری کو اس جنگل میں بھی کسی عالیشان محل کے کمرے کی مانند سجاوٹ دی گئی تھی۔ وہیں ایک سنگھاسن پر وہ مست شباب بیٹھی ہوئی تھی۔ دو لڑکیاں اس کے پیروں کے پاس بیٹھی تھیں۔ ایک پیچھے مور چھل جھل رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر وہاں موجود لڑکیوں سے چلے جانے کیلئے کہا۔ تینوں کی تینوں لڑکیاں گردن جھکائے چھولداری سے باہر نکل گئی تھیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"بیٹھئے مہاراج۔ وہ آپ کیلئے سنگھاسن موجود ہے۔"

میں بیٹھ گیا۔ "میں نے کہا آپ نے مجھے بلایا ہے کماری پرشوتما۔"

"ارے آپ کو تو ہمارا نام بھی معلوم ہو گیا۔"

"آپ کے سپاہیوں نے مجھے بتایا تھا کہ کماری پرشوتما نے مجھے طلب کیا ہے۔"

"ہاں کماری پرشوتما ہی ہیں ہم۔ ریاست چیتنا کے رہنے والے ہیں اور وہاں ہمارے پتا جی مہاراج گھوراج حکمران ہیں۔"

"مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہے کماری جی۔"

"نہیں۔۔۔ ہم تو آپ کے قائل ہو گئے ہیں۔ ہم بتا رہے تھے جب آپ ہمیں نظر آئے یہ اندازہ ہمیں ہو گیا تھا کہ آپ کو بھی ہمارے بارے میں پتا نہیں ہے پھر

آپ خاموشی سے گردن موڑ کر چلے گئے اور ہم دور تک آپ کو دیکھتے رہے۔ آپ نے ایک بار بھی پلٹ کر ہماری طرف نہیں دیکھا۔ یہ آپ کی شرافت تھی اور ہمیں آپ کی شرافت بہت پسند آئی۔ ہم نے واپس آنے کے بعد اپنی سکھیوں سے کہا کہ آپ کو تلاش کیا جائے۔ ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے۔"

"بہت شکریہ! آپ کو خود ہی اندازہ ہو گیا ہے کہ میں بالکل اتفاقیہ طور پر وہاں نہا رہا تھا۔ اگر مجھے آپ کی آہٹ بھی مل جاتی تو میں اس علاقے کا رخ نہ کرتا۔"

"ہاں ہمیں اس کا پورا پورا اندازہ ہے۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

"ہباسن۔"

"واہ سچ مچ آپ کی صورت کی طرح سندر۔"

"شکریہ کماری پرشوتما۔ میں تو آپ کو دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ آسمان سے کوئی اپسرا اتر آئی ہے۔"

"ارے نہیں ہم اتنے سندر تو نہیں ہیں۔"

"آپ ہیں۔۔۔ واقعی آپ ہیں کماری جی۔"

"تب پھر دھن واد۔۔۔ لیکن آپ یہاں کہاں بھٹک رہے ہیں؟"

"بس یوں سمجھ لیجئے صحراؤں کا رسیا ہوں۔ جنگلوں' پہاڑوں میں بڑا سکون ملتا ہے مجھے۔ کبھی کبھی گھومتا پھرتا چلا آتا ہوں۔"

"کہاں کے رہنے والے ہیں۔" اس نے پوچھا اور مجھے بتانے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ "ایک چھوٹی سی بستی ہے دھونگری کے نام سے۔ بہت فاصلہ ہے یہاں سے اس کا۔ شاید آپ نے کبھی اس کا نام بھی نہ سنا ہو۔ بس وہیں کا رہنے والا ہوں۔"

"ماتا پتا نہیں ہیں؟" اس نے سوال کیا اور اچانک ہی میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی۔ انسان کو اس کے ماں باپ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن میں ان تمام چیزوں سے کہاں واقف تھا۔ صدیوں پرانی بات تھی کسی سے کہتا تو وہ تسلیم نہ کرتا اور جھوٹ سمجھتا۔ لیکن یہ حقیقت تھی اور جب بھی کبھی یہ حقیقت یاد آ جاتی دل و دماغ کی عجیب سی کیفیت ہو جاتی تھی۔ اس نے خود کہا۔

"مر گئے شاید۔"

میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور خاموش رہا۔

"اگر ہم سے کوئی بھول ہو گئی ہے تو ہمیں شما کر دیجئے ہم نے تو بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"نہیں راج کماری جی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں میرے ماتا پتا مر گئے ہیں نجانے کب سے انہیں نہیں دیکھا۔"

"ہوں ہمیں آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے ہیاسن جی۔ ہم کبھی کبھار سیر سپاٹوں کیلئے نکل آتے ہیں۔ سکھیوں کے ساتھ۔ جنگلوں کے قیام میں بہت مزہ آتا ہے۔ اب دیکھئے نا یہ کیسی خوبصورت جگہ ہے۔ سرسبز و شاداب جنگل' گھاس کے بڑے بڑے میدانوں میں دوڑتے ہوئے ہرن اور ان کے بچے' چھوٹے چھوٹے جانور' پھر موسم بھی بہت اچھا ہے۔ ہمیں تو بہت اچھا لگتا ہے یہ سب کچھ' آپ کو کیسا لگا آپ یہاں کب پہنچے؟"

میرا دل تو چاہا کہ میں اسے رات کے بارے میں بتا دوں لیکن مناسب نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے وہ یہ سوچتی کہ رات کے واقعے سے متاثر ہو کر میں نے جھرنے کی طرف کا رخ کیا ہو تاکہ دوبارہ مجھے وہ نظر آ جائے۔ چنانچہ میں نے یونہی ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"بس یوں سمجھ لیجئے زیادہ وقت نہیں گزرا۔"

"خیر اب اگر آپ یہاں ہمیں مل ہی گئے ہیں تو اکیلے رہنے کی ضرورت نہیں اور تو کوئی نہیں ہے نا آپ کے ساتھ۔"

"نہیں ——"

"یہاں بہت سے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں آپ کی سیوا کر کے خوشی ہو گی۔"

"لیکن آپ کو تکلیف ہو گی راج کماری جی ——"

"نہیں ہم راجکماری ہیں اور راجکماریوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اب آپ جتنا سے بھی یہاں ہیں ہمارے ساتھ ہی رہئے۔ ہم بھی بہت دن تک یہاں نہیں رہیں

گے۔ پتا جی سے تھوڑے دنوں کی آگیا لے کر آئے تھے۔ اب اس کے بعد ہمیں واپس جانا ہو گا پھر آپ کا بھی من چاہے جہاں چلے جائیں۔"

اس کے انداز میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ ویسے بھی اس حسین ترین دعوت کو ٹھکرانا کم از کم کسی انسان کیلئے تو مشکل ہی کام تھا۔ میں نے نیم رضامندی کے انداز میں کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کماری جی۔ بس آپ ہی کی تکلیف کا خیال ہے۔"

"آپ جیسے اچھے ساتھیوں اور دوستوں کی سیوا کر کے کسی پاپی ہی کو تکلیف ہوتی ہو گی ——" اس نے کہا۔

"بہت بہت دھن واد —— اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں آپ نے ہماری بات مان کر ہمیں دھن واد کا موقع دیا ہے۔ اب آپ یوں کیجئے کہ ہم آپ کیلئے ایک جگہ بنائے دیتے ہیں بعد میں آپ کے ساتھ بھوجن کریں گے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے ——؟"

"نہیں کماری جی اب مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور اس نے تالی بجائی۔ وہی تینوں لڑکیاں فوراً اندر آ گئی تھیں۔ جو تھوڑی دیر پہلے موجود تھیں۔

"مہاراج ہمارے مہمان ہیں انہیں ہمارے ہی علاقے میں ٹھہرا دیا جائے۔ آج رات کو ان کیلئے سبھا جے گی۔"

"جی مہارانی جی۔" لڑکیوں نے جواب دیا اور ہوش ربا نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگیں۔ مقصد یہ تھا کہ میں ان کے ساتھ چلوں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ جس چھولداری میں انہوں نے میرے قیام کا بندوبست کیا تھا وہ خوب سجی ہوئی تھی۔ ہر طرح کی آسائشیں یہاں موجود تھیں۔ یہاں پہنچنے کے بعد میں کماری پرشوتما کے بارے میں سوچ میں ڈوب گیا۔ کماری جی کی یہ مہربانی بے مقصد نہیں تھی۔ بہرطور جنگل میں رنگ رلیاں منانے آئی تھیں۔ میرا کیا نقصان ہے۔ اچھا ہے تنہائی کا احساس بھی دور

ہو جائے گا۔ جنگل کا جنگل اور تنہائی کی کی تنہائی۔۔۔۔"

بہرحال اس کے بعد میری خاطرمدارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کھانے پینے کی اشیاء سے مجھے زیادہ شغف نہیں تھا۔ اگر طویل عرصہ بھی کچھ کھانے کو نہ ملتا تو مجھے اس کی ضرورت کبھی نہ محسوس ہوتی لیکن بہرطور میں نے اس خاطرمدارات کو نظر انداز نہیں کیا اور کماری جی کی عنائتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ شام جھک آئی اور اس کے بعد رات ہو گئی۔ پچھلی رات کی طرح آج آسمان ابر آلود نہیں تھا بلکہ بڑا شفاف اور کھلا کھلا سا تھا۔ جیسے دھل کر نکھر گیا ہو۔"

رات کا کھانا بھی کماری جی نے میرے خیمے ہی میں بھجوایا اور اس کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب سبھا جے گی۔ چنانچہ کام شروع ہو گیا۔ وہی چٹان منتخب کی گئی تھی جس پر میں نے پچھلی رات ان اپسراؤں کو رقصاں دیکھا تھا۔ لڑکیاں مجھے لینے آئی تھیں اور میں تیار ہو کر چل پڑا تھا۔ وہاں سب میرے منتظر تھے۔ راج کماری جی سنگھاسن پر موجود تھیں اور برابر ہی ایک اور کے بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ جو راج کماری جی کے بہت قریب تھی۔ یہاں میرے بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا۔ کماری جی نے کھڑے ہو کر میرا سواگت کیا تھا۔ بال بال موتی پروئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس وقت وہ بلاشبہ دیکھنے دکھانے کی چیز نظر آ رہی تھیں۔ پھر بھی میں نے اپنے آپ پر قابو ہی رکھا اور ان کے اشارے پر اس جگہ بیٹھ گیا۔

سازندوں نے ساز چھیڑے اور بڑی مسحور کن دھنیں بجائی جانے لگیں۔ پھر رقاصائیں اپنے فن کا کمال دکھانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور رقص و موسیقی کی اس سحرانگیز محفل کا آغاز ہو گیا جس میں جام لنڈھائے جانے لگے۔ میرے لئے ایسی محفلیں اب نئی نہیں تھیں۔ بہت پہلے ان کے لطف سے آشنا ہو چکا تھا۔ نشہ آور شے میرے حواس کو متاثر نہیں کرتی تھی۔ خواہ ان کی کتنی ہی مقدار میرے وجود میں اتر جائے۔ چنانچہ میں نے جام قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ پرشوتما کی پرشوق نگاہیں میرا طواف کر رہی تھیں وہ جام پہ جام چڑھا رہی تھیں اور پھر وہ مست ہو کر میرے قریب آ گئی۔

"اٹھو ہیاسن۔۔۔۔ اب یہاں سے چلیں۔۔۔۔" میں خاموشی سے اٹھ گیا۔ وہ

لڑکھڑاتی ہوئی میرے ساتھ دور نکل آئی اور پھر ایک حسین گوشے میں پہنچ کر وہ میرے بازوؤں میں جھول گئی۔ اس کے انگ انگ میں مستی پھوٹ رہی تھی۔ میں نے اسے سنبھال لیا ورنہ وہ گر پڑتی۔ لیکن اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ وہ نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔

"کیسے کٹھور ہو ہیاسن' آسمان پر پورا چندرما ہے۔۔۔۔ دھرتی پر ہوائیں بکھری ہوئی ہیں۔ خوشبوؤں میں ڈوبی ہوئی ہوائیں اور تم اس طرح مجھ سے بے پرواہ ہو جیسے میں سندر ہی نہیں ہوں۔ بولو ہیاسن کیا میں سندر نہیں ہوں۔۔۔۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔۔۔۔ ہاں تم سندر ہو۔ سنسار کی ہر ناری اپنے بارے میں ایسا ہی خیال رکھتی ہے۔" میں بیٹھ گیا اس نے اپنا سر میری آغوش میں رکھ دیا تھا۔

"تو پھر میری سندرتا کو سوئیکار کیوں نہیں کرتے۔ کیا کمی ہے مجھ میں۔" اس نے کہا لیکن میرا ذہن آہستہ آہستہ بھٹکنے لگا تھا۔ اچانک ہی ایک دھواں سا میری نگاہوں کے سامنے لہرانے لگا تھا۔ یہ احساس اس نے ہی دلایا تھا کہ آسمان کا چاند پورا ہو چکا ہے۔ میری نگاہیں چاند کی جانب اٹھ گئیں۔ چاند کا سنہرا طباق جیسے اتنا قریب ہو کہ ہاتھ بڑھاؤ اور چھو لو لیکن چاند کے اشارے کچھ اور ہی تھے۔ میرے دل میں اچانک ہی ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ ہاں چندرما میں پورا ہو گیا اور میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میری نگاہیں راجکماری پرشوتما کی جانب اٹھ گئیں۔ اس کا سر ڈھلکا ہوا تھا۔ لمبی سفید گردن ایک جانب ڈھلکی ہوئی تھی۔ اور اس کی گردن کی رگ پھولتی پچکتی نظر آ رہی تھی۔ اس رگ میں سرخ زندگی دوڑ رہی تھی۔ وہ زندگی جو میرے رگ و پے کو نیا سرور بخشتی تھی۔ میرے وجود میں ایک ایسی آگ لگا دیتی تھی کہ جینے کو جی چاہے اور اس کا حسین مرمریں وجود میری نگاہوں میں بے وقعت ہو گیا۔ اگر تھی کوئی شے اس کے وجود میں باعث دلکشی تو وہ صرف اس کی گردن کی پھولی ہوئی رگیں تھیں۔ اس نرم و نازک جسم میں دوڑتا ہوا خون سرخ۔۔۔۔ زندگی کی چاشنی سے بھرپور۔۔۔۔ میرے ہونٹ اس کی گردن کی جانب جھک گئے اور جب اس نے میرے ہونٹوں کا لمس محسوس کیا تو مدہوش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ البتہ جب میرے نوکیلے دانت اس

کی گردن کی رگوں میں پیوست ہوئے تو اس کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی لیکن میں نے اس کا منہ اپنے چوڑے شکنجے میں کس لیا۔ اب میں اس کا صحیح طور سے پرستار تھا۔ میں نے اپنے مضبوط دانتوں سے اس کا نرخرہ ادھیڑ ڈالا اور غٹاغٹ اس کی گردن سے اچھلنے والے خون کو اپنے معدے میں اتارنے لگا۔ شراب کے اتنے سارے جام میرے وجود میں وہ نشہ اور کیفیت نہیں پیدا کر سکے تھے جو اس کے وجود سے ابلنے والے خون نے میرے پورے جسم پر طاری کر دی تھی۔ میں اس کا خون چوستا رہا اور اس کا بدن پھڑپھڑاتا رہا۔ جس طرح میں نے اسے دبوچ رکھا تھا اس کے تحت وہ جنبش تو کر سکتی تھی لیکن میری گرفت سے ایک انچ دور نہیں کھسک سکتی تھی اور بھلا اسے اس وقت تک چھوڑنے کا کیا سوال تھا جب تک کہ اس کی رگوں میں خون رواں دواں تھا۔ میری مہارت کام آ رہی تھی اور جب اس کا سارا خون میرے وجود میں داخل ہو گیا تو میں نے اس کی گردن سے ہونٹ ہٹا لئے اور مسرور نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کا گلابی رنگ سفید پڑ چکا تھا اور میرے اندر سرور کی ایک ایسی کیفیت بیدار ہو رہی تھی کہ جی چاہ رہا تھا کہ وہیں آنکھیں بند کر کے لیٹوں اور سو جاؤں لیکن یہاں رکنا مناسب نہیں تھا کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر راجاری پرشوتما کا سارا لشکر موجود تھا۔ بہتر یہی تھا کہ تھوڑی سی ہمت کروں اور یہاں سے نکل جاؤں۔ ہاں یہی مناسب ہے چنانچہ میں نے اسے اپنے آپ سے تھوڑا سا پرے کر دیا لیکن نہ جانے وہ میری آنکھوں کا دھوکا تھا یا ایک پراسرار حقیقت کہ اچانک ہی میں نے پرشوتما کے بے جان جسم کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس طرح کروٹیں بدل رہی تھی جیسے اس کے اعضاء میں تشنج ہو۔ حالانکہ وہ مر چکی تھی لیکن اس کی یہ کیفیت میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میرے ہوش و حواس پر جو نشہ طاری تھا وہ آہستہ آہستہ زائل ہونے لگا۔ یہ ناقابل یقین منظر تھا جو میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ پرشوتما کا وجود اب زمین پر کروٹیں لے رہا تھا اور اس کا بدن آہستہ آہستہ پتلا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر میری آنکھوں نے ایک انتہائی حیرتناک منظر دیکھا۔ اس کے سارے خدوخال مٹتے جا رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں بدن چہرہ سب اس طرح سے ہو رہا تھا کہ میری نگاہوں نے اس سے پہلے ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اسے متعجب نگاہوں سے دیکھا۔ ہاں وہ انسانی

وجود نہیں رہا تھا بلکہ کالے رنگ کی ایک بدصورت چھپکلی میرے سامنے پڑی ہوئی تھی اور اس کی گردن کے پاس میرے دانتوں کے نشانات موجود تھے۔ پھر ایک دم ہی میرے اندر ایک عجیب سی گرمی دوڑنے لگی۔ یہ گرمی بھی ناقابل یقین تھی۔ اس سے پہلے کبھی میری اندرونی کیفیات ایسی نہیں ہوئی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون کھولنے لگا ہو۔ شدید تپش' میرا پورا بدن سلگ رہا تھا۔ آہ میرے دشمن وار کر گئے تھے۔ میرا واسطہ بہت خطرناک دشمن سے تھا۔ میرا تعلق دوسری دنیا سے تھا جبکہ وہ خون پینے والا قبیلہ تھا۔ اور اس کا سربراہ بھگونتی تھا جسے اس کے ساتھی' بھگونت کہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ پراسرار علوم سیکھنے میں بھگونت نے میری بہت مدد کی تھی اور میں اسے گرو کہتا تھا۔ لیکن بہت سے پراسرار علوم سیکھتے ہوئے جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ خون پیتے ہیں تو میں پریشان ہو گیا مگر انہوں نے دھوکے سے مجھے خون کا چسکا لگا دیا اور اب مجھے بھی خون پینے کی عادت پڑ گئی تھی لیکن پھر میں ان کے چنگل سے نکل آیا۔ حالانکہ میرے اور بھگونت کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ میں اس کے دشمنوں کے خلاف کام کروں گا۔ ایک ایک کر کے انہیں خون پینے والے قبیلے میں شامل کر لوں گا۔ لیکن اندر سے میں یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی مگر خون پینے کی عادت نہ گئی اور اب میرا محبوب مشغلہ خون پینا تھا۔ لیکن یہ چھپکلی' جو کماری پرشوتما کی شکل میں میرے سامنے کھڑی تھی۔۔۔ اور اب۔۔۔

میرا وجود جلتا رہا' تب اچانک میں نے کچھ فاصلے پر بھگونت کو آتے دیکھا اور میں بری طرح خوفزدہ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک کامیاب مسکراہٹ تھی۔

"کیا حال ہے وکرم داس۔۔۔"

"کیا تم میرا حال جانتے ہو۔"

"ہم تم سے پوچھ رہے ہیں تم بتاؤ۔"

"اس وقت برا حال ہے۔"

"کیوں۔۔۔ وہ مسکرا کر بولا۔"

"شاید تمہیں اس بارے میں معلوم ہو۔"
"تمہارا کیا حال ہے۔۔۔ مجھے کچھ معلوم ہو گا۔"
"ضرور اس میں تمہاری کوئی چال ہے۔"
"اپنی چال بھول گئے۔"
"میری چال۔"
"ہاں اسی کی بات کر رہا ہوں۔"
"میرے بدن میں آگ لگا دی ہے۔"
"وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ پر ہم نے تجھے اپنے سارے علم دیئے۔ کیا سے کیا بنا دیا تجھے۔۔۔ اور تو۔۔۔ تجھے ہمارا کوئی خیال نہیں آیا۔"
"صرف ایک بات بتاؤ۔ کیا تم مجھے اس مشکل سے نجات دلا سکتے ہو۔ اس کے بعد تم جو باتیں کرو گے وہ مجھے اچھی لگیں گی۔"
"بہت چالاک سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔ ارے باؤلے بنتی ایک درخت لگاتا ہے۔ ایک ننھی سی کونپل کو سنبھالتا ہے۔ وہ چشم تصور سے اسے ایک تناور درخت بنتے دیکھتا ہے پھر وہ سوچتا ہے کہ اس درخت میں پھل نکلیں گے۔ پھول کھلیں گے اور یہ پھل اور پھول اس کی ملکیت ہوں گے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"
"ہاں سمجھ رہا ہوں۔۔۔" میں نے کہا۔
"مگر اچانک ہی پتہ چلے کہ وہ درخت اپنی جگہ سے اٹھ کر چل دیے اور کہے کہ میرا ایک بھی پھل تیرا نہیں ہے تو پھر پھل لگانے والے یا درخت کا بیج بونے والے کے من میں اس درخت کیلئے کیا کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔۔۔؟"
"میں کچھ سمجھا نہیں۔۔"
"تعجب کی بات ہے مگر نہیں۔ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس وقت ہیاسن تو میری مٹھی میں ہے۔ سن پاپی' سن دیوانے' تجھے اندازہ نہیں ہے کہ میں نے کتنا جیون تیرے ساتھ تپسیا کرتے ہوئے گزارہ ہے۔ ارے باؤلے میں تو زمین کی گہرائیوں میں سو رہا تھا۔ میں نے تو ایک سمے کا تعین کر لیا تھا کہ اس کے بعد جاگوں گا اور اپنے دشمنوں سے بدلہ لوں گا اور اسی کیلئے تو میں نے تجھ پر محنت کی تھی لیکن تیری جون

بدل گئی۔ تو نے آنکھیں بدل لیں۔ مجھ سے وہ سب کچھ لینے کے بعد کہ اگر سنسار میں کسی اور کو مل جاتا تو وہ سنسار کا راجہ ہوتا۔ کون تھا جو اس کے مقابلے پر آتا۔ میں نے تجھے طاقت اور عقل دی۔ لیکن اس عقل اور طاقت کو تو نے میرے ہی خلاف استعمال کر ڈالا باؤلے۔"
"سنو بھگونت تم کہنا کیا چاہتے ہو۔۔۔؟"
"ارے سمجھنے کا پھیر ہے ورنہ جو مجھے کہنا تھا وہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں۔ تو نے مجھے اپنا نہ مان کر میری بات نہ مان کر میرے اشاروں پر نہ چل کر مجھے اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ ہماری تیری دوستی تو کبھی کی ختم ہو چکی ہے۔"
"وہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن یہ سب کچھ کیا ہوا ہے؟"
"تو کیا سمجھتا ہے باؤلے۔۔۔ کیا یہ پھل دوسروں کے کھانے کیلئے چھوڑ دوں میں۔۔۔ جو میں نے کیا ہے۔ وہ مجھے ہی بھگتنا ہے۔ سن نہ یہ کماری پرشوتما تھی اور نہ اس کا تعلق کسی ریاست چینتا سے ہے بلکہ یہ میرا گیان ہے جو عورت کی صورت دھار کر تیرے سامنے آیا تھا۔ بہت اونچا اڑ رہا تھا تو سنسار میں۔ میں نے سوچا کہ اب تھوڑی سی دھرتی تجھے دکھا دی جائے۔ اگر میرے کام کا رہتا تو سنسار میں عیش ہی عیش ہوتے تیرے۔ مگر تو مجھ سے ہٹ گیا' میں تجھے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"
"گرو بھگونت میں تجھ سے ہٹا نہیں تھا۔ میں نے تو تجھ سے یہ کہا تھا کہ تو نے مجھے شریر شکتی دی ہے۔ سب کچھ دیا ہے تو نے۔ مجھے گیان شکتی کیوں نہیں دیتا بس یہیں مجھے رکنا پڑتا تھا۔ اگر مجھے گیان کی شکتی مل جاتی تو میں سنسار میں بہت سے بڑے بڑے کام کر سکتا تھا۔۔۔"
"اور میرا کیا ہوتا۔۔۔؟" وہ مسکرا کر بولا۔
"میں تیرا ساتھی رہتا گرو بھگونت۔۔۔"
"جھوٹ بولتا ہے رے۔۔۔ منش میں یہ کمزوری تو اس سمے سے ہے جب اس دھرتی پر منش کا وجود ہوا تھا۔ وہ اپنے بارے میں پہلے سوچتا ہے۔ بعد میں کسی اور کے بارے میں۔ وہ کبھی گرو دان نہیں رہتا اور وہ سمجھ دار لوگ ہوتے ہیں جو اپنا سب کچھ کسی کو نہیں دیتے۔ میرے پاس بھی تو کچھ ہونا چاہئے تھا۔ ورنہ آج تیرے ساتھ

میں وہ نہیں کر سکتا جو میں نے کیا۔ اب اس سنسار کی مشکلوں سے گزر۔ وہ بھوگ جو تجھے بھوگنا ہے۔"

میں اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ بہرطور وہ میرا استاد تھا۔ اس کے خلاف تو کوئی ایسا عمل میں کبھی نہیں کر سکتا تھا جو استاد کی شان کے خلاف ہو لیکن اس نے کیا کیا ہے؟ اور اس سے مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے یہ سوال بھی میں نے اس لئے کر ڈالا۔۔۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے گرو بھگونت کہ میرے اندر ایک آگ سی روشن ہو گئی ہے اور ایک بے کلی' ایک پریشانی سی ہے میرے شریر میں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ دور ہو جائے گی۔ اس سے مجھے نقصان کیا پہنچا۔۔۔؟"

"ابھی پتہ چل جائے گا باؤلے۔۔۔ ابھی پتا چل جائے گا۔ میں نے کچا قدم تھوڑی اٹھایا ہے۔ ابھی تیرا شریر بھی پگھلنا شروع ہو جائے گا اور تھوڑی دیر کے بعد تو ایک ناگ کا روپ دھار لے گا۔ جسے دیکھنے والے اس سے خوف کھائیں گے۔ ڈریں گے۔ مگر تو ہو گا کون شیش ناگ۔۔۔" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر حقیقتاً مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میرے پورے وجود میں بھونچال آ گیا ہو۔ میری رگیں اندر سے پھڑک رہی تھیں۔ چیخ رہی تھیں۔ چیخ رہی تھیں۔ گو یہ تکلیف میرے لئے ناقابل برداشت نہیں تھی لیکن اس عجیب سے احساس سے میں واقعی سہم گیا تھا کہ میرا جسم سانپ کا روپ دھار لے گا اور یہی ہوا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے میرے پیروں کی جان نکلتی جا رہی ہو۔ میرے پیروں میں لچک پیدا ہو گئی تھی پھر وہ ایک دوسرے سے لپٹتے چلے گئے۔ میرے ہاتھ بھی ایک دوسرے سے لپٹ گئے تھے۔ اس میں میرا دخل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ گرو بھگونت کا جادو کام کر رہا تھا۔ میں نے سہمی ہوئی آواز میں اس سے کہا۔

"شما کر دے مجھے بھگونت شما کر دے۔"

"ابھی نہیں' ابھی نہیں۔۔ اب ذرا سنسار کا یہ مزہ بھی لے لے۔ اس کے بعد دیکھیں گے۔ دوسری ملاقات بھی ہو گی ہماری تیری۔ پھر سوچیں گے اس بارے میں۔ تجھے بھی اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ گیان شکتی کیا چیز ہوتی ہے۔۔۔؟"

میں زمین پر گر پڑا اور میرا وجود بھی اس طرح لوٹیں لگانے لگا جیسے تھوڑی دیر قبل میں نے اس کمبخت عورت کو دیکھا تھا جس کا خون پی کر میری یہ کیفیت ہوئی تھی۔ ہیاسن کا دماغ میرے پاس موجود تھا اور میں یہ سوچ سکتا تھا کہ بھگونت نے جس زہریلی ناگن کو عورت کے روپ میں میرے سامنے بھیجا تھا یہ سب اس کے خون کا کرشمہ ہے کیونکہ اس کا خون میری رگوں میں اتر گیا ہے اس لئے اب میری بھی وہی کیفیت ہو رہی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے جسم کو ایک کالے لچکیلے' چمکیلے سانپ کی شکل میں دیکھا۔ میرا چہرہ ایک چوڑے پھن کی صورت اختیار کر گیا تھا اور میری آنکھیں گرو بھگونت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں اس سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن میری کئی شاخی زبان باہر نکل نکل کر رہ جاتی تھی۔ میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔ میں مکمل طور پر سانپ بن چکا تھا۔ وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی آواز مجھے سنائی دی۔

"حسین چمکدار' لچکیلا' چمکیلا۔۔۔ کیا ہی حسین سانپ ہے۔ واہ رے میرے ہیاسن' واہ رے میرے چیلے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں اب ذرا تو اس سنسار میں اپنے نئے روپ کا مزہ بھی لے لے۔ وہ چٹان کے عقب میں بڑھا اور میں نے اپنا پھن پتلا کر لیا۔ میں اس کے پیچھے دوڑا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے چرنوں کو چھو کر اس سے معافی مانگوں۔ اس سے کہوں کہ مجھے میری اصل شکل میں واپس لے آئے۔ میں تیزی سے اس کے پیچھے دوڑا لیکن اس کے چرنوں تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ میں دوڑتا رہا اور بھگونت مجھ سے آگے دوڑتا رہا۔ اور رات آہستہ آہستہ بیتتی رہی۔ یہاں تک کہ اجالے نے منہ چمکایا اور بھگونت میری نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ دوڑتے دوڑتے تھک گیا تھا اور پھر ایک عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ میں سر ڈال کر وہیں زمین پر پڑا رہا اور سوچنے لگا کہ کیا مصیبت پڑی ہے۔ کیسی مشکل پیش آ گئی ہے۔ کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اب تک کا جیون تو بڑا ہی سندر تھا لیکن اس کے بعد جو کچھ بھگتنا پڑے گا اس سے سچ مچ جیون بھاری ہو جائے گا۔ دل میں گرو بھگونت کیلئے نفرت کا طوفان امنڈ رہا تھا لیکن اس کے باوجود یہ خیال دل میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے خلاف کوئی طوفانی قدم اٹھاؤں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا

تھا لیکن پھر بھی اس نے ایک طویل عرصہ مجھ پر محنت کی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہت دیر تک اسی طرح پڑا رہا۔ اس کے بعد رینگتا ہوا ایک جانب چل پڑا۔ خاصہ فاصلہ طے کیا اور اس کے بعد ایک جگہ ایسی زمین نظر آئی جیسی کھیتوں کی زمین ہوتی ہے۔ سیدھی سادی پڑی ہوئی تھی۔ زیادہ وسعت نہیں تھی اس میں لیکن صاف اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کھیتی باڑی ہوتی ہو گی۔ اس کا مقصد ہے کہ کوئی بستی کوئی آبادی قریب ہے۔ میں نے اپنا بدن اوپر اٹھایا۔ پھن اٹھا کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں کافی فاصلے پر کالے رنگ کے پتھروں سے بنے ہوئے کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ یہ کھنڈرات یقیناً" کالے نہیں ہوں گے۔ بلکہ استداد زمانہ نے ان کا یہ رنگ کر دیا تھا۔ ہو گی کوئی تاریخ ان کی بھی۔ انسانوں کی تاریخ تو یکساں ہی ہوتی ہے۔ زمین کے کنارے کنارے چند درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ اب چونکہ سورج ابھرنے لگا تھا اس لئے دھوپ پھیلتی جا رہی تھی اور دھوپ میں خاصی تپش تھی۔ میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ایک درخت کے قریب پہنچ گیا اور اس کی جڑ میں جا بیٹھا۔ بدن شدید تھکن سے چور تھا اور میں اپنے اندر بڑی ناتوانی محسوس کر رہا تھا کہ اچانک کھیتوں سے آواز کانوں میں ابھری اور میں نے اٹھ کر دیکھا۔ کوئی کسان تھا جو بیلوں کی جوڑی لئے اس جانب آ رہا تھا۔ بیلوں سے ہل بندھا ہوا تھا لیکن ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ بہت کمزور اور لاغر بیل تھے۔ کسان انہیں کھیتوں کی زمین پر لے آیا۔ تب میری نگاہ اس کسان پر بھی پڑی۔ بیلوں سے مختلف نہیں تھا۔ دبلا پتلا چہرے سے مفلسی ٹپکتی تھی۔ شیو بڑھا ہوا' سر کے بال بکھرے ہوئے' آنکھوں میں ویرانی' ہل کی انی زمین پر ڈالی اور بیلوں کو ٹھٹکانے لگا۔ بیل آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ کسان ہل کی انی پر کھڑا ہو گیا تھا۔ تاکہ ہل کی انی زمین میں داخل ہو جائے۔ ہل کی آنی تو زمین میں داخل ہو گئی تھی لیکن بیل بڑی مشکل سے چل رہے تھے۔ وہ زور لگا لگا کر آگے بڑھ رہے تھے لیکن اپنی ناتوانی کے باعث صحیح طور پر ہل کو نہ کھینچ پا رہے تھے۔ کسان آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا۔

"ارے بردا زور لگا دو۔ ارے ہم کا کریں۔ ہماری تمہاری تقدیر ہی ایسی ہے۔ ساتھ دو بردا ساتھ دو۔"

کچھ عجیب سی اداسی تھی اس کی آواز میں۔ ایک ایسا سوز تھا کہ میں چونکے بغیر

نہ رہ سکا۔ میں نے پھن زمین پر ڈالا اور آہستہ آہستہ زمین کی مینڈھ کے ساتھ رینگنے لگا۔ بیل ہل کھینچ رہے تھے۔ کسان بڑے پیار سے ان کے پچھلے جسم کو تھپتھپا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں انہیں مارنے کیلئے کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ بیل چلیں لیکن بیلوں سے چلا ہی نہیں جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ فاصلے پر پہنچ کر ایک بیل زمین پر بیٹھ گیا۔ کسان جلدی سے ہل سے اتر آیا تھا۔

"ارے بسرے یہ کیا کرے ہے رہے۔۔۔ ارے' ارے بھیا زمین کھوٹی ہے ویسے ہی بہت سے دن ہو گئے ہیں بسرو۔ اب تم بھی ساتھ چھوڑ دو گے تو کیا کھائیں گے۔ کیا پہنیں گے؟ ارے بھیا ساتھ دو لاکھو رام کا۔۔۔ ارے بے پرواہ چار چار ہتھیلیاں ہیں۔ تم بھی بسرے ابھی سے بوڑھے ہو گئے۔ ارے اب تو کوئی ڈنگر ہمیں ملے گا بھی نہیں۔ بسرو جیون بتا دیا تمہارے ساتھ۔ ہجار بار وہ مسلمان قصائی تمہیں مانگ چکا ہے۔ ارے کاٹ کاٹ کے کھا جائے گا۔ بسرو اتنا تو ہمارا ساتھ دو ہم بھی تم سے کم مجبور نہیں ہیں مگر کیا کریں ان چار ہتھنیوں کا جتنوں نے ہمیں زندہ رکھا ہوا ہے مر گئے تو بسریوں کا جانے کیا ہو گا۔ اٹھ اٹھ بیرا اٹھ۔۔۔"

اس نے بیل کو اٹھایا اور بیل بیچارہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے دل میں اس کیلئے دکھ پیدا ہو گیا تھا۔ اس زمین پر بسنے والوں کیلئے مشکلات زیادہ تھیں۔ بہت کم ایسے تھے جو سکھ کی زندگی گزار رہے تھے۔ ادھر تیجو مل تھا' ادھر یہ لاکھو رام ہے۔ اپنے ہی بارے میں کہہ رہا تھا یہ مگر بڑی دردناک باتیں تھیں۔ بیل اس کے پرانے ساتھی تھے۔ اور وہ بیلوں کو قصائیوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ سب انہیں کاٹ کاٹ کے کھا جائیں گے۔ لیکن بیلوں سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ درحقیقت ان کے ناتواں جسم اب آرام کرنے کیلئے تھے۔ مجھے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی لاکھوں رام سے۔ بہت دیر تک وہ بیچارہ کوششیں کرتا رہا لیکن ہل چلانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تب اس نے بیلوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ایک درخت کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ میں اس کی سسکیاں بھرنے کی آواز سن رہا تھا۔ میں بھی درخت کے بالکل قریب ہی تھا۔ وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

"اب بتاؤ کیا کریں۔ ہم اب تو یوں لگتا ہے جیسے اس بار فصل بھی نہ بوئی جا

سکے گی۔ فاقے ہوں گے۔ سب کچھ بک جائے گا۔ اب تو بکنے کیلئے کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ ہائے رام کیا کریں ہم؟"

میں خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا درد بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ انسانی فطرت کے مطابق پہلے تو وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا پھر شاید اندر کی بے بسی ابھر آئی کہنے لگا۔

"صبح سے پر آ گئے ناگ مہاراج۔۔۔ ڈس لو ہمیں ہمارا جیون ختم کر دو۔۔۔ بیکار جیون ہے خود کہیں ڈوب مریں گے تو ساری بستی والے کہیں گے کہ لاکھو رام نے ہمت ہار دی۔ ارے ہمت تو ہم ہار چکے ہیں بس اپنی ساکھ نبائے ہوئے ہیں۔ پر اب نہ جیا جائے ڈس لو ہمیں ناگ دیوتا ڈس لو۔۔۔" اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا ہاتھ آگے کر دیا لیکن میں نے اپنا پھن پیچھے ہٹا لیا تھا۔ وہ کچھ اور آگے بڑھا اور اس بار اس کا ہاتھ میرے جسم سے مس ہو گیا تھا لیکن میں اور پیچھے ہٹ گیا۔ تب اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور غمزدہ لہجے میں بولا۔

"تم بھی نا ہی سنو گے ہماری ٹھیک ہے سنسار ہی بیری ہو گیا۔ تم ہی کون سا نیا کام کر رہے ہو۔ پر کیا کریں یہ سسرے بیل تو چل کر ہی نہیں دے رہے۔ ارے کچھ تو کرو بھیا۔ کوئی تو ساتھ دو ہمارا۔۔۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کراہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ بیلوں کی صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔

"بھاڑ میں جائے سب کچھ۔ چلو گھر چلیں۔" اور اس کے بعد اس نے ہل بیلوں سے کھول کر کندھے پر رکھا اور انہیں ٹخٹھاتا ہوا آگے بڑھتا رہا لیکن مجھے اس کی ذات سے اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ میں خود بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے وہ بستی نظر آ گئی۔ بستی میں داخل ہوتے ہی سرے پر ہی لاکھو رام کا گھر تھا۔ ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا۔ جس کا احاطہ جھاڑ جھنکار سے کیا گیا تھا۔ دروازہ بھی اس میں بنا دیا گیا تھا۔ اندر بیلوں کے باندھنے کی جگہ تھی اور اس کے بعد رہنے کا ایک کمرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے وہاں احاطے کے باہر کے حصے میں ہی چار نوجوان لڑکیوں کو دیکھا لاکھو رام کے برے حالات کے اثرات ان پر نظر نہیں آ رہے تھے۔ بلکہ وہ بالکل چاق و چوبند تندرست و توانا اور جوانی کی ساری

سرمستیوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ایک نے کہا۔۔۔

"لو بابا آ گئے۔۔۔ ارے بابا آج جلدی کیسے آ گئے۔۔۔؟" لیکن لاکھو رام کوئی جواب دیئے بغیر بیلوں کو ان کی جگہ باندھ کر اندر چلا گیا تھا۔ میں ایک جگہ چھپ کر جھاڑیوں میں بیٹھ گیا تھا۔ لڑکیاں باتیں کرتی رہیں۔ یہاں کے حالات اس حد تک معلوم ہوئے کہ لاکھو رام کسان تھا۔ یہ تھوڑی سی زمینیں تھیں اس کے بیل تھے ہل تھا۔ چار بیٹیوں کا باپ تھا اور اب زندگی سے ہار چکا تھا۔ غربت اور افلاس کے عالم میں بسر ہو رہی تھی۔ وہ صرف زندگی اور حالات سے لڑ رہا تھا۔ کیا کیا جا سکتا ہے۔ کسی کیلئے انسانوں کی کہانیوں میں ایسی ہی لاتعداد کہانیاں نظر آئی تھیں مجھے۔ بہت دیر تک وہاں رکا رہا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا۔ انسانوں کی آبادی تھی۔ سانپ کو دیکھ کر کوئی بھی اپنے عمل کا آغاز کر سکتا تھا۔ اس لئے بہتر تھا کہ ویرانوں ہی کے راستے اپنائیں۔ وہ کھنڈرات یاد آئے جو وہیں اس زمین سے میں نے دیکھے تھے اور میں نے اپنا رخ انہی کی جانب کر دیا۔

کچھ دیر کے بعد میں کھنڈرات کے قریب پہنچ گیا۔ کافی وسیع علاقے پر پھیلے ہوئے تھے۔ ٹھنڈے پرسکون۔ چاروں طرف ایک ہیبت ناک سکوت چھایا ہوا تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پتھروں کی بڑی بڑی سلیں، ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے ڈھیر کہیں دور بنے ہوئے اور کہیں گپھائیں۔ نہ جانے ان کی تاریخ کیا ہے۔ مجھے اس تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کی اور وہاں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ بڑے عجیب حالات تھے۔ مستقبل اب بہت بھیانک نظر آ رہا تھا۔ بھلا ایک سانپ کی شکل میں زندگی کیسے گزاری جا سکتی ہے۔ یہاں میرے ذہن میں کچھ جنونی کیفیات سر ابھارنے لگیں۔ اس نے یہ انتقامی کارروائی کر کے بہت برا کیا ہے۔ کہاں تک اپنے ذہن کو قابو میں رکھوں۔ یہ تو بڑا مشکل وقت آ گیا مجھ پر۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا نمٹنا تھا۔ اب ان لمحات سے لیکن راستہ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وقت گزرتا رہا پھر رات ہو گئی۔ میں وہیں سر ڈال کر بیٹھ گیا تھا۔ اب سوچنے کیلئے کچھ بھی نہیں تھا میرے پاس۔ کم بخت اشیش بھگونت نے ایسا داؤ مارا تھا کہ چاروں شانے چت ہو گیا تھا۔ کیا کروں، کیا نہ کروں۔ رات گہری ہوتی چلی گئی پھر مجھے

یہ اندازہ نہیں تھا کہ کتنی رات گزری ہے کہ اچانک ہی کھنڈرات میں کچھ آہٹیں ابھریں اور میں نے چونک کر پھن اٹھا لیا۔ رات کی تاریکی میں مجھے دن کی روشنی کی مانند سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ میں نے پانچ چھ افراد کو دیکھا۔ گھوڑوں کی لگامیں پکڑے ہوئے پیدل کھنڈرات میں داخل ہوئے تھے۔ ادھر ادھر چل پھر کر شاید کوئی مناسب جگہ دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایک در کے ستون سے باندھنا شروع کر دیا۔ سب نے اپنے اپنے گھوڑے وہاں باندھ دیئے اور گٹھڑیوں سے گھاس کھول کر ان کے سامنے ڈال دی پھر وہ خود ایک چوڑی سی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ میں نے دلچسپی سے اپنی جگہ چھوڑی اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا دیوار کے عقب میں پہنچ گیا پھر ایک ایسی جگہ جو ذرا بلند تھی منتخب کر کے میں وہاں سے ان کی حرکات کا جائزہ لینے لگا۔ ان میں سے ایک مٹی کے تیل کی لالٹین روشن کر رہا تھا۔ لالٹین جل گئی تو دوسرے نے کہا۔

"چرن ناتھ روشنی کہیں کسی کو نظر نہ آ جائے۔"

"کسے نظر آئے گی رے۔ بستی تو بہت دور ہے اور رات کو بھوتوں کے اس کھنڈر میں کوئی نہیں آتا جاتا۔" اس نے لالٹین جلا کر ایک اونچے پتھر پر رکھ دی۔ تھوڑے سے حصے میں روشنی پھیل گئی تھی۔ میں خاموشی سے پتھر پر بیٹھا ان کی کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے کچھ گٹھریاں کھول کر سامنے رکھیں اور پھر ان کی گرہیں کھولنے لگے۔ گٹھریوں میں سونے چاندی کے زیورات اور کچھ اور قیمتی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگا۔

"بڑا مالدار آدمی نکلا یہ دھنی رام تو۔ سسرے نے پتہ نہیں کہاں کہاں سے دولت لوٹ کر جمع کی تھی۔"

"میں نے تو سنا ہے کہ دھنی رام خود بھی ڈکیت تھا کسی زمانے میں۔"

"لگتا تو نہیں ہے۔ پر ہو گا سسرا۔ اتنی دولت ایمانداری سے تو جمع نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں خبر تو ملی تھی مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ سسرے کے پاس سے اتنا مال نکل آئے گا۔"

"اب رپٹ لکھوائی جائے گی اور ہرکارے نکل پڑیں گے ہماری تلاش میں۔ وہ

سسری بڑھیا جو تھی نا۔ وہ ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہی تھی جیسے مجھے پہچان رہی ہو۔۔۔"

"تو نے مار کیوں نہ دیا اسے؟"

"بڑھیا جو تھی من نہ چاہا۔ وہ تو آپ ہی مر جائے گی۔"

"باؤلا ہے تو خطرے کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اچھا چلو اب بیکار باتیں مت کرو۔ اپنا اپنا حصہ نکال لو۔"

ان کی باتوں سے مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ ڈکیت تھے اور کہیں سے ڈاکہ مار کر آ رہے تھے۔ وہ اپنے اپنے حصے کرتے رہے اور پھر انہوں نے تقسیم شدہ دولت کو کپڑوں میں باندھ کر اپنے لباس میں چھپا لیا۔ پھر نہ جانے کیسے ایک کمبخت کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ دہشت بھرے لہجے میں چیخا۔

"سانپ۔۔۔"

"کہاں۔۔؟" دوسرے نے کہا اور سب اچھل کر کھڑے ہوئے پھر سبھی نے مجھے دیکھ لیا۔

"مارو یار اسے مارو نہیں تو گھوڑوں وغیرہ کو کاٹ کھائے گا اور پھر ہمیں بھی رات یہاں ٹھہرنا ہے۔" ان میں سے ایک نے پتھر اٹھا کر پوری قوت سے میری جانب اچھالا۔ پتھر میرے جسم کو لگا لیکن چوٹ کوئی خاص نہیں تھی۔ میں وہاں سے ہٹ گیا اور پھن نیچے ڈال کر تیزی سے اینٹوں کے درمیان رینگنے لگا۔ لیکن ان لوگوں کو مجھ سے نہ جانے کیا نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ مجھ پر پتھراؤ کرتے رہے انہوں نے لالٹین ہاتھ میں اٹھائی تھی اور جدھر میں جا رہا تھا ادھر ہی دوڑ رہے تھے۔ پیچھے سے وہ مجھ پر پتھر پھینکتے جا رہے تھے حالانکہ پہلا پتھر میرے جسم پر لگا لیکن کوئی خاص چوٹ نہیں لگی تھی۔ البتہ میں خوفزدہ ضرور تھا۔ ہو سکتا ہے اشٹیشن بھگونت نے مجھ سے میری وہ شکتی بھی چھین لی ہو۔ انسان کے روپ میں تو میرا جسم ناقابل تسخیر تھا۔ سانپ بن کر تو میں بہت کمزور ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی پتھر میرے سر وغیرہ پر پڑ جائے اور مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے۔

وہ سارے کے سارے اس طرح پیچھے پڑے تھے کہ سنبھلنے کا موقع ہی نہیں

دے رہے تھے۔ بڑی مشکل سے ایک چھوٹا سا بل نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت تو اس سے جان بچانے کیلئے اندر گھس ہی جاؤں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں اس سوراخ سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر گہری تاریکی تھی لیکن مجھے سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ سوراخ کافی دور تک ایک سرنگ کی شکل میں چلا گیا تھا اور ابھی میں سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک بڑی تیزی سے نیچے گرنے لگا۔ کافی نیچے جا کر گرا تھا میں۔ لگتا تھا جیسے کوئی کنواں ہو۔ نیچے گر کر میں نے نگاہیں اٹھا کر اوپر دیکھا سوراخ نظر آ رہا تھا۔ جس جگہ میں گرا تھا وہ ایک بڑی سی باؤلی تھی۔ گول اور چنی ہوئی اینٹوں سے اوپر تک چلی گئی تھی۔ باؤلی میں جھاڑ جھنکار اگے ہوئے تھے۔ چاروں طرف چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔ جگہ جگہ چوہے نظر آ رہے تھے اور ان کی بھاگ دوڑ سے ہلکی ہلکی سرسراہٹیں ہو رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ سہم گئے اور دوڑ کر باؤلی کی دیواروں میں بنے ہوئے سوراخوں میں جا گھسے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر کنڈلی ماری اور بیٹھ گیا۔ میرا پھن چاروں طرف گردش کر رہا تھا جب ہی مجھے ایک کونے میں ایک چمکتی ہوئی شے نظر آئی اور میں اسے دیکھنے لگا پھر آہستہ آہستہ رینگ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ یہ پیتل کے دو بڑے کلسے تھے کافی بڑے بڑے اور چوڑے منہ والے۔ میں نے اپنا جسم اوپر اٹھایا۔ کلسوں پر ڈھکن ڈھکے ہوئے تھے اور ان پر شاید مٹی لگا دی گئی تھی لیکن پرانی ہونے کی وجہ سے یہ مٹی بھی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی تھی اور ڈھکن بھی ایک آدھ جگہ سے اوپر اٹھ گیا تھا۔ میں نے اپنے پھن سے ایک کلسے کے ڈھکن کو، تھوڑا سا دھکیلا تو اندر سے روشنی چمک اٹھی۔ کلسوں میں سونے کی گنیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے اپنے پھن سے انہیں ہلایا جلایا تو پتہ چلا کہ گنیاں نیچے تک چلی گئی ہیں۔ راجا نے یا ان کھنڈرات کے کسی مالک نے سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے یہ کلسے یہاں زمین میں دبا دیئے تھے یا اس باؤلی میں محفوظ کر دیئے تھے اور پھر خود کسی چتا میں جل کر بھسم ہو گیا تھا۔ یا قبر کی گہرائیوں میں چلا گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوا لیکن اس کا مجھے یقین ہو گیا کہ کھنڈرات میں اس عظیم الشان خزانے کے بارے میں جاننے والا کوئی نہیں تھا۔

بہرحال یہ تو میں نے زمین کی گہرائیوں میں دیکھا تھا۔ مجھے بھلا سونے کی ان

اشرفیوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ میرے لئے سب کچھ بے کار تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے ہٹ گیا۔ باہر نکلنے کا راستہ وہی سوراخ تھا لیکن باؤلی کا ایک چکر لگا کر مجھے پتہ چل گیا کہ ایک راستہ اور بھی ہے۔ لکڑی کا بنا ہوا ایک دروازہ تھا۔ جسے اگر انسانی ہاتھ کھولنے کی کوشش کرتے تو یہ آسانی سے کھل سکتے تھے کیونکہ وہ بالکل بوسیدہ ہو چکا تھا۔ ایک دو جگہ اس میں سوراخ بھی ہو گئے تھے۔ میں نے دروازے کی چوکھٹ کے نیچے قوت آزمائی کی تو چوکھٹ جو کبھی لکڑی کی بنی ہوئی ہو گی پل بھر میں مٹی کی طرح اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور میں اس سوراخ سے دوسری طرف نکل آیا۔ یہاں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور یہ سیڑھیاں کافی اوپر تک چلی گئی تھیں۔ میں ان سیڑھیوں سے چڑھتا ہوا اوپر آ گیا۔ یہ ایک کمرہ تھا جس میں پتھروں کی کچھ مورتیاں سجی ہوئی تھیں۔ یہ مورتیاں بھی بہت قدیم تھیں۔ اس سارے ماحول کو دیکھتا ہوا بالآخر میں اس کمرے سے بھی باہر آ گیا۔ یہ کھنڈر سے باہر کا منظر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکوؤں نے لالٹین بجھا دی ہے اور غالباً میرے نگاہوں سے گم ہونے کی وجہ سے خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے گھوڑے کھول رہے تھے پھر میں نے انہیں گھوڑوں پر بیٹھ کر وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا اور گردن ہلانے لگا۔ کیا عجیب زندگی ہو گئی تھی میری۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ دماغ میں بہت سے خیالات آ رہے تھے پھر اچانک ہی مجھے لاکھو رام کسان کی باتیں بھی یاد آئیں۔ اس کا گھر بھی دیکھ آیا تھا میں اور بقول اس کے ان چاروں ہستیوں کو بھی دیکھ لیا تھا جو اس کی زندگی کی گاہک بنی ہوئی تھیں۔ واقعات سب سمجھ میں آ رہے تھے۔ چار جوان بیٹیوں کا باپ جس کے بیل بھی اس کے ساتھ بوڑھے ہو گئے اور اب وہ زندگی کے بوجھ کو گھسیٹ رہا تھا۔ مر جانے کا خواہش مند تھا تاکہ اپنی مصیبتوں سے چھٹکارا پا لے پھر اچانک میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے یہ کلسے اگر لاکھو رام کو مل جائیں تو کیا اسے نیا جیون نہیں مل جائے گا۔ اس خیال نے دماغ ایک دم روشن کر دیا تھا اور میں بڑے خوشگوار انداز میں سوچنے لگا تھا لیکن پھر خود ہی دل پر ایک عجیب سا بوجھ آ پڑا۔ میری تو زبان بھی نہیں ہے۔ ناگ کی حیثیت سے لوگ بس مجھ سے خوف ہی کھا سکتے ہیں۔ لاکھو رام کو کیسے بتاؤں گا کہ کھنڈرات میں اس کیلئے زندگی چھپی ہوئی ہے۔ کیا ترکیب ہو سکتی ہے

ایسی کہ لاکھو رام کو میرے دل کی بات پتہ چل جائے لیکن بہت غور کرنے کے بعد بھی کوئی ایسی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی جس سے میں لاکھو رام کو ان اشرفیوں کے بارے میں بتا سکوں حالانکہ دل یہی چاہ رہا تھا کہ جب یہ تھوڑی سی معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں تو کیوں نہ ایک مجبور اور بے کس آدمی کو ان کے بارے میں بتا دوں۔ پھر اس امید پر کھنڈرات سے نکل آیا کہ ہو سکتا ہے ایسا کوئی موقع مل جائے اور میں اپنا یہ کام کرلوں۔ ایک بار پھر لاکھو رام کے گھر جانا چاہیے۔ حالانکہ مجھے کیا پڑی تھی بلاوجہ یہ سب کچھ کرنے کی لیکن طبیعت میں شاید انسان دوستی کا جذبہ کچھ زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ اگر نہ ہوتا تو تیجو ل کیلئے اتنی لمبی مصیبت میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

لاکھو رام کے گھر کی جانب سفر کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ میری کیفیت بڑی مخدوش ہو گئی ہے اور نجانے اب کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہرحال اب مصیبت پڑی ہے تو اسے بھگتنا بھی ہو گا۔ رات کی تاریکی میں لاکھو رام کے گھر واپس پہنچنا مشکل نہ ہوا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ جانور زیادہ حساس ہوتے ہیں باہر احاطے میں بندھے ہوئے بیل جو بیٹھے ہوئے تھے میرے جسم کی سرسراہٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ میں ان سے بچتا ہوا کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں چھپ سکوں اور ایک جگہ مجھے نظر آ گئی۔ چھپرا پڑا ہوا تھا احاطے کے ایک گوشے میں اور اس کے نیچے بھوسے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ یہ غالباً بیلوں کی خوراک تھی۔ بھوسے کے ڈھیر میں چھپنے کیلئے مجھے مناسب جگہ مل گئی۔ باقی رات وہیں گزاری۔

لاکھو رام صبح کو جلدی جاگ گیا تھا۔ تھوڑی سی آگ جلا کر وہ اس کے گرد جا بیٹھا اور پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس کی بیوی بھی اس کے پاس آ بیٹھی۔

"کیا بات ہے آج بہت پریشان نظر آ رہے ہو۔۔۔؟"

"ارے بھاگوان یہ پریشانی تو اب سیدھی چتا میں ہی جا کر ختم ہو گی۔"

"بھگوان نہ کرے کیسی باتیں کرتے ہو۔ چار چار بیٹیوں کا بوجھ کندھے پر ہے انہیں کون پار لگائے گا۔۔۔؟"

"بھگوان ہی پار لگائے گا اب تو میں کیا اور میری بساط کیا۔ دیکھ لے کیا حالت ہو گئی ہے میری۔ کھانسی اٹھتی ہے تو پھیپھڑے پھٹنے لگتے ہیں۔ بیلوں کو الگ دیکھو

سوکھ سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں کیا نہ کروں؟"

"بیلوں کو بیچ دو نا۔۔۔ وہ رمضان قصائی۔۔۔"

"کیسی باتیں کرتی ہے تو۔۔۔ جیون بھر کا ساتھ ہے ان کا میرا۔ بیچ دو انہیں رمضان کیا کرے گا ان کا جانتی ہے۔۔۔؟"

"سو تو ہے۔۔۔ کاٹ کے کھا جائیں گے یہ سارے نسلے۔۔۔"

"وہ ان کا کام ہمیں ان سے کیا۔۔۔ پر ہم اپنے ڈنگروں کو ان کے حوالے کیسے کر دیں۔۔۔؟"

"تو پھر بیٹھے بیٹھے ہی مرجائیں گے۔۔۔ ہل تو ان سے چلنے نا ہے۔۔۔"

"بوڑھے ہو گئے ہیں لاکھو کی طرح بیچارے ہل کھینچنے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر جان نہیں ہے ان میں۔۔۔"

"تو پھر خود ہی بتاؤ کہاں سے کھاؤ گے اور کہاں سے انہیں کھلاؤ گے۔۔۔؟"

"اب کیا بتاؤں میرے تو ہاتھ پاؤں تھک چکے ہیں بھگوان ہی نے اگر کچھ سوچا ہے تو دیکھو لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ بھگوان نے بھی کیا سوچا ہے۔ دن رات ان ہی سوچوں میں تو گھل رہا ہوں اور بیٹیاں ہیں تو بھگوان کی سوگند نظر ڈالو ان پر تو ڈر لگے ہے۔ آنکھیں جھک جائیں ہیں ارے روکھی سوکھی کھا کر بھگوان نے کیا بنا دیا ہے انہیں۔" لاکھو رام کی بیوی خود بھی گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گئی۔ بہت دیر تک یہ بیچارے اسی طرح بیٹھے رہے پھر لڑکیاں وغیرہ جاگ گئیں۔ لاکھو رام آج کھیتوں پر جانے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا۔ بہت دیر تک وہ گھر ہی میں رہا۔ اس کے بعد بیوی سے بولا۔

"نکل رہا ہوں۔۔۔ کسی سے بات کروں گا' اگر کوئی ترس کھا کر کھیتوں میں ہل چلا دے تو ہو سکتا ہے ہماری بگڑی بن جائے۔" وہ چلا گیا۔ اس کی بیٹیاں کاموں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ میں بدستور بھوسے کے کھیت میں چھپا ہوا تھا۔ پھر ایک لڑکی جس کی عمر چودہ پندرہ سال ہو گی اس طرف آئی جہاں بھوسے کے ڈھیرے لگے ہوئے تھے۔ اس نے بھوسے کی گانٹھیں اٹھا کر ادھر ادھر رکھنا شروع کر دیں۔ اب تو میرے لئے پریشانی ہو گئی تھی کہیں اور چھپنا ممکن نہیں تھا۔ پھر اچانک ہی لڑکی کی نظر مجھ پر

پڑی۔ میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ سی نکلنے لگی پھر اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں میری آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھیں اور مجھے کسی کی کہی ہوئی ایک بات یاد آ رہی تھی۔ وہ یہ تھی کہ شیش ناگ کی آنکھوں میں بھگوان نے ایسی شکتی دی ہے کہ اگر کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ لے تو وہ سحرزدہ ہو جائے۔ یہ بات ان سپیروں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہی تھی جن کے درمیان سنتھا رہتی تھی۔ مجھے آج ان کی وہ بات یاد آ گئی تھی اور یہ بھی اندازہ تھا مجھے اپنے بارے میں کہ اشیش بھگونت نے مجھے شیش ناگ بنایا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنی ننھی منی آنکھوں کی گرفت اس لڑکی کی آنکھوں پر سخت کر دی۔ وہ سچ مچ جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔ تب میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے کہا۔

"دیکھ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا میں تیرا اور تیرے پریوار کا دوست ہوں۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تیرا نام کیا ہے؟" یہ ایک کوشش تھی جو بیاس کی عقل سے سوچ کر میں نے کی۔ اب اس کا نتیجہ دیکھنا تھا۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلے اور ان سے آواز نکلی۔

"دیپو---" میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس ۔ نے میرے سوال کا جواب دیدیا تھا اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مجھے زندہ رہنے کا ایک طریقہ آ گیا تھا۔ بے بسی کی اس زندگی میں جب کسی سے کلام بھی نہ کیا جا سکے میں کیا کرتا۔ کیا نہ کرتا لیکن اگر لوگ اس طرح میری زبان سمجھ لیں تو کم از کم کسی کو اپنا حال دل تو بتا سکتا ہوں۔ یہ ایک عمدہ طریقہ تھا میں نے اس سے کہا۔

"دیپو تو اپنے من میں وشواس رکھ کہ میں تیرے جیون کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں تیرا دوست ہوں اور تیری اور تیرے پتا کی سہائتا کرنا چاہتا ہوں۔" وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی لیکن یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ انسان تھی اور ایک سانپ سے خوفزدہ۔ بہرحال میں اسے آسانی سے اپنا آلہ کار بنا سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں کے سحر میں گرفتار کر لیا تھا اور خوبصورت لڑکی میری صورت دیکھ رہی تھی۔ وہ پتھرائی پتھرائی سی کھڑی

ہوئی تھی۔ میں نے پھر کہا۔

"دیپو اس وقت تو میں تجھے کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن شام کو سورج ڈھل جائے تو تو--- یہیں اس بھوسے کے ڈھیر پر آ جانا تجھے میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ جہاں تیرے اور تیرے پریوار کے جیون کیلئے بہت کچھ ہے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سن لینا اور کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔"

"ابھی میں نے اسے اتنا ہی سمجھایا تھا کہ پیچھے سے اس کی ماں آ گئی اور اس نے زور سے ایک تھپڑ دیپو کی پیٹھ پر جما دیا۔

"اب یہاں آئی تو ایسی کہ واپس ہی نہیں جا رہی۔ ارے سمجھتی ہوں تیرے سارے لچھن' کام سے جی چراتی ہے۔ کیسے جیون کٹے گا تیرا۔ غیر کے گھر میں جائے گی تو---"

دیپو میرے سحر سے آزاد ہو گئی۔ پھر اس کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور اس نے عقب میں چھلانگ لگا دی۔ اس کی ماں اس کی لپیٹ میں آ کر گرتے گرتے بچی تھی۔ ارے تیرا ستیا ناس۔ اری او سانڈنی کیا ہو گیا۔ کیا موت پڑ گئی ہے تجھ پر---" دیپو کی ماں نے چیختے ہوئے کہا لیکن دیپو کھلیان کے پاس سے دور بھاگ گئی اور پھر اس نے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔

"سانپ--- سانپ--- بھوسے میں سانپ ہے ماتا جی۔ بھوسے میں سانپ۔"

"ہیں---" دیپو کی ماں نے بڑی لمبی چھلانگ لگائی تھی اور پھر وہ دیپو کے پاس پہنچ گئی۔ باقی بہنیں بھی آ گئی تھیں اور دیپو کو چیختے دیکھ کر خود بھی چیخنے لگی تھی۔

"اری کمبختو! چپ ہو جاؤ کیا شور مچایا ہے اری او دیپو تیری حرکت سمجھتی ہوں میں۔ کدھر ہے سانپ لا مجھے دکھا کہاں ہے سانپ۔"

"بھگوان کی سوگند ماتا جی بھگوان کی سوگند سانپ ہے۔ یہ بڑا یہ چوڑے پھن والا۔ ارے دیا رے دیا۔ نکل کر بھاگو گھر سے نکل آیا تو سب کو ڈس لے گا۔" دیپو بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی اور میں حیرت سے بل کھا رہا تھا۔ اب کیا کروں۔ یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ باہر تمام لوگ جمع تھے۔ نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ دیپو کی ماں پاس پڑوس کے لوگوں کو بلا لائی۔ ان لوگوں کی چیخیں سن کر خود ہی بہت سے لوگ آ گئے

تھے۔ مر گئے-- میں نے دل میں سوچا کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں سے باہر نکل بھاگا جائے۔"

"کہاں ہے سانپ کس جگہ ہے---؟"

"بھوسے کے ڈھیر میں یہ بڑا کالا ناگ ہے۔ ایسی چمکدار آنکھیں اور اور---

دیپو کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اسے اپنے من میں کچھ باتیں محسوس ہوئیں لیکن الھڑ نادان لڑکی تھی۔ ان پر غور نہ کیا۔ محلے والے خود فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے اور چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اب کیا کیا جائے۔"

"ایسا کرو بانس لاؤ لمبے لمبے' اس سے بھوسے کے ڈھیر گراتے ہیں۔ نکلے گا تو مار دیں گے۔" کسی نے کہا۔

"نکلے گا تو مار دیں گے۔ اگر کسی کو ڈس لیا اس نے تو؟"

"ارے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔ کچھ کرو۔"

میں بتاؤں؟ یہ خطرہ مت مول لو۔ یوں کرو بھوسے میں آگ لگا دو۔" ارے رام' رے رام۔ بیلوں کے کھانے کیلئے کچھ نہ رہے گا۔ اگر بھوسے میں آگ لگا دی تو---"

"اور اگر نہ لگائی گئی تو تم نہ رہو گے۔ اری دیپو دیکھ سچ سچ بتا دے۔ جھوٹ بول رہی ہے یا سچ---؟"

"خود دیکھ لو نا چاچا جی اندر جا کر پتہ چل جائے گا جھوٹ سچ کا۔" دیپو نے چمک کر کہا۔

"لے میرا کوئی دماغ خراب ہے ارے بھائی سچ بول رہی ہے یا جھوٹ' بول لاکھو کی گھر والی کیا کہتی ہے تو--- لگانی ہے بھوسے میں آگ یا جائیں ہم اپنے اپنے گھر---؟"

"ارے رام پرشاد بھیا میں کیا کہوں۔ لاکھو تو کھیت پر نکل گیا ہے۔"

"کھیت پر نکل گیا ہے بیل تو لے نہیں گیا۔ ہل بھی رکھا ہے کونے میں---"

"ارے بھیا یہ بیل سسرے ہیں کس کام کے بس اب تو بیٹھے بیٹھے ہی کھاتے ہیں چلا پھرا تک نہ جائے ہے۔"

"ارے تم ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہو۔ دیکھو تو سہی آخر ہے کیا قصہ---؟"

جتنے منہ اتنی باتیں اور پھر یہ بات طے پا گئی کہ بھوسے کے ڈھیر میں آگ لگا دی جائے۔

"ارے بھیا گھر میں آگ لگ جائے گی۔"

"تو جانے تیرا کام جانے۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی دوڑا چلا جائے کھیتوں پر لاکھو رام کو بلا لائے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے مگر وہ بھی کیا تیر مار لے گا۔ دیکھو بھائیو اگر سچ مچ سانپ ہے تو پھر---" کسی نے کہا لیکن درمیان ہی میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ایک دم بھوسے کے ڈھیروں کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ہے بھیا ہے-- میں نے ابھی اس کی دم دیکھی ہے۔"

"کدھر کہاں---؟"

"وہ دیکھو وہ دم نظر آ رہی ہے۔" اس نے کہا اور میں نے جلدی سے اپنے بدن کو سکیڑ لیا۔ پتا نہیں کمبختوں کو کہاں سے میری دم نظر آ گئی تھی۔ بڑی مشکل میں پھنس گیا تھا۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ اگر ان لوگوں نے بھوسے کے ڈھیر میں آگ لگا دی تو نہ جانے کیا حشر ہو میرا۔ ابھی یہ بات پایہ تکمیل تک نہ پہنچ پائی تھی کہ انسانی حیثیت سے جو خوبیاں میرے اندر تھیں وہ سانپ کی حیثیت سے باقی رہی ہیں یا نہیں۔ اس لئے خوفزدہ تھا۔ میری دم دیکھ لی گئی تھی اور لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ بھوسے میں سانپ موجود ہے۔ اب بھلا یہ جیالے کہاں ماننے والے تھے۔ چنانچہ لالٹینیں لائی گئیں۔ جس میں مٹی کا تیل بھرا ہوا تھا اور بھوسے کے ڈھیر پر تیل چھڑکا جانے لگا۔ یہ بھی ان لوگوں کی سادگی ہی تھی۔ خشک بھوسے میں کوئی آگ کی ایک چنگاری ہی پھینک دیتا تو وہ آگ پکڑ لیتا لیکن بڑی مشکل پیش آ گئی تھی مجھے۔ میں بے چینی سے بھوسے میں جگہ بنا کر رینگنے لگا اور پھر تقدیر نے میری مدد کر دی۔ زمین پر ایک بڑا سا سوراخ نظر آ گیا تھا۔ غالباً چوہوں نے اپنے رہنے کیلئے بل بنا لیا تھا۔ میں نے جلدی سے پھن سکیڑا اور اس سوراخ میں گھسنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ پھر یہ دیکھ کر میرے

دل کو سکون کا احساس ہوا کہ سوراخ نیچے ہی نیچے دور تک لمبا چلا گیا ہے۔ میں برق رفتاری سے اپنے بدن کو جنبش دیتا ہوا اس سوراخ میں آگے بڑھتا رہا۔ سوراخ ایک دیوار کے پاس جا کر ختم ہو گیا تھا۔ کیا مدد کی تھی چوہوں نے میری۔ یہ اسی گھر کا ایک کمرہ تھا کچی مٹی سے بنا ہوا۔ سوراخ اس کمرے میں جا کر کھلتا تھا اور یہ کمرہ بھوسے کے اس ڈھیر سے کافی فاصلے پر تھا۔ گویا یہ امن کی جگہ تھی۔ یہاں بھی کچھ ایسی چیزیں رکھی ہوئی تھیں جن سے سوراخ ڈھکا ہوا تھا لیکن اس سے باہر نکلا جا سکتا تھا۔ ابھی تو باہر اتنے افراد تھے کہ اگر میں اس سوراخ سے نکل کر گھر سے بھاگنے کی کوشش کرتا تو ایک بار پھر مصیبت کا شکار ہو جاتا۔ بہرحال یہ امن کی جگہ تھی۔ مجھے صاف محسوس ہوا کہ بھوسے کے ڈھیر میں آگ لگا دی گئی ہے اور وہ دھڑا دھڑ جل رہا ہے۔ لوگ لاٹھیاں اور ڈنڈے لئے ہوئے کمرے سے کافی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے تاکہ آگ سے گھبرا کر اگر میں باہر نکلوں تو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر مجھے ہلاک کر دیا جائے۔ واہ ری تقدیر یہ ہوتا ہے غرور کا سر نیچا۔ کسی سے شکست قبول نہیں کرتا تھا میں۔ ہر ایک کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا تھا لیکن آج چھپا چھپا پھر رہا تھا۔ کافی لوگ جمع ہو گئے تھے اور بھوسا جل رہا تھا۔ پھر شاید کسی نے لاکھو رام کو بھی اطلاع دیدی۔ اور لاکھو رام آ گیا۔ میں صرف ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ لاکھو رام چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"ارے کیا کر رہے ہو سسرو۔ ارے گھر میں آگ لگاؤ گے کیا۔ بورے' ارے برباد کر دیا' ہمیں ارے او کمین کی بچی' بیل کیا کھائیں گے۔ بھوسا جلوا دیا تو نے' ارے تیرا ستیا ناس ارے بجھاؤ اس آگ کو۔"

لوگ اسے بتانے لگے کہ بھوسے میں سانپ ہے تو لاکھو رام چیخنے لگا۔

"سانپ ہے تو ہمیں ڈس جائے گا نا--- ارے مر جائیں گے ہم۔ ویسے بھی مر رہے ہیں۔ کونسی نئی بات ہوتی۔ ارے بجھاؤ بھیا۔ تمہارے ہاتھ جوڑوں۔ ارے جتنا بچ جائے گا۔ بیلوں کے کام آئے گا۔ کہاں سے لاؤں گا میں دوسرا بھوسا۔"

بہرحال آگ بجھا دی گئی اور میں سر ڈالے یہ سوچ رہا تھا کہ انسان کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ درحقیقت بڑے تجربات ہو رہے تھے۔ کہیں کچھ کہیں کچھ--- زندگی کی

واقعی کوئی ایک ڈگر نہیں ہے۔ کتنا فاصلہ ہو گیا ہے میرا انسانوں سے۔ اگر میں بھی ایک عام انسان ہی ہوتا تو تو--- دماغ کی لہریں ماضی میں لوٹ گئیں ماضی ابھی تک میرے ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھا۔ ہر چند کہ مجھے بہت کم ماضی کی باتیں یاد آ رہی تھیں لیکن اگر کبھی غور کرتا تھا تو آہستہ آہستہ ذہن کے دریچے کھلتے چلے جا رہے تھے۔ سلطان علی موجا۔ چراغ علی موجا۔ کیا کہانی تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ اپنی کہانی ہے۔

بہت دیر تک اپنی سوچوں میں گم رہا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ میں اپنی جگہ چھپا رہا فی الحال اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ لعنت بھیج کر یہاں سے نکل بھاگوں یا پھر اس دکھی خاندان کی مدد کر ہی دوں۔ نجانے دل میں یہ جذبے کیوں بیدار ہو گئے تھے۔ ان جذبوں سے شاید پہلے بھی خالی نہ ہوتا اگر انسانوں کی مانند زندگی گزارنے کا موقع ملا ہوتا لیکن میں انسان رہا ہی کب تھا۔ زندگی کا ایک طویل دور رہا ایک طویل دور جس کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا تھا میں نے غیر انسانی شکل میں گزار دیا تھا۔ انسانوں کو تو بہت عرصے کے بعد دیکھا تھا اور کتنے اجنبی اجنبی لگے تھے۔ یہ لوگ اگر ان کے درمیان میں اس طرح داخل ہو کر ان کے حالات معلوم نہ کرتا تو آج بھی اس دنیا سے بالکل اجنبی ہوتا لیکن اب اس دنیا میں داخل ہونے کے بعد یہ احساس ہوتا تھا کہ انسان کی کہانیاں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں۔ آہ لیکن ان کا طرز زندگی عجیب ہے۔ یہ دوست ور دشمن کی تمیز مشکل ہی سے کر پاتے ہیں۔ خیر کوئی حرج نہیں ہے جیسی گزر رہی ہے گزاری ہی جائے۔ عام ڈگر سے ہٹنے کے بعد انسانی زندگی اپنے بس میں نہیں ہوتی۔ کاش میں بھی عام انسان ہی ہوتا۔ دوسروں کی طرح جیتا اور دوسروں کی طرح مر جاتا لیکن گرو بھگونت' ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ بلاشبہ اس نے جو زیادتیاں میرے ساتھ کی تھیں وہ ناقابل برداشت تھیں۔ اب اس کیلئے میرے دل میں عزت و احترام کا تو خیر کوئی تصور ہی نہیں رہا تھا۔ انتقام کا تصور البتہ دل میں بار بار ابھرتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ کرپان سنگھ ملودھا اور ہر چند وردھانی کا رویہ اشیش بھگونت یعنی چندر بھان نے ہی جو کچھ بتایا تھا اسی راستے پر میں

نے آج تک سفر کیا تھا۔ اس نے اپنے مقصد کیلئے مجھے اپنی بساط کا ایک مہرہ بنایا تھا اور جب اس نے مجھے اپنے مقصد کے لئے ناکارہ پایا تو مجھ سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے مجھے ایک عجیب وغریب شکتی دی تھی لیکن شکتی دینے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ مجھ سے میری انسانی صفات ہی چھین لی جائیں۔ میں بھی اپنی مرضی سے جی سکتا ہوں۔ اس نے مجھے یہ سب کچھ دیا تھا تو اس گیان سے کیوں محروم کر رکھا تھا جس سے میں اپنی مشکلات پر قابو پا سکتا۔ اب تو اس نے ایک وسیع و عریض دنیا میرے لئے اس طرح کر کے چھوڑ دی تھی کہ میں اس دنیا میں اپنا کوئی مقام بنانے میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں اگر اس کی غلامی کرتا رہتا تو ٹھیک تھا اور جہاں میں نے اپنے طور پر جینے کی خواہش کا اظہار کیا اس نے اس سے انحراف کرتے ہوئے میری دشمنی پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ خیر کوئی بات نہیں ہے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ مصیبت اگر نہ پڑے تو مصیبت کا صحیح معنوں میں احساس نہیں ہوتا۔ زندگی اتنی آسان ہو جائے کہ اسے گزارنے میں کوئی دقت ہی نہ ہو۔ تو پھر زندگی کا مزہ جاتا رہتا ہے۔ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ سوچنا تو ضروری ہوتا ہے۔ یہ جگہ بہتر ثابت ہوئی۔ باہر جو ہنگامے بھی ہوتے رہے ہوں مجھے ان کے بارے میں نہیں معلوم تھا لیکن بہرحال اب امن چھا گیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ بیچارے لاکھوں رام کا بھوسا بھی جل گیا تھا۔ کیا کرنا چاہئے مجھے۔ وہ لڑکی نو عمر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میری آنکھوں کے سحر میں آ گئی تھی لیکن اس سے کوئی بہتر کام نہیں لیا جا سکتا۔ لاکھو رام کا سامنا ہو چکا تھا۔ ایک بار اور اس نے بیزاری کے عالم میں میرے ذریعے زندگی کھونا چاہی تھی۔ وہ اس قدر بزدل نہ ثابت ہو گا۔ یقیناً اسی سے بات کی جائے۔ لیکن ابھی اس کا موقع نہیں تھا۔ سارا دن گزر گیا اور پھر رات ہو گئی۔ لاکھو رام کے گھر پر بدستور سوگ طاری تھا۔ میں البتہ اب اتنی ہمت نہیں کرسکا کہ پھر باہر جا کر صورت حال کا جائزہ لوں۔

پھر رات خوب گہری ہو گئی۔ ویسے ہی ان چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں سرشام رات ہو جاتی تھی اور اگر کسی گھر میں مفلوک الحالی بھی ہو تو اداسیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ خوب اچھی طرح یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ سب آرام کرنے لیٹ گئے ہیں میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ لاکھو رام اور اس کی دھرم پتنی بے سدھ سو رہے تھے۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس کے بعد ہمت کر کے لاکھو رام کی طرف بڑھا اور آہستہ سے اس کے جسم پر چڑھ گیا۔ لاکھو رام کسمسایا تھا لیکن بیچارہ تھکا ماندہ سو رہا تھا۔ آنکھ نہ کھلی۔ مدھم روشنی جل رہی تھی جو دیئے کی روشنی تھی۔ میں اس کے سینے پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اچھا خاصا وزن تھا میرا۔ لاکھو رام کو اب جاگنا ہی پڑا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ لیکن میری ننھی ننھی نگاہیں اس کی آنکھوں پر ہی تھیں۔ میں اسے چیخنے سے روکنے چاہتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں لیکن میری نگاہوں نے اپنا تنویمی عمل مکمل کر لیا اور اس کا منہ چیخنے کیلئے کھلا ضرور لیکن چیخ نہ نکل سکی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے جکڑ لیا تھا البتہ اس کی آنکھیں اب بھی خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔۔۔

"لاکھو رام مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تجھے یاد ہو گا کہ کھیتوں پر تیری اور میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں وہی ناگ ہوں اور تجھے کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ سن لاکھو رام تیری تقدیر کے ستارے بدل جائیں گے۔ میں تیری مدد کرنے کا خواہش مند ہوں لیکن بے وقوفی کی کوئی حرکت نہ کرنا۔ تیرا بھوسے کا بھنڈر میری وجہ سے جل چکا ہے۔ میری زندگی کا دشمن نہ بن جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کر۔ مجھ سے بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل دوپہر کو جب سورج بالکل بلندی پر پہنچ جائے اپنے کھیت پر میرا انتظار کرنا اور جیسے میں کہوں ویسے کرنا۔ سن تجھے مجھ سے ڈرے بغیر میرے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔ جہاں میں تجھے لے جاؤں وہاں خاموشی سے چلتے رہنا اور بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا سمجھا تو یہ سمجھ لے کہ میرے ذریعے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ فائدہ ہی ہو گا۔ اب میں چلتا ہوں لیکن میری بات کو اچھی طرح یاد رکھنا۔" میں آہستہ آہستہ اس کے سینے سے اتر آیا لیکن اگر میں اسی طرف کا رخ کرتا

جدھر سے نکل کر لاکھو رام تک آیا تو ظاہر ہے میرے تنویمی عمل کے اثر سے آزاد ہونے کے بعد لاکھو رام وہاں بھی کھکھور مارتا' انسان تھا اپنے آپ پر قابو پانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے چنانچہ میں دروازے کی جانب بڑھ گیا اور اسی جگہ جا چھپا جہاں اس وقت چھپا تھا۔ جب سب سے پہلے لاکھو رام کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ جھاڑ جھنکار کے درمیان یہ بھی ایک اچھی جگہ تھی۔ بشرطیکہ کسی کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے۔ یہاں میں چھپے ہوئے یہ سوچنے لگا کہ اب میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ بس کسی کی مدد کر کے جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا چسکا پڑ گیا تھا۔ تیجو مل کو میں نے جاگیردار بنا دیا تھا اور جو مزا آیا تھا اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اب اس کے بعد میری اپنی کچھ بھی کیفیت ہو لیکن بیچارہ لاکھو رام جو زندگی سے بیزار ہے کچھ فائدہ حاصل کر لے گا۔ بشرطیکہ برداشت کر جائے۔ میں ابھی یہی تمام باتیں سوچ رہا تھا کہ دفعتاً" میں نے لاکھو رام کو اس کی بیوی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ عورت کچھ بددل نظر آ رہی تھی لیکن لاکھو رام ہاتھ میں دیا لئے ہوئے اور اسے بجھنے سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے باہر نکلا اور آہستہ آہستہ زمین پر کچھ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ پھر اس نے ایک دم چیخ کر کہا۔۔۔

"یہ دیکھ یہ دیکھ۔۔ مجھے تو تو پاگل ہی سمجھتی ہے۔ دیکھ دیکھ اپنی آنکھوں سے دیکھ یہ لکیریں کیسی ہیں؟"

میں دلچسپی سے اس کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا۔ لاکھو رام کی بیوی نے منہ بنا کر لکیروں کو دیکھا اور پھر بولی۔

"ہاں یہ لکیریں جیسے سانپ کی لکیریں ہی تو ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی چیز سے بن گئی ہوں۔"

"تیرا ستیاناس جو میں کہہ رہا ہوں میری بھی مان لے۔ ہے بھگوان کیا کروں ایسی پاگل عورت سے واسطہ پڑا ہے۔"

"ارے تو اب میں کیا کروں مجھے بتاؤ؟"

"کرے گی کیا' کرے گی کیا۔ میں تو تجھے دکھا رہا ہوں کہ یہ سپنا نہیں تھا۔ بھگوان کی سوگند جھوٹ نہیں بول رہا تجھ سے۔۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سینے پر ایک کالا

ناگ کنڈلی مارے بیٹھا ہوا ہے پھر اس نے مجھ سے نہ جانے کیا کیا کہا اور میں سنتا رہا۔ اس کے بعد وہ میری چھاتی پر سے اتر کر دروازے کی جانب چل پڑا۔"

"ہائے رام اگر یہ سچ ہے تو کیا کریں اب' گھر میں کوئی کالا ناگ آ گھسا ہے دیکھو کیا ہوتا ہے۔ کسے کسے ڈستا ہے سارا بھوسا جل کر راکھ ہو گیا۔ بیل الگ بھوکے مریں گے اب کہاں سے لاؤ گے یہ بھوسا؟"

"بھگوان جانے مگر تھا سانپ ہی اس کا مطلب ہے کہ میں نے سپنا نہیں دیکھا۔ مگر کچھ عجیب سی باتیں من میں آ رہی ہیں۔ اس سے جب وہ میرے سینے پر کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔"

اب پاگل ہونے کی کسر اور رہ گئی ہے وہ بھی ہو جاؤ' مجھے تو نیند آ رہی ہے سونے دو مجھے۔

"تو جا' جا سو جا مر۔۔۔ میرا تو تو نے ساتھ دیا ہی نہیں کبھی۔"

اری پگلی محنت مزدوری کرتا رہا ہوں بول کبھی نکھٹو ہو کر بیٹھا' اب کیا کروں بھگوان نے جتنا بھاگ میں لکھ دیا ہے اتنا ہی تو ملے گا۔"

"ہمارے بھاگ تو پورے ہو گئے مگر ان چاروں کا کیا ہو گا؟"

"ارے ہو گا کیا جو ہو گا بھگوان جانے میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی' جا جا بابا جا کر سو جا' میرا دماغ خراب کر رہی ہے۔"

لاکھو رام کی بیوی مٹکتی ہوئی اندر چلی گئی۔ صورتحال کا مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔ لاکھو رام ایک گوشے میں بیٹھ گیا' اب اس کے بعد دوبارہ نکل کر اس کے سامنے جانا مناسب نہیں تھا۔ بیچارہ آدھی سے زیادہ رات تک وہیں بیٹھا پاگلوں کی طرح سوچتا رہا' میں جانتا تھا کہ اس کے دماغ میں میری باتیں ہوں گی۔ پہلے تو وہ انہیں خواب سمجھا تھا اور پھر اس خواب کی تصدیق کرنے کیلئے باہر نکل آیا تھا اور اسے میرے بدن سے بننے والی لکیریں نظر آ گئی تھیں۔ شکر ہے کہ ان لکیروں کا سہارا لے کر وہ ان جھاڑیوں تک نہیں پہنچا ورنہ پھر کوئی ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ البتہ جب وہ اندر چلا گیا تو میں نے سوچا کہ یہاں رکنا مناسب نہیں ہے' دن کی روشنی میں یہاں سے نکل کر کھیتوں تک بانا مشکل کام ہو گا۔ ویسے بھی بستی میں سانپ سانپ کی خبر اڑ چکی ہے اس لئے بستی

والے الگ اس چکر میں ہوں۔ چنانچہ اس وقت نکل جانا بہتر ہے۔ رات کی تاریکیوں میں چاندنی کے نیچے کھیتوں تک سفر کرنا بہت اچھا لگا' لاکھو رام کے کھیتوں کا راستہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ چنانچہ میں ان بے آب و گیاہ کھیتوں میں پہنچ گیا۔

پھر دن کی روشنی میں' میں نے چند لمحات ادھر ادھر آہٹیں لیں' آس پاس کسی کا وجود نہیں تھا اس کے بعد میں لاکھو رام کا انتظار کرنے لگا۔ دن نکلا سورج چڑھنے لگا اور پھر سورج عروج پر پہنچ گیا۔ لاکھو رام کھیتوں پر نہیں آیا تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا' کم بخت اپنی تقدیر کو خود دھکا دے رہا ہے تو میرا کیا ہے لیکن پھر میں نے چونک کر دیکھا دور سے لاکھو رام آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ قریب پہنچ گیا' ہونٹوں پر بڑبڑاہٹ تھی۔

"ہے بھگوان اگر دماغ میں سچ مچ خرابی ہو گئی ہے تو تیاپانچا کر دیتا کیوں سکا سکا کر مار رہا ہے۔ اگر وہ سپنا نہیں تھا تو پھر ہائے رام——" اچانک ہی وہ اچھل پڑا۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی گئی تھی۔ میں کنڈلی مارے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا' لاکھو رام چند لمحات ساکت نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔

"ناگ مہاراج' بھگوان کی سوگند میں پاگل نہیں ہوں' اس وقت میری آنکھیں بھی کھلی ہوئی ہیں' دماغ بھی ٹھیک کام کر رہا ہے' تمہیں بھگوان کی سوگند مجھے بتا دو کیا رات کو میرے گھر میں تم ہی تھے اور کیا تم ہی نے یہ بات کہی تھی کہ میں کھیتوں پر پہنچ جاؤں۔ یا پھر میں سچ مچ پاگل ہوتا جا رہا ہوں۔ اس سے بھی تم تم نہیں ہو' بلکہ کچھ میرا دھیان ہے میرا خیال ہے' دل تو چاہا کہ اس سے کہوں کہ لاکھو رام نہ یہ تیرا دھیان ہے' نہ تیرا خیال ہے میرے ساتھ آ جا لیکن زبان ہی نہیں تھی کہتا کیا۔ البتہ آنکھوں کے ذریعے پیغام رسانی کر سکتا تھا لیکن وہ بدبخت میری جانب دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ میں اپنا پھن زمین پر ڈالے آہستہ آہستہ ایک جانب رینگنے لگا۔ لاکھو رام کو یاد آ گیا تھا کہ میں نے اس سے کیا کہا تھا چنانچہ ایک لمحے تک تو وہ وہیں رکا رہا پھر جب میں نے رک کر اس کی جانب دیکھا تو وہ میرے پیچھے کچھ بڑبڑاتا ہوا آنے لگا لیکن اس کی آواز مجھے سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں

آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ تاکہ وہ چلنے میں دقت نہ محسوس کرے۔ لاکھو رام اب کسی سحرزدہ شخص کی مانند میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ میں کھنڈرات میں داخل ہو گیا' لاکھو رام ایک لمحے کیلئے پریشان ہو گیا وہ اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں سے واقعی کوئی سمجھدار آدمی اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا لیکن میں رک کر اس کی جانب دیکھ رہا تھا' بدنصیب کم بخت میری آنکھوں کی طرف دیکھ تاکہ میں تیرے ذہن کے گوشے روشن کر دوں لیکن وہ دیکھ ہی نہیں رہا تھا وہ' میں نے رک کر اسے دیکھا اور اس کے بعد پھر آگے بڑھا تو وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر میرے پیچھے پیچھے چل پڑا البتہ اس وقت اس کی بڑبڑاہٹ مجھے سنائی دے گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ناگ مہاراج ٹھیک ہے اگر تم مجھے موت کی طرف لے جا رہے ہو تو تب بھی بھگوان کی سوگند تمہاری بات مانوں گا۔"

میں کلسوں کے پاس جا کر رک گیا۔ لاکھو رام نے بھی کلسے دیکھے اور اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

"ہے بھگوان یہ کیا ہے؟"

میں نے پھن اٹھا کر کلسے پر سے وہ چھوٹے چھوٹے ڈھکن گرا دیئے جن سے وہ کلسے ڈھکے ہوئے تھے۔ لاکھو رام نے تیزی سے جھانکا اور اسے گنیاں نظر آ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کا سانس ہی رک گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان گنیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر زور سے اپنے بدن کو نوچا اور اس کے بعد لرزتا ہاتھ کلسے میں ڈال دیا' مٹھی میں گنیاں بھریں اور انہیں چہرے کے قریب کیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا جیسے اسے کسی کا خوف ہو۔ میری طرف دیکھا' گنیاں واپس کلسے میں ڈال دیں اور عجیب سی کیفیت اس کے اندر پیدا ہو گئی لیکن میں یہی چاہتا تھا کہ وہ میری جانب دیکھے تاکہ اسے آئندہ کے لیے ہدایت کر دوں۔ میں نے فوراً ہی اپنی آنکھوں میں اس کی آنکھیں جکڑ لیں اور وہ آہستہ آہستہ ساکت ہوتا چلا گیا۔ میں نے اس سے کہا۔

لاکھو رام' ان دونوں کلسوں میں گنیاں بھری ہوئی ہیں' یہ دولت میری طرف سے تیرے لیے ہے لیکن اب اسے سنبھال کر اپنے گھر تک لے جانا اور اس کے بعد اس

طرح اسے استعمال کرنا کہ بستی والوں کو تجھ پر شک نہ ہو' تیری ذمہ داری ہے' کیا سمجھا- میں اس سے زیادہ تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا- میں نے لاکھو رام کا ذہن آزاد کیا اور رینگتا ہوا اس جگہ سے باہر چل پڑا جدھر سے یہاں آیا تھا- سچ مچ اس سے زیادہ میں اس کے لیے کر ہی کیا سکتا تھا- اب وہ جانے اور اس کا کام لیکن ایک خیال میرے دل میں ضرور پیدا ہوا تھا کہ دیکھوں تو سہی لاکھو رام مہاراج اب اس عظیم دولت کے حصول کے لیے کیا کرتے ہیں اور یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا- درحقیقت اس تجربے کے لیے مجھے خود بھی کافی تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں- کھنڈرات سے بستی تک کا فاصلہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر طے کرنا آسان کام نہیں تھا- پھر لاکھو رام کے ہاں سانپ دیکھا جا چکا تھا' اس لیے بھی خطرہ تھا کہ کہیں جگہ جگہ اس کی تلاش نہ ہو- پھر بھی چھپنے کے لیے دو ٹھکانے موجود تھے میرے پاس- ایک سامان کا وہ انبار جو الٹا سیدھا سامان بے شک تھا لیکن میرے لیے نہایت کار آمد- دوسرے جھاڑ جھنکار کے درمیان وہ جگہ جہاں سب سے پہلے میں لاکھو رام کے گھر میں آکر چھپا تھا- پھر میں نے دیکھا کہ دولت سچ مچ عقل بھی دے دیتی ہے اور انسان کی تمام سادگی رخصت ہو جاتی ہے- لاکھو مہاراج نے جو کچھ کیا' وہ بہت دلچسپ تھا- گھر آئے اب تک تو یوں لگتا تھا جیسے ان کی جوانی واپس لوٹ آئی ہو- اپنے احاطے کے ایک گوشے میں زمین کھودنے لگے- کافی کھدائی کر ڈالی' مٹی کے انبار لگا دیئے- دھرم پتنی جی نے پوچھا-

یہ کیا کر رہے ہو تم؟

چپ ہو جا' جو کچھ میں کر رہا ہوں بس خاموشی سے مجھے کرنے دے- میں آج سے ناگ دیو کا داس بن گیا ہوں- یہاں ناگ دیو منڈپ بنا رہا ہوں-

ارے آخر تمہارے اوپر یہ ناگ دیو کیوں سوار ہو گیا ہے؟

دیکھ انجانی- ناگ دیوتا کی شان میں اگر ایک لفظ بھی غلط کہا تو اچھا نہیں ہو گا- میں ناگ دیو کا پجاری بن چکا ہوں اور آج سے تم لوگ مجھے ناگ دیو کا پجاری کہو گے
......

بس اب یہی کسر رہ گئی ہے' ناگ دیو کا پجاری بننا اور رہ گیا تھا- بن جاؤ اور تو کسی کام کے رہے نہیں..... دونوں پتی پتنی میں خوب لڑائی ہوئی اور پتنی جی منہ پھلا کر

اندر جا بیٹھیں مگر لاکھو رام نے اپنا کام جاری رکھا- چاروں بیٹیوں کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا- مٹی کا دائرہ بنایا اور اس سے ایک عجیب و غریب چیز تیار کرنے لگا- بس کچھ ایسی ہی کارروائیاں کر رہا تھا وہ جو میری سمجھ میں نہیں آئی تھیں لیکن بعد میں سب کچھ سمجھ میں آگیا- اس نے ایک ایسی جگہ بنا دی جسے مندر کی قسم کا کہا جا سکتا تھا لیکن بس تین چار فٹ اونچی جگہ تھی' اس کے آگے وہ چوڑا گڑھا جس میں سے مٹی نکالی گئی تھی' پھر اس گڑھے کو اس نے لکڑیوں سے پاٹ دیا- اس پر گھاس پھوس ڈالی اور وہاں دھونی رما کر بیٹھ گیا- لڑکیاں ہنس رہی تھیں اور لاکھو رام کی دھرم پتنی ملنے جلنے والوں سے کہہ رہی تھی کہ اب دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا- لوگ افسوس بھی کر رہے تھے کہ دھن دولت کی وجہ سے بیچارہ لاکھو رام پاگل ہی ہو گیا- میں خود بھی نہیں سمجھ پایا تھا کہ لاکھو رام جی نے کیا چکر چلایا ہوا ہے- اس ساری جگہ کو انہوں نے جس مقصد کے لیے بنایا تھا' وہ رات کو میرے علم میں آیا- آدھی رات کا وقت تھا اور میں اس جھاڑ جھنکار کے نیچے کنڈلی مارے بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا کہ میں نے چونک کر دیکھا- لاکھو رام ایک کلہاڑا کاندھے پر لادے' دوسرا بغل میں دبائے ڈولتے آرہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے اپنے لیے ایک جگہ بنائی تھی- وہاں اس گڑھے کے اوپر سے گھاس اور لکڑیاں ہٹائیں اور کلسے اس کے اندر چھپا دیئے- لکڑیاں اسی طرح برابر کیں اور پھر اس پر اسی طرح دھونی رما کر بیٹھ گئے- آنکھیں بند کر لیں اور بن گئے لاکھو رام ناگ پجاری- مجھے بہت لطف آرہا تھا لاکھو رام کی اس چالاکی پر- اس کے بعد میں نے خاصے دن وہاں چھپ چھپ کر گزارے- لاکھو رام کو کام کرتے ہوئے دیکھا-

شہر گیا تھا اور اس کے بعد لدا پھندا واپس آگیا تھا- لازمی بات ہے گنیاں بیچنے گیا ہو گا- گھر میں خوشیاں اتر آئیں- البتہ اس کے کردار میں ایک خاص خوبی دیکھی میں نے کہ اپنے مریل بیلوں کے لیے بھی اس نے وہیں اسی جگہ ہر طرح کی بہتری کا انتظام کر دیا تھا- برے وقت کے ان ساتھیوں کو اس نے اپنے آپ سے دور نہیں کیا تھا اور ان کی دیکھ بھال بھی اسی طرح ہونے لگی تھی- چند روز میں نے یہاں گزارے' اب یہاں رکنا بیکار تھا- ایک اور ایسا کام ہوا تھا جس سے مجھے خوشی ہوئی تھی- مجھے

اطمینان تھا کہ لاکھو رام نے پہلا ہی جو قدم اٹھایا ہے' وہ ایسا ہے کہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی کے جال میں نہیں پھنسے گا اور زندگی کی گاڑی کو آرام سے آگے دھکیل لے جائے گا۔ ایسے لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں جنہیں انگلی پکڑ کر چلانا پڑتا تھا۔ لاکھو رام کو دولت حاصل ہو گئی' اس نے اس کا صحیح استعمال شروع کر دیا۔ میرا یہاں رکنا اب بے معنی تھا۔ ایک ناگ پجاری یہاں چھوڑے جا رہا تھا۔ پھر میں نے وہ آبادی چھوڑ دی اور رینگتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ زندگی کی یہ گاڑی کتنی دور جا سکتی ہے' میں اس تکلیف کے عالم میں کہاں تک اپنے آپ کو گھسیٹ سکتا ہوں' یہ فیصلہ کرنا تھا مجھے۔ ہرچند کہ جسمانی طور پر کوئی پریشانی نہیں تھی۔ جب تک تھکتا نہ تھا' چلتا رہتا تھا۔ پھر کوئی بھی جگہ تلاش کر لیا کرتا تھا۔

پھر ایک دن ایک بیل گاڑی دیکھی جسے ایک آدمی ہانک رہا تھا۔ چھکڑے میں اوپر تک سبزیاں بھری ہوئی تھیں۔ بس یونہی دل چاہا کہ بیل گاڑی پر چڑھ جاؤں۔ تیز تیز آگے بڑھا' اب باقاعدہ سانپ تو تھا نہیں کہ چلتی گاڑی پر چڑھ نہ سکتا۔ ذرا ہوشیاری سے ایک ایسی جگہ سے اوپر چڑھ گیا جہاں سے مشکل نہ ہو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی تازہ سبزیوں کے درمیان چھپ کر بڑا سکون محسوس ہوا تھا اور اس کے بعد میں ان سبزیوں ہی میں پڑ کر سو گیا تھا۔ نہ جانے کب تک سوتا رہا' پھر اچانک کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی۔ بہت سے انسانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں چونک کر جاگ اٹھا اور ایک جگہ سے موقع پا کر سر اٹھا کر دیکھا۔ بڑی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ غالباً بازار تھا جو شخص سبزی لے کر یہاں تک پہنچا تھا' اس نے بیل کھول کر ایک درخت سے باندھ دیئے تھے۔ زمین پر چادر بچھا رہا تھا۔ ایک لمحے میں صورتحال کا اندازہ ہو گیا۔ کوئی سبزی فروش ہے جو اپنے کھیتوں سے سبزی لے کر آیا ہے اور اب یہاں دکان لگا کر اسے بیچے گا۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ سبزی چھکڑے پر سے اتار دے گا اور اس سے پہلے کہ سبزی میں میری موجودگی کا شور مچ جائے' عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ میں یہاں سے رفوچکر ہو جاؤں۔ کچے پکے مکانات کا ایک وسیع و عریض سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور رینگ کر گاڑی کے نیچے آ گیا۔ لوگوں کی نگاہیں بچا کر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنا چاہتا تھا جہاں وقت گزار سکوں۔ ویسے تو یہ درخت بھی تھا جہاں بیل بندھے ہوئے تھے۔ میں درخت پر بھی چڑھ سکتا تھا اور اس وقت اس بھیڑ بھاڑ میں یہی سب سے مناسب موقع تھا۔ البتہ جب میں درخت پر چڑھا تو بیلوں نے بڑی اچھل کود مچائی تھی لیکن میں موقع پا کر خاصا اونچا چلا گیا۔

سبزی والے نے دو تین سونٹے بیلوں کے لگائے اور بیچارے بیل خاموش ہو گئے۔ وہ سانپ کی نشاندہی کرنا چاہتے تھے لیکن شکر تھا کہ ان کے منہ میں زبان نہیں تھی ورنہ ایک بار پھر ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ میں درخت پر کافی بلندی تک چلا گیا۔ اوپر سے تھوڑی فاصلے پر درخت کی شاخیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ میں اس ہنگامے سے بچنے کے لیے شاخوں شاخوں ہوتا ہوا دوسرے درخت پر پہنچا۔ پھر اس درخت سے جڑے ہوئے ایک اور درخت پر۔ بڑا دلچسپ سلسلہ تھا یہ درختوں کا۔ بلندیوں کا سفر کرتا ہوا میں بازار سے کافی دور نکل آیا۔ پھر جس درخت پر پہنچا' وہ ایک گھر کے آنگن میں تھا۔ گھر خاصا بڑا تھا اور اس میں گھر کے مکین رہتے تھے۔ یہاں بڑا سکون' خاموشی اور سناٹا تھا۔ میں ایک مضبوط شاخ دیکھ کر اس پر بیٹھ گیا۔ اچھی جگہ تھی اور درخت بھی کافی قدیم تھا۔ اس میں داڑھیاں نکلی ہوئی تھیں۔ یہ برگد کا درخت تھا اور جگہ جگہ سے کھوکھلا بھی تھا۔ میرے چھپنے کے لیے اس سے محفوظ جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ چنانچہ میں یہاں آرام سے وقت گزاری کرنے لگا۔ دل ہی دل میں ہنسی بھی آ رہی تھی کہ دیکھو اب یہاں کونسی کہانی شروع ہوتی ہے۔ زندگی کا اور کوئی مقصد سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا اور پھر اگر کوئی کوشش بھی کرتا تو اب تو بالکل ہی راستے مسدود ہو گئے تھے۔ چندر بھان نے صحیح معنوں میں میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا' اسے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ غور کیا جاتا تو صرف یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے اپنا آلہ کار بنایا تھا۔ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے اور جب میں نے اس کی مرضی سے ذرا بھی انحراف کیا تھا تو اس نے اپنی قوتوں سے کام لے کر مجھ سے میری تمام زندگی چھین لی تھی۔ نہیں چندر بھان مہاراج چیلا ہوں آپ کا۔ مانتا ہوں اس بات کو کہ آپ نے اس سنسار میں مجھے بہت کچھ دیا ہے لیکن اب جو احساس دلایا ہے آپ نے' وہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے دیا نہیں بلکہ مجھ سے لے سب کچھ لیا ہے۔ اب بھی اگر آپ کی عزت کروں اور آپ کے لیے من میں جگہ تلاش کروں تو یہ عقل کی بات

نہیں ہے۔ خیر سارا جیون تو اس طرح گزرے گا نہیں۔ اس جیون کا کہیں نہ کہیں انت ہوگا اور جب انت ہوگا تو اس کے بعد میری سوچ کے دائرے بدل چکے ہوں گے اور اس کے بعد میں وہ کروں گا جو آپ کے خیال میں بھی نہ آئے۔ بھشم کا بدن ہے میرے پاس' بیاس کی عقل ہے تو کیا اتنا بھی نہ سوچ پاؤں گا کہ آپ کی اس برائی کا بدلہ آپ کو کیسے دوں؟

دل ہی دل میں سلگتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ کچھ کر تو سکتا نہیں تھا' جب بدن پر سے کھولت زائل ہوئی تو اس مکان کے مکینوں کو دیکھا۔ دو تین چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو صحن میں کھیلتے پھر رہے تھے۔ مفلوک الحال گھرانہ معلوم ہوتا تھا۔ ابھی یہاں سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ باہر سے ایک گیارہ بارہ سال کی لڑکی آئی اور تیزی سے اندر چلی گئی۔ پھر ایک عورت ایک ادھیر عمر شخص کو سہارا دے کر باہر لائی اور اس درخت کے نیچے کھڑی ہوئی ایک چارپائی بچھا دی گئی تھی۔ اس پر چادر ڈال دی گئی اور اس کے بعد عورت نے لڑکی کو آواز دی۔

جا بلا لا۔

لڑکی باہر چلی گئی اور عورت اس اندرونی حصے ، جہاں سے وہ آئی تھی' اپنے ساتھ وہ کھیلنے والے بچوں کو بھی واپس لے گئی تھی۔ تین چار آدمی اندر آئے۔ ایک نوجوان لڑکے کو ساتھ لائے تھے جو شاید بیمار معلوم ہوتا تھا۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے شخص نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک تسبیح نکال کر ہاتھ میں لے لی جس کے وہ دانے گھمانے لگا۔ آنے والوں نے جھک جھک کر سلام کیے تو اس شخص نے تسبیح پر پھونک ماری اور ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر لڑکے پر پڑی اور وہ اسے گھورنے لگا۔ ان لوگوں نے لڑکے کو بٹھا دیا تھا۔ لڑکا ادھر ادھر گردن مار رہا تھا۔ تب چارپائی پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔

ہوں تو یہ بات ہے' یہاں آتے ہوئے بھی تمہیں یہ خیال نہیں تھا کہ مولوی قدرت علی کے ہاں جا رہے ہو۔ میں کہتا ہوں' اس گھر میں تمہیں داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی۔ بولو ..... بولو ..... بولو...... چارپائی پر بیٹھے ہوئے شخص کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔ جو لوگ اسے ساتھ لے کر آئے تھے' انہوں نے گردنیں جھکا لی تھیں۔

مولوی قدرت علی نے آواز دی۔

اری قدسیہ گلاس میں پانی لے کر آ۔ قدسیہ اسی لڑکی کا نام تھا جس نے باہر آکر اطلاع دی تھی کہ کوئی آیا ہے۔ وہ لڑکی گلاس میں پانی لے آئی۔ مولوی قدرت علی اس پانی پر کچھ پڑھتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے ہاتھ میں پانی لے کر اس لڑکے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ لڑکا خاموشی سے بیٹھا رہا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد مولوی قدرت علی نے پاس کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

لے پانی پی لے۔ اور لڑکے نے گلاس ہاتھ سے لے کر وہ پانی پی لیا۔ مولوی قدرت علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

ہاں اب آئے ہو میاں راہ راست پر۔ ہاں بھی الٰہی بخش کیا بات ہے؟

اب آپ کو کیا بتائیں مولوی صاحب۔ آپ نے تو خود ہی دیکھ لیا۔ کیا حالت ہو جاتی ہے۔

ہوں' ٹھیک ہے۔ ایسا کرو میاں۔ وہ حکیم سید علی صاحب ہیں نا' انہیں بھی دکھا دو۔ دوا دارو ضروری چیز ہوتی ہے اور ہم تمہیں کچھ فلیتے دیتے ہیں' انہیں جلاؤ شفا ہوگی۔

اب تو اس کی حالت کافی بہتر نظر آ رہی ہے۔ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

ہاں یہاں آکر تو شکل ہی بدل گئی۔ یہ الفاظ الٰہی بخش کے تھے۔

مولوی قدرت علی آپ کا دم غنیمت ہے ہماری بستی میں۔ ایک اور نے کہا۔

بس میاں کسی کی کوئی خدمت ہو جائے تو سمجھ لو بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ اچھا تو تم یوں کرو' کچھ نذر نیاز کے لیے پیسے دے جاؤ اور کل کچھ چیزیں لے کر آجانا۔ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔

مولوی قدرت علی نے کچھ چیزیں بتائیں جو میری سمجھ میں نہیں آسکی تھیں۔ ان لوگوں نے عقیدت سے گردن جھکا دی۔ مولوی صاحب نے صدری کی اندرونی جیب سے کچھ نکال کر دیا اور مٹھی میں دبا کر الٰہی بخش کے حوالے کر دیا۔

پھر وہ لوگ چلے گئے۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہی لڑکی جس کا نام قدسیہ لیا گیا تھا' آگے بڑھی اور دروازہ بند کر آئی۔ پھر اندر سے

وہ عمر رسیدہ عورت باہر نکلی جو مولوی قدرت علی کو سہارا دے کر یہاں لائی تھی' ویسے مولوی قدرت علی اپاہج تھا۔ اس کی ایک ٹانگ گھٹنے کے پاس سے کٹی ہوئی تھی اور وہ بیساکھی لگا کر چلتا تھا۔ اس وقت وہ خوش نظر آرہا تھا۔ وہ عورت اس کے پاس پہنچی تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ رقم نکالی اور عورت کی جانب بڑھاتا ہوا بولا۔

کہیں نہ کہیں سے انتظام ہو ہی جاتا ہے ...... حمیدہ اب دیکھنا' تم کہہ رہی تھیں کہ آٹا دال نہیں ہے۔ کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے آج۔ میرا خیال ہے ہفتے بھر کا بندوبست تو ہو گیا۔ کل بھی کچھ نہ کچھ آئے گا۔ چلو کہیں نہ کہیں سے مولا بھیج ہی دیتا ہے۔

عورت جس کا نام حمیدہ لیا گیا تھا' افسردہ نظر آنے لگی۔ بولی۔

دیکھو یہ سب ٹھیک نہیں ہے قدرت علی۔ دیکھو یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں ہے قدرت علی۔ کسی بیمار کو شفا نہ دے سکو تو جھوٹا دلاسہ بھی تو نہ دو۔

ارے کیا فضول باتیں کرتی ہو تم حمیدہ۔ میں نے یہ بھی تو کہہ دیا ہے کہ حکیم سید علی کو دکھا دیں۔

مگر تم نے فوراً ہی ان لوگوں پر جھوٹی باتیں بھی تو لادنی شروع کر دی تھیں۔ کیا پڑھا تھا تم نے اس پانی پر؟

دیکھو دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ حمیدہ فضول باتوں سے گریز کیا کر۔ کیا کروں' بول کیا کروں؟ اگر یہ سب کچھ نہ کروں تو بھوکا مار دوں بچوں کو۔ اپاہج ہوں' ارے ٹانگ کٹ گئی۔ بتاؤ اب کیا کر سکتا ہوں۔ دو کوڑی کا ہو کر رہ گیا۔ اللہ نے اولاد بھی دی تو سب سے بڑی بیٹی۔ چار پیسے کما کر بھی نہیں لا سکتی۔ بھوکے مر جاؤ گے تم سب۔ دیکھ حمیدہ مجبوری ہے۔ میرا دل خود دکھتا ہے یہ سب کچھ کرتے ہوئے لیکن ذرا باہر نکلو۔ چار پیسے مانگ لو کسی سے۔ منہ بنا کر اور منہ ٹیڑھا کر کے پاس سے نکل جائے گا۔ میرے سگے بھائیوں کو ہی لے لو۔ ان سے زیادہ مذاق اڑاتا ہے ہمارا کوئی۔ ایک سے ایک کمینہ ہے۔ آدھا سیر آٹا تو کوئی دے نہیں سکتا۔ ہاں باتیں بنانے کے لیے سب آجاتے ہیں۔ دیکھو کسی نے پلٹ کر پوچھا کہ کیا حال ہے تم لوگوں کا؟ پیٹ بھرا ہے یا بھوکے مر گئے؟ نہیں حمیدہ بیگم مجبوری کا نام شکریہ ہے۔ جو کچھ کر رہا ہوں مولا

جانتا ہے کہ مجبوری کے عالم میں کر رہا ہوں۔

تمہیں پتہ ہے ایسے الٹے سیدھے چکر نقصان بھی سکتے ہیں؟

کیا نقصان دیں گے؟

بچوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

مولا کی مرضی میں کسی کا کیا دخل۔ اگر بچوں کو اس طرح نقصان پہنچتا ہے تو پہنچ جائے بھائی۔ ویسے بھی تو نقصان پہنچ رہا ہے انہیں۔ پیٹ میں روٹی نہ ہوگی تو ویسے ہی مر جائیں گے بیچارے۔ رہنے دے حمیدہ بہت زیادہ کچوکے نہ لگا میرے دل پر' بس جو ہو رہا ہے وہی ہونے دے۔ اب تو دیکھ نا انسان بھائیوں پر کتنا بھروسہ کرتا ہے مگر اس وقت تک جب تک ماں باپ کی کمائی ہوتی ہے۔ جہاں یہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے' سب کی شان ہی نرالی ہو جاتی ہے۔ ہر ایک سینہ تان کر اپنے آپ کو تیس مار خان کہتا ہے۔ ایک دوسرے کی پروا نہیں کرتا۔ بیوی بچوں کے پھیر میں پڑ جاتے ہیں۔ سارے کے سارے یہ بھول جاتے ہیں کہ کبھی راتوں کو ایک دوسرے کی گردن میں بانہیں ڈال کر سویا کرتے تھے۔ اب تو بتا کون ہے میرا' کون ہے۔ مولوی قدرت علی کی آواز بھاری ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس کی بیوی حمیدہ بھی آزردہ ہو گئی تھی۔ اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

اے اللہ ہماری مشکل حل کر۔ کیا کریں ہم؟ کیا کر سکتے ہیں؟ تو نے کہا ہے کہ بھوکا اٹھائے گا' بھوکا سلائے گا نہیں۔ ہماری طرف سے کیوں آنکھیں بند کر لی ہیں؟

توبہ کر توبہ ...... حمیدہ توبہ کر۔ ارے آنکھیں بند کی ہیں۔ یہ دیکھ اس میں ہفتے بھر کا آٹا اور دال آجائے گی۔ کہاں آنکھیں بند کی ہیں اس نے......

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اس گفتگو سے حالات کا کچھ اندازہ ہو جاتا تھا۔ یہ کوئی مسلمان گھرانہ تھا۔ مولوی قدرت علی اپاہج ہو گیا تھا اور اس کے بعد اس نے یہ جھاڑ پھونک کا دھندا شروع کر دیا تھا۔ صاحب ضمیر لوگ تھے۔ دل سے اس کام کو برا سمجھتے تھے مگر مجبوریاں آڑے آئی تھیں۔ چل بھائی بیاسن پھر کوئی چلا چکر۔ اچھے ہیں یہ سارے دھندے برے نہیں ہیں لیکن اب چکر کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس میں وقت گزرتا رہے گا اور وہ بھی ایک کیڑے مکوڑے کی حیثیت سے؟ جسم اپنا ہوتا' اس میں توانائی

ہوتی تو ہاتھ پیروں سے بھی بہت کچھ کیا جا سکتا تھا لیکن اب اس عالم میں' اب ہر جگہ تو کھنڈرات ہیں نہیں۔ جہاں سے سونے کے کلسے نکال لیے جائیں' اب ان لوگوں کے لیے کیا کیا جائے۔

میں نے اس درخت پر بسیرا کر لیا۔ کسی کی توجہ درخت پر نہیں جاتی تھی۔ درخت کے کھوکھلے تنے میں میرے لیے کافی جگہ موجود تھی۔ جہاں سے میں باہر کے مناظر بھی دیکھ سکتا تھا۔ بعد میں کچھ اور تفصیلات بھی معلوم ہوئیں۔

مولوی قدرت علی بابا بیساکھی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے اور بہت سے لوگوں کا علاج بھی کر چکے تھے۔ ان لوگوں نے خود اعتراف کیا تھا کہ انہیں کچھ بھی نہیں آتا۔ بس الٹی سیدھی جھاڑ پھونک کر کے کام چلا لیا کرتے ہیں اور یہ کام وہ بحالت مجبوری کرتے ہیں۔

پھر ایک دن صبح ہی صبح ایک دلچسپ صورتحال پیش آ گئی۔ کچھ لوگوں نے اس وقت دروازہ بجایا تھا جب گھر کے مکین سو رہے تھے۔ دروازہ بہت زور زور سے بجایا گیا اور میں چونک کر دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر اندر سے مولوی صاحب کی بیوی باہر نکلیں۔ دروازے کے پاس جا کر پوچھا' کون ہے؟ تو شاید باہر سے کچھ آواز سنائی دی۔ حمیدہ کی آواز میرے کانوں میں ابھری۔

کیا کام ہے؟

باہر سے جو آواز آئی' اس پر میں نے خود توجہ دی تھی۔ کہا گیا۔

مولوی قدرت علی سے ملنا ہے۔

کون ہیں آپ؟

ان سے یہ کہہ دو کہ ٹھاکر راج موہن کے ہاں سے ان کے آدمی آئے ہیں۔

اچھا کہے دیتی ہوں۔ عورت واپس مڑ گئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد مولوی قدرت علی کو اس طرح سہارا دے کر لایا گیا۔ چارپائی جو کھڑی ہوئی تھی' بچھا دی گئی اور مولوی قدرت علی اس پر بیٹھ گئے۔ پھر لڑکی قدسیہ نے جا کر دروازہ کھولا۔ دھوتی اور کرتے میں ملبوس چار پانچ آدمی اندر آ گئے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

مولوی صاحب میرا نام کیمن سنگھ ہے۔ ٹھاکر راج موہن کے ہاں سے آیا ہوں۔

حویلی والے ٹھاکر......

ہاں' ہاں۔ ٹھاکر راج موہن کو...... کوئی ایسا بھی ہے جو نہ جانتا ہو۔ پر کیا بات ہے بھیا؟ صبح ہی صبح کیا پریشانی ہو گئی؟

وہ اپنے برج موہن ہیں ناں...... ٹھاکر راج موہن کا اکلوتا بیٹا۔

ہاں ہاں جانتا ہوں اسے۔ مولوی قدرت علی نے کہا۔

سانپ نے کاٹ لیا ہے اسے۔ تین دن سے تھالی بج رہی ہے۔ دور دور کے سپیرے آ گئے ہیں' پر کوئی بھی سانپ کو بلانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کسی نے آپ کا نام ہے ٹھاکر راج موہن سے۔

مگر بھائی ہم سے چلا پھرا نہیں جاتا' جائیں گے کیسے؟

بیل گاڑی بھیجی ہے ٹھاکر راج موہن نے۔ کہا ہے مولوی صاحب جس طرح بھی ہو سکے' انہیں لے کر آؤ۔

ہاں ہاں ہم تیار ہیں۔ ذرا منہ ہاتھ دھو لیں۔ اری قدسیہ لوٹے میں پانی لائیو۔

مولوی صاحب نے منہ ہاتھ دھویا۔ میرے دل میں ایک دم سے یہ تصور جاگا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے' ذرا میں بھی مولوی صاحب کے ساتھ جاؤں۔ دیکھوں ذرا کیا چکر ہے اور باہر جانے کا راستہ تو تھا ہی۔ میں درختوں کی شاخوں پر رینگتا اوپر چڑھا۔ مولوی صاحب کے باہر نکلنے میں ذرا دیر تھی۔ بہرحال میں باہر پہنچا تو میں نے وہ بیل گاڑی دیکھی جو دروازے کے باہر کھڑی ہوئی تھی۔ دو طاقتور بیل جتے ہوئے تھے۔ اس میں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں اس بیل گاڑی تک کیسے پہنچوں؟ میں چند لمحات سوچتا رہا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے درخت کی شاخ سے بیل گاڑی پر چھلانگ لگا دی اور پھر رینگ کر اس کے نچلے حصہ میں پہنچ گیا۔

جانوروں میں بڑی سمجھ بوجھ ہوتی ہے۔ بیل کنوتیاں بدلنے لگے۔ وہ اچھل کود مچا رہے تھے اور ان کے گلے میں بندھی ہوئی پیتل کی گھنٹیاں تیزی سے بج رہی تھیں۔ تب اندر سے دو آدمی باہر نکل آئے' ان میں سے ایک گاڑی بان تھا۔ اس نے بیلوں کی راسیں پکڑیں اور انہیں سنبھالنے لگا۔ پھر وہ بولا۔

ارے پاپیو کیوں اچھل کود کر رہے ہو؟ ٹھیک سے کھڑے رہو' چلتے ہیں ابھی۔ پھر

ان میں سے ایک نے ان کی دمیں پکڑی رکھیں اور دوسرا اندر چلا گیا مگر بیلوں کے اوسان خطا تھے۔ پتہ نہیں میری بو سونگھ رہے تھے یا انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اچھل کود ہی مچاتے رہے۔ البتہ مجھے بیل گاڑی کے نچلے حصہ میں ایک بہت اچھی جگہ مل گئی تھی جہاں میں آرام سے گھس کر بیٹھ سکتا تھا۔ سو میں نے اپنے بدن کو سکڑ کر وہیں اپنے لیے جگہ بنا لی۔

میں مزے سے بیل گاڑی میں سفر کر رہا تھا لیکن کمبخت بیلوں کو شاید میری موجودگی کا علم تھا۔ ایسے جان توڑ کر بھاگ رہے تھے کہ میرا بدن بار بار پھسل جاتا تھا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے مجھے اپنا جسم خاصا سخت کرنا پڑا تھا لیکن شکر تھا کہ سفر بہت زیادہ لمبا نہیں تھا۔

ایک بڑی سی حویلی کے احاطے میں بیل گاڑی داخل ہوئی اور جیسے ہی بیل گاڑی اندر گھسی۔ میرے کانوں نے عجیب سی بے ہنگم آوازیں سنیں۔ پتا نہیں کیا چیز بجائی جا رہی تھی۔ لوگوں کی موجودگی کا احساس بھی ہوتا تھا۔ بیل گاڑی ایک جانب کھڑی کر دی گئی اور اس کے بعد لوگ مولوی قدرت علی کو نیچے اتارنے لگے۔ جو کچھ تھا' سامنے ہی تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے باہر کا منظر دیکھا۔ بہت سے لوگ جمع تھے۔ ادھر سے ادھر آجا رہے تھے۔ اندر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں نے مولوی قدرت علی کے لیے راستہ چھوڑ دیا ہے۔ مجھے ان لوگوں کے درمیان ایک نوجوان لڑکا پلنگ پر لیٹا ہوا نظر آیا اور میں نے بخوبی اس کا جائزہ لیا۔ وہ سانپ کے کاٹے کا شکار تھا اور اس کا رنگ نیلا پڑا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی قدرت علی ان کے پاس پہنچ گئے۔

کیا بات ہے ٹھاکر راج موہن؟

مہاراج کی حالت تو ٹھیک نہیں ہے۔ مولوی صاحب میں بتاتا ہوں۔

ہاں بتاؤ بھائی۔

تین دن پہلے برج موہن کو سانپ نے کاٹ لیا ہے مولوی صاحب۔ یہ حالت ہے اس کی۔ سارے وید' طبیب دیکھ کر جا چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سانپ کے

کاٹے کا علاج یہی ہو سکتا ہے کہ جس سانپ نے کاٹا ہے' وہ آئے اور اس کا زہر چوس لے اور کوئی علاج نہیں ہے اس کا۔ بڑی بڑی دور سے سپیرے بلوائے گئے ہیں۔ یہ دیکھ لیجئے تین دن سے تھالی بج رہی ہے۔ بہت سے سپیرے ہر طرح کی کوشش کر چکے ہیں' نجانے کیا کیا جادو منتر کیے ہیں۔ پر سانپ ہے کہ آتا ہی نہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں' وہ کہنے لگے کہ ٹھاکر راج موہن ان سپیروں کو تو تم نے دیکھ ہی لیا۔ سارے جادو منتر بیکار ہو گئے ہیں ان کے۔ اب ایسا کرو ذرا مولوی قدرت علی کو اور دکھا دو۔ آج کل بہت نام سن رہے ہیں ان کا۔ جو کوئی بھی ان کے پاس جاتا ہے' صحت مند ہو کر آتا ہے۔ مولوی صاحب آپ ہماری بستی کے آدمی ہیں۔ ٹھاکر راج موہن بھی جس قسم کے آدمی ہیں' آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہوں نے نہ کبھی ہندوؤں کو تکلیف دی' نہ مسلمانوں کو۔ ہم لوگ بھائی چارے سے رہ رہے ہیں اور پھر آپ بھی بال بچے والے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ راج موہن جی کا ایک ہی بیٹا ہے۔ برج موہن جیون مرن کے پھیر میں ہے۔ مولوی صاحب کچھ کر سکتے ہیں تو آپ بھی کیجئے۔ ٹھاکر صاحب بن موت مر جائیں گے۔ پورا پریوار تباہ ہو جائے گا۔ برج موہن کے دم سے تو یہ سارا کام دھندا چل رہا ہے۔

مولوی قدرت علی اب کچھ پریشان سے نظر آ رہے تھے۔ میں تو یہ باتیں سن ہی چکا تھا کہ وہ بنے ہوئے درویش ہیں۔ میری دلچسپیاں حد سے زیادہ ہو گئی تھیں۔ مولوی صاحب لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

اصل میں ٹھاکر صاحب یہ بات بالکل الگ ہے' یہ تو جادو منتر والوں کا کھیل ہے۔ یہ اتنے بڑے بڑے سپیرے بیٹھے ہوئے ہیں' یہ کچھ نہیں کر سکے ابھی تک۔

کہا ناں تین دن سے تھالی بجا رہے ہیں۔ ایک بستی کا بہت بڑا سپیرا بڑے بڑے ناگوں سے لڑ چکا ہے مگر اس کا کہنا کچھ اور ہی ہے۔

میں نے مونگا رام کو دیکھا' کالا سیاہ رنگ' بڑی بڑی نوکیلی مونچھیں' سرخ سرخ آنکھیں' لمبا چوڑا قد' خود بھی کالا ناگ ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی شیطانیت چھائی ہوئی تھی۔ غصے میں بھرا ہوا بیٹھا تھا۔ کہنے لگا۔

ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں' وہ کوئی مان ہی نہیں رہا۔ ہم کیا کریں؟

کیا کہا۔ تم نے مونگا رام؟ مولوی قدرت علی نے پوچھا۔

جس سانپ نے برج موہن کو کاٹا ہے' وہ خود بھی جیتا نہیں ہے مہاراج۔ مرچکا ہے ورنہ مونگا رام زمین کی تہیں کھود کر اسے نکال لیتا۔ وہ پاتال میں بھی چلا گیا ہوتا تو اسے نکال لیا جاتا۔ مونگا رام کو کیا سمجھتے ہیں آپ؟ ہم تین دن سے بین جا رہے ہیں' تھالی بجا رہے ہیں۔ سانپ جیتا ہوتا تو ضرور آجاتا۔ وہ خود بھی کسی طرح مرچکا ہے۔ مار دیا ہوگا کسی نے۔ اب کوئی دوسرا سانپ تو آنے سے رہا۔

تت.....تو پھر اس کا کیا علاج ہوتا ہے؟

سارے علاج کر لیے ہم نے اب۔ اب ہم کیا کہیں؟ صرف مہاراج کا من بہلا رہے ہیں ورنہ' ورنہ ......مونگا رام خاموش ہوگیا۔

بھگوان نہ کرے' بھگوان نہ کرے۔ ایسی بات نہ کر مونگا رام۔ میں تجھے جان سے مار دوں گا' ایسی بات نہ کر........

ہمیں جان سے مارنے سے کیا ہوگا ٹھاکر راج موہن' بس اب دیکھ لو' یہ مولوی صاحب آئے ہیں ان کو پکڑو' دیکھو یہ کیا کرتے ہیں؟

ٹھاکر راج موہن اپنی جگہ سے اٹھا اور مولوی قدرت علی کے پیروں میں بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب ایک ہی بیٹا ہے میرا' ایک ہی بیٹا ہے۔ دین دھرم کو بھول جائیے' جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کیجئے۔ آپ کو آپ کے اللہ کا واسطہ۔ آپ کو ہمارے بھگوان کا واسطہ۔

ٹھاکر جی......جان دے کر بھی آپ کے کام آجاتا تو اس سے اچھی بات اور کوئی نہ ہوتی۔ کیا کروں' کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پانی منگوا دیجئے ایک گلاس۔ مولوی صاحب کے انداز میں بیچارگی تھی' وہ بس اپنا فرض پورا کرنا چاہتے تھے۔ جب تین سپیرے مل کر یہ سب کچھ نہ کر سکے تو مولوی صاحب بیچارے کیا کرتے۔ البتہ میری تیز نگاہیں برج موہن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سانپ کے کاٹے کا شکار ہے' میں تو اس سلسلے میں تجربہ رکھتا تھا۔ ناگ رانی نے کاٹا تھا۔ سنتھا نے کاٹا تھا۔ اس آدمی کو جس کا نام بھی اتفاق سے لاکھو رام ہی تھا اور میں نے اس کا زہر چوس کر اسے زندگی دی تھی۔ اس وقت میں انسانی شکل میں تھا اور اب سانپ کی شکل میں۔ ارے واہ۔ یہ تو مزہ آگیا۔

اگر برج موہن سانپ کے کاٹے کے زیر اثر ہے تو یہ زہر تو میں آسانی سے چوس سکتا ہوں۔ دیکھو ہو سکتا ہے مولوی قدرت علی کی تقدیر بدل جائے۔ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ البتہ ذرا سا انتظار ضروری تھا۔ سپیروں نے تھالی بجانا بند کر دی تھی۔

کچھ دیر کے بعد پیتل کے ایک کٹورے میں پانی آگیا۔ مولوی صاحب اس پر کچھ بڑبڑانے لگے۔ پھر انہوں نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور اس کے چھینٹے لڑکے پر مارنے لگے۔ نوجوان لڑکا تھا۔ کوئی بیس اکیس سال کی عمر ہوگی۔ پانی اس کے بدن پر مارنے کے بعد مولوی صاحب نے وہی پانی لے کر ادھر ادھر چھڑکا۔ تمام لوگ ساکت ہو گئے تھے۔ اندر سے رونے کی آوازیں بھی بند کرا دی گئی تھیں۔ بس اب موقع تھا کہ میں منظرعام پر آجاؤں۔ حالانکہ بڑا خطرہ مول لے رہا تھا میں' ہو سکتا ہے بعد میں یہی لوگ میرے اوپر ہی ٹوٹ پڑیں لیکن اب جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ جان سے تو مارنے سے رہے مجھے' یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

مولوی صاحب اپنے عمل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ میں خاموشی سے بیل گاڑی سے نیچے اتر آیا اور اس کے بعد رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ اچانک ہی لوگوں کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ سارے کے سارے ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گئے تھے اور میرے لیے جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ میں نے مولوی قدرت علی کو دیکھا' تھرتھر کانپ رہے تھے۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا جو لرزنے کی وجہ سے چھلک رہا تھا اور پانی خود ان کے اوپر ہی گر رہا تھا۔ ٹھاکر راج موہن اور جو ان کے حواری تھے' وہ بھی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ میں برج موہن کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس کی ران کے پاس وہ زخم دیکھا جو سانپ کے کاٹے کا زخم تھا اور پھر میں نے اپنا منہ اس کے زخم پر رکھ دیا۔ اس کے جسم میں زہر بھرا ہوا تھا۔ میں نے وہ سارا زہر چوس لیا اور دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ برج موہن کے جسم کی نیلاہٹیں سرخی میں بدلتی جا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ میرے منہ میں اس کے جسم کے خون کے قطرات آنے لگے۔ گویا سارا زہر اس کے جسم سے ختم ہوگیا تھا۔ بس تنا ہی کرنا تھا مجھے۔ میں پیچھا ہٹا اور ایک لمحے کے لیے وہاں رہا' پھر برق رفتاری سے ہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ یہ سب سے مشکل مرحلہ تھا کیونکہ ہو سکتا تھا' اس دوران

کوئی میری جانب متوجہ ہو جائے اور میرا تعاقب کرنے کی کوشش کرے۔ میں برج موہن کے پاس سے ہٹ کر دروازے کی جانب بڑھا۔ شکر ہے کسی نے میرا پیچھا نہیں کیا تھا۔ وہ سب سکتے کے سے عالم میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں باہر نکل آیا۔ اپنے چھپنے کے لیے جگہ تلاش کرنے لگا۔ باہر لوگ موجود نہیں تھے۔ سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ان حالات میں مجھے سفر کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ فی الحال مولوی قدرت علی کے گھر ہی آگیا تھا اور چھپتا چھپاتا برگد کے درخت پر چڑھ گیا تھا۔ یہاں میرے لیے انتہائی بہترین جگہ موجود تھی۔ درخت میں ایسے سوراخ بھی تھے جہاں سے باہر دیکھا جا سکتا تھا اور وہاں کی باتیں بھی سنی جا سکتی تھیں۔ بہرحال جو خوشی مجھے یہ کام سرانجام دے کر محسوس ہوئی تھی، وہ ان خوشیوں سے مختلف نہیں تھی جو تیجو مل اور لاکھو رام کی مشکلات دور کرنے سے حاصل ہوئی تھی۔ مولوی قدرت علی بیچارے جن حالات کا شکار تھے، ہو سکتا ہے ان میں کچھ تبدیلیاں ہو جائیں۔ خاصا وقت انتظار کرنا پڑا تھا اور اس کے بعد باہر آہٹیں ہوئی تھیں۔ اس دوران میں نے مولوی قدرت علی کی بیوی اور ان کے بچوں کو بہت پریشان دیکھا تھا۔ باہر ہی سب کے سب مولوی قدرت علی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ قدرت علی کی بیوی بار بار بلند آواز میں دعائیں مانگنے لگتی تھی۔

الٰہی خیر کرنا، میں پہلے ہی منع کرتی تھی کہ جانتے وانتے کچھ نہیں ہیں، بلاوجہ کے پیر بن بیٹھے ہیں۔ پکڑ لیا کسی جن بھوت نے تو گردن مروڑ کر پھینک دے گا۔ جیسے بھی ہیں میرے بچوں کے سر کا سائبان ہیں۔ خیر کرنا الٰہی۔ پھر وہ بچوں پر برسنے لگی۔ ارے بیٹھے بیٹھے کھسر پھسر کیے جا رہے ہو، میں کہتی ہوں ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگو۔ اللہ تمہارے ابا کو سلامت رکھے۔ انہیں خیر سے واپس لائے۔

بہرحال ابا خیر سے واپس آگئے۔ باچھیں کھلی ہوئی، بیساکھی ٹیک کر چل رہے تھے۔ بیوی نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔ دیکھنا چاہتی تھیں کہ کہیں ٹوٹ پھوٹ تو نہیں ہوئی لیکن سب ٹھیک تھا۔ مولوی قدرت علی نے آنے والے کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ جاؤ بھائی بہت بہت شکریہ تمہارا۔

مولوی صاحب آپ نے جو کیا ہے، اس سے بستی کی تاریخ بدل جائے گی۔ ہند

مسلمانوں میں ایسی دوستی ہوگی کہ مثال بن جائے گی۔

ہاں خدا کرے ایسا ہی ہو میاں۔ ہم نے تو جو کچھ کیا ہے، نیک نیتی سے کیا ہے۔ بس اللہ کا شکر ہے کہ راج موہن کے گھر کا چراغ روشن ہو گیا۔ ارے اس سے زیادہ خوشی ہمیں اور کس بات کی ہو سکتی ہے۔ اللہ ہمیشہ اس کے گھر کا چراغ روشن رکھے۔

مولوی قدرت علی کی بیوی حیرت بھری نگاہوں سے مولوی صاحب کو دیکھ رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے وہ چارپائی بچھا دی جو مولوی صاحب کے لیے مخصوص چارپائی تھی اور وہ چارپائی پر بیٹھ گئے۔

کیا ہوا، کیا ہو گیا......؟

ارے ہونا کیا تھا تو سوچ بھی نہیں سکتی حمیدہ۔ جو ہو گیا یوں سمجھ لے اللہ نے سن لی۔ جب وہ دیتا ہے، ایسے ہی دیتا ہے۔ قربان جاؤں اپنے مولا کے۔ ارے زندگی بن گئی ہماری، سارے دکھ دور ہو گئے۔

خواب دیکھ کر آرہے ہو کیا مولوی صاحب؟

بک بک کیے جا رہی ہو۔ ارے سن تو سہی کیا ہوا؟

سناؤ سناؤ، ہماری تو زبان سوکھ گئی تمہارے لیے دعائیں کرتے کرتے۔

کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ تیری اور تیرے بچوں کی دعائیں ہی تو کام آئی ہیں حمیدہ۔

ہوا کیا؟

کیا ہونا تھا۔ ٹھاکر راج موہن کے بیٹے برج موہن کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ اب تم ان لوگوں کے ٹونے ٹوٹکے تو جانتی ہی ہو۔ میت رکھی ہوئی تھی، مر چکا تھا بیچارہ۔ نیلا پڑا ہوا تھا۔ پورے بدن میں زہر بھرا ہوا تھا۔ وہ جو ہوتے ہیں ناں سپیرے، بائیگی بائیگی جو کہلاتے ہیں۔ بائیگی آئے ہوئے تھے، تھالی بج رہی تھی، بینیں بج رہی تھیں۔ تین دن گزر چکے تھے مگر راج موہن کا من نہیں مانتا تھا کہ بیٹا مر چکا ہے۔ آس لگی ہوئی تھی۔ قربان جاؤں اپنے مولا کے، میرے ہی لیے یہ سربلندی لکھی تھی اس نے۔ راج موہن قدموں میں گر پڑا کہ مولوی صاحب ہمارے گھر کا چراغ بجھنے سے بچا لو۔ بس جی مولوی صاحب بیچارے تو ٹھہرے قلاش۔ ہاں اللہ سے لو ضرور لگائی اور تو بچ جان

حمیدہ اس وقت دل میں کوئی لالچ نہیں تھا۔ یہ لالچ نہیں تھا کہ راج موہن کا بیٹا ہماری وجہ سے ٹھیک ہو جائے گا تو کچھ انعام و اکرام ملے۔ یہ لالچ بالکل نہیں تھا بلکہ سچی بات تھی اس وقت ایک دکھی دل کا آدمی دیکھا۔ خود بھی بال بچوں والے ہیں، سچے دل سے دعا نکلی تھی ہمارے منہ سے کہ الٰہی ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔ لاج رکھنے والا تو ہے۔ بس پانی لیا، پڑھا، چار چھینٹے مارے۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے ادھر ادھر چھینٹے مار دیئے۔ بس پھر خدا کرنا کیا ہوا کہ یہ لمبا، کئی ہاتھ لمبا اور یہ چوڑا ناگ۔ کالا ناگ دیکھنے والوں کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور یقین کرو حمیدہ خود ہمارا دل دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ ہم نے سوچا بھیا ایک پھنکار بھی مار دی اس نے تو ہم پانی ہو جائیں گے مگر بات وہی تھی حمیدہ، دل سے نکلی تھی پوری ہو گئی۔ سانپ نے برج موہن کے زخم سے منہ لگا کر جو زہر چوسا تو یوں لگا جیسے رنگ ہی بدلتا جا رہا ہے۔ سر سے نیلاہٹیں اتریں تو پاؤں سے باہر تک آ گئیں۔ سارا زہر چوس لیا اس نے اور جیسے ہی وہ زہر چوس کر باہر نکلا۔ برج موہن بھیا اٹھ کر بیٹھ گیا، پانی مانگا۔ بس پھر کیا تھا اسے پانی پلایا گیا اور وہ جو سپیرے آئے تھے، ایسے جل بھن کر کباب ہو گئے کہ ان کا منہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ راج موہن نے بیٹے کو کلیجے سے لگا لیا۔ سارے کے سارے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور حمیدہ تو ہوتی، تو بھی رو پڑتی۔ اس وقت یہ دیکھ کر جسے دیکھو تیرے اس غریب لاچار شوہر پر دیوانہ وار نثار ہو رہا ہے۔ نہ جانے کیا کیا باتیں کر ڈالیں لوگوں نے۔ پر دیکھ ہم نے تو ان سے یہی کہا کہ مارنے سے بچانے والا بہت بڑا ہوتا ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کیا، بس دعا کی تھی کہ راج موہن کے گھر کا چراغ روشن رہے۔ بس بھیا ہم نے کہا کہ راج موہن اب یہ بھیڑ بھاڑ ہٹاؤ اور بچے کو اندر لے جاؤ۔ ہمیں جانے دو۔ راج موہن کہنے لگا کہ مولوی قدرت علی صاحب۔ آپ نے میرے میرے گھر کا چراغ روشن کیا ہے، میں آپ کے گھر میں دیوالی کروں گا۔ آپ جائیں، آرام سے جائیں اور پھر بڑی عزت و احترام کے ساتھ ہمیں واپس کر دیا گیا۔

کچھ دیا لیا نہیں؟ حمیدہ بیگم نے پوچھا۔

ارے چھوڑ حمیدہ ہمیں اس سے بڑی دولت اور کیا مل سکتی ہے کہ اتنی عزت ہوئی۔ اتنا احترام کیا گیا ہمارا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ راج موہن کا بیٹا ٹھیک

ہو گیا۔ روٹی اور دو کپڑے چاہیے ہوتے ہیں۔ یہ تو اللہ دے ہی دیتا ہے مگر ایسی سچی خوشی اگر مل جائے تو سمجھ لے کہ اللہ نے سب کچھ دے دیا۔ دعا پوری ہو گئی ہماری۔ اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔

حمیدہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی اور اس کے بعد وہ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مجھے تھوڑا سا افسوس ہوا تھا۔ راج موہن نے اچھا نہیں کیا، بیچارے مولوی قدرت علی کو کچھ دینا چاہیے تھا۔ خیر کوئی بات نہیں، کم از کم مولوی قدرت علی کے اندر انسانیت تھی۔

رات ہو گئی اور پھر رات گزر بھی گئی۔ دوسرا دن نکل آیا۔ ایک دو آدمی مولوی صاحب کے پاس دعا تعویز کرانے آئے تھے۔ ایک صاحب ایک برتن میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھی لے کر آئے تھے جس پر رومال ڈھکا ہوا تھا۔ بس یہی مولوی صاحب کا ذریعہ معاش تھا لیکن سورج چڑھا ہی تھا کہ اچانک باہر سے آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ زور سے دروازہ بجا۔ دروازہ کھولا گیا اور میں نے دیکھا کہ ٹھاکر راج موہن اپنے بیٹے برج موہن، دھرم پتنی اور کئی دوسرے آدمیوں کے ساتھ دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ مولوی قدرت علی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے، جلدی سے بیساکھی سنبھالی تو راج موہن دوڑتا ہوا آیا اور مولوی صاحب کے شانوں کو سہارا دے کر بولا۔

بیٹھے رہیں مولوی صاحب، بیٹھے رہیں۔

وہ آپ، آپ نے کیوں تکلیف کی۔ کک......کوئی بات ہو گئی ہم ......مجھے بلا لیا ہوتا۔ ہم ......میرے گھر میں تو ب......بیٹھنے کے لیے کک ...... کچھ بھی نہیں ہے۔ ارے حمیدہ، ارے بیٹی قدسیہ، چادر ہی لے آؤ، چادر ہی بچھا دو یہاں پر۔

چادر لائی گئی اور ٹھاکر راج موہن بڑے احترام کے ساتھ چادر پر بیٹھ گیا۔ باقی لوگ بھی بیٹھ گئے۔ مولوی قدرت اللہ نے برج موہن کو دیکھا، بولے۔

بیٹا ذرا ادھر آ، میں تیری پیشانی چوم لوں۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں راج موہن ایسا لگ رہا ہے جیسے میرا بیمار بیٹا ٹھیک ہو گیا ہو۔

ہمیں تو صرف اس بات کا افسوس ہے مولوی قدرت علی صاحب کہ ہمارے اپنے گھر میں، ہماری اپنی بستی میں اتنی بڑی شخصیت موجود ہے اور ہم اس کی کوئی قدر،

کوئی عزت نہ کر سکے۔ آپ اس عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں مولوی صاحب کہ میں ایک بے حد خودغرض اور مطلبی آدمی ہوں۔ جب اپنے اوپر پڑی تو دوسرے بارے میں سوچا۔ آپ نے مولوی صاحب میرے اوپر جو احسان کیا ہے' بس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس احسان کو کیسے اتاروں گا؟

ارے چھوڑو راج موہن۔ اولاد سب کی اولاد ہوتی ہے اور ہر صاحب اولاد کو دوسرے کی اولاد کے لیے اچھے ہی جذبات رکھنے چاہئیں۔

اللہ والے ہیں ناں آپ۔ بھگوان نے آپ کو اتنا کچھ دیا ہے کہ آپ کو دوسری چیزوں کی چنتا نہیں ہے مگر ہمارا بھی کچھ فرض ہے مولوی صاحب۔ ایک چھوٹی سی بھینٹ دینے آئے ہیں آپ کو۔ بہت چھوٹی سی بھینٹ ہے۔ سوئیکار کر لیں' ہمارے اوپر احسان ہوگا۔

نہیں نہیں راج موہن اس کے بدلے میں' میں کچھ نہیں لوں گا۔ بس میں نے کہہ دیا تم سے...... ارے کیا ہے دو روٹی کی بات ہے ناں' کہیں نہ کہیں سے بندوبست ہو ہی جاتا ہے۔ اپاہج ہو گیا ہوں' لاچار ہو گیا ہوں ورنہ محنت مزدوری کر کے تو ساری زندگی گزار دی۔ اب ذرا حالات خراب ہو گئے ہیں مگر کوئی بات نہیں' اللہ مالک ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

یہ تو آپ کہہ رہے ہیں ناں مولوی صاحب۔ میرا مسئلہ کچھ اور ہے۔ مجھ پر بھی تو کچھ فرض بنتا ہے ناں ...... سنیں مولوی صاحب آپ کو برج موہن ہی کی قسم ہے۔ جو کچھ میں بھینٹ کر رہا ہوں' اس سے انکار نہ کریں۔

ارے راج موہن کیا قسم دلا دی بھئی۔ کیا دے رہے ہو مجھے' بتاؤ ذرا۔ مولوی صاحب نے بے پروائی سے کہا۔

مولوی صاحب وہ میرا شمال والا باغ ہے۔ آٹھ بیگھے میں پھیلا ہوا ہے۔ شاید آپ کو پتہ ہو کہ سونا اگلتا ہے سونا اور میں نے اپنے برج موہن پر سے سونا ہی وار دیا ہے۔ وہ باغ میں آپ کے نام لکھ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب' آپ کے رہنے کے لیے باغ کے کنارے پر ہی ایک گھر بنا ہوا ہے۔ وہ بھی میں نے آپ کے نام کر دیا ہے۔ یہ میری دھرم پتنی آپ کے بیوی بچوں کے لیے کچھ گہنے لائی ہے۔ بچیاں

ہیں آپ کی' ان کے کام آئیں گے۔ یہ سوئیکار کیجئے۔

راج موہن کی دھرم پتنی نے ایک پوٹلی مولوی صاحب کے سامنے رکھ دی۔ مولوی صاحب کو تو سکتہ ہو گیا تھا۔ راج موہن نے ایک رومال مولوی صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اور اس میں تھوڑی سی نقد رقم ہے۔ بس یہ لائے ہیں ہم آپ کے لیے۔ وہ باغ آپ کے لیے جیون بھر کام دے گا۔ آپ کے بچوں اور ان کے بچوں کے کام آئے گا۔ آپ کو پتہ ہی نہیں ہے شمال والے باغ کی کیا کیفیت ہے۔ بڑا پھل اترتا ہے اس سے اور بہت بڑی آمدنی ہے اس کی۔ اب آپ زمیندار ہو گئے ہیں مولوی قدرت علی صاحب۔

مولوی قدرت علی اس طرح منہ کھولے بیٹھے ہوئے تھے کہ محسوس ہوتا تھا کہ بدن کی جان ہی نکل گئی ہے۔ بری طرح سٹپٹائے ہوئے تھے۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔ راج موہن نے کہا۔

اور آپ کو بالکل چنتا نہیں کرنی چاہیے۔ سب دیکھ بھال ہم کریں گے۔ بھاگ دوڑ بھی نہیں کرنی پڑے گی آپ کو۔ چار آدمی کام کرتے ہیں اس باغ میں۔ بڑے آرام سے ان کی پگار نکل جاتی ہے۔ یوں سمجھ لیں یہ سارے کام ہمارے منشی جی ہی کر لیا کریں گے۔ آپ بس اس کی آمدنی سنبھال لیا کریں۔ مولوی قدرت علی صاحب' اچھا اب ہمیں آگیا دیں۔

مولوی قدرت علی صاحب کچھ نہ بولے تو راج موہن نے اٹھ کر ان کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔

مولوی صاحب چپ کیوں ہو گئے؟

ایں...... ایں کچھ بھی نہیں۔ بس ایسے ہی یہ' یہ سب' یہ سب؟

ہاں یہ سب آپ کا ہوا۔ آپ نے ہمارا چراغ روشن کیا ہے' ہم نے کل ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ کے گھر میں دیوالی کر دیں گے مولوی صاحب۔ بھگوان کا شکر ہے کہ ہم نے اپنا قول نبھا دیا۔ اچھا اب آگیا دیں۔

بمشکل تمام مولوی صاحب نے راج موہن سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد وہ سب

ایک ایک کرکے باہر نکل گئے۔ حمیدہ بیگم۔ بچے سارے کے سارے یوں کھڑے ہوئے تھے۔ مولوی قدرت علی پر ایسا جوش طاری ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی اور دھڑام سے زمین پر گر پڑے۔

ارے ارے کیا کر رہے ہیں' کیا کر رہے ہیں۔ اللہ کی نیکی۔ یہ آپ کیا دوڑ پڑے تھے؟ حمیدہ بیگم نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا اور مولوی صاحب عجیب سے انداز میں ہنس پڑے۔

ارے حمیدہ بیگم' ایک پاؤں گیا تھا۔ ہزار پاؤں لگ گئے۔ لے دیکھا' کہا تھا ناں تجھ سے کہ ایک دن گھورے کی بھی پھرے گی۔ ارے پھر گئی ہماری حمیدہ' پھر گئی۔ ارے میرے بچو آؤ' میرے کلیجے سے لگ جاؤ۔ ارے سب کے وارے نیارے ہو گئے۔

مولوی صاحب کی خوشیاں بام عروج پر پہنچی ہوئی تھیں۔ سارا گھر یہ سب کچھ پا کر دیوانہ ہو گیا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ کہیں انہیں شادی مرگ نہ ہو جائے۔ خوشی سے ناچ رہے تھے۔ بیچارے مولوی قدرت علی کر ایک ٹانگ نہیں تھی ورنہ وہ بھی رقص کرتے اور درخت کے اس چوڑے تنے کے سوراخ میں بیٹھ کر میرا دل بھی رقص کر رہا تھا۔ کسی انسان کو اتنی خوشیاں میرے ذریعے مل جائیں' میری زندگی کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ لعنت ہے چندر بھان پر' لعنت ہے اس پر کہ اس نے مجھے خوشیوں سے اتنی دور کر دیا ہے لیکن بہرطور کوئی نتیجہ نکلے گا۔ جس طرح ان لوگوں کی زندگی ٹھکانے لگ رہی ہے' میرے دن بھی پھر جائیں گے۔ دیکھوں گا چندر بھان' دیکھوں گا اشیش بھگونت بلکہ میں اب تجھے اشیش بھگونت کیوں کہوں؟ یہ تو احترام کا نام ہے' چندر بھان ایک دن ایسا ہو گا کہ میرے ہی ہاتھوں تیرا انت ہو گا۔ یہ سب میرے دل میں آرزو ہے۔ دیکھوں گا' دیکھوں گا تجھے۔ مختلف کیفیات کا شکار تھا۔ مولوی قدرت علی کے گھر میں خوشیاں اتر آئی تھیں۔ اندر چلے گئے تھے وہ اور اندر کا حال میں نہیں جان سکتا تھا۔ یہ حال جاننے کے لیے اندر جانا مناسب بھی نہیں تھا کیونکہ ان بیچاروں کو معلوم بھی نہیں تھا کہ ان کے ساتھ ساتھ ایک اور ہستی بھی ان کی خوشیوں میں شریک ہے۔

بہرحال میرا کام پورا ہو گیا تھا۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس طویل ترین زندگی کو گزارنے کے لیے کچھ تو چاہیے تھا اور چندر بھان جیسے شیطان سے جو کچھ حاصل ہوا تھا' اسے اس کے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنے کے بجائے اگر ایسے لوگوں کے لیے کچھ کیا جائے تو زندگی کا اس سے بہترین مصرف اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بات دل میں ٹھان لی اور اس سے دل کو جو سکون ملا' وہ ناقابل بیان تھا۔ اصولی طور پر تو اب مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا لیکن انسانی خوشیوں سے بہت دور نہیں ہوا تھا۔ اس گھر کی خوشیاں دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر میری وجہ سے ان کو تکلیف بھی نہیں تھی۔ اس لیے کچھ وقت یہاں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ بڑے اچھے مناظر دیکھنے کو مل رہے تھے۔ قدرت علی نے بچوں کے لیے خریداری کی تھی۔ بچے اچھے اچھے کپڑے پہننے لگے تھے۔ اچھا کھانا پکتا تھا۔ لوگ اب بھی مولوی صاحب سے جھاڑ پھونک کرانے آتے تھے۔ ایک دن ایسے ہی کچھ لوگ آئے تو مولوی صاحب نے کہا۔

دیکھو بھائیو۔ مجھے گنہگار مت کرو۔ نہ میں پیر ہوں' نہ فقیر' نہ درویش۔ مجھے کچھ نہیں آتا جاتا۔ بس تم لوگ آتے ہو تو اللہ کا نام لے کر پھونک دیتا ہوں اور اس سے دعا کرتا ہوں کہ معبود کریم بیمار کو شفا دے۔

تمہاری دعا میں ہی تو اثر ہے قدرت علی۔

ارے نہیں شفقت حسین بھائی۔ اللہ سب کی دعائیں سنتا ہے۔ میں تو بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی انسان ہی رہنے دو۔ اس طرح تم لوگ مجھے پیر' درویش اور فقیر بنائے دے رہے ہو۔ اس سے میرے ہی گناہوں میں اضافہ ہو گا۔ جو کچھ میں نہیں ہوں' اگر وہ ظاہر کرنے کی کوشش کروں تو اس سے اللہ بھی ناراض ہو گا۔ بلاوجہ میرے گناہوں میں اضافہ نہ کرو۔ تمہاری مہربانی ہو گی۔

مولوی صاحب نے بہرطور ان لوگوں کی خواہش پوری کر دی تھی۔ جھاڑ پھونک کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے لیکن مولوی صاحب کی بیوی حمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

قدرت علی اچانک ہی تمہاری زبان بدل گئی۔

کیا مطلب حمیدہ- میں سمجھا نہیں؟

اس سے پہلے تو تم بڑے الٹے سیدھے چکر چلاتے تھے- اپنے آپ کو کیا فقیر اور درویش ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے- اب اچانک ہی تم نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ تم پیر فقیر نہیں ہو-

قدرت علی کی آنکھوں میں آنسو آگئے- چند لمحات وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا' پھر بھرے ہوئے لہجے میں بولا-

حمیدہ کیسی باتیں کر رہی ہے تو- دل کی آگ کو نہیں جانتی- ارے معذور ہو گیا تھا میں- بتا اس سے پہلے کہیں ہیر پھیر کر کے ایک پیسہ بھی گناہ کا تجھے کھلایا- بول حمیدہ زندگی تیرے ساتھ گزری ہے- جواب دے مجھے- کہیں کوئی ایسا موقع آیا جب میں نے محنت کی کمائی کے علاوہ کوئی اور کمائی تجھے کھلائی ہو؟

چلو معاف کر دو' غلطی ہو گئی- میں تو ایسے ہی مذاق میں کہہ رہی تھی-

نہیں حمیدہ یہ مذاق بھی اچھا نہیں ہے- مجھے کیا خود احساس نہیں تھا- میں تو ہمیشہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہتا تھا اپنے مولا کریم سے-

بہرحال اچھا آدمی تھا اور مجھے بڑی مسرت تھی کہ میں اس عالم میں بھی اس کے کسی کام آسکا اور میری وجہ سے اسے یہ سب کچھ حاصل ہو گیا- بہرحال اب اس کے بعد یہاں رکنا مناسب نہیں تھا- میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج رات یہاں سے نکل جاؤں گا- دنیا بہت وسیع ہے- دیکھوں گا کہ میری دوسری منزل کون سی ہے لیکن میری دوسری منزل میرے اپنے بس میں نہیں تھی- ایک نئے کھیل کا آغاز ہو گیا اور یہ نیا کھیل اس وقت شروع ہوا جب ٹھیک ٹھاک دوپہر ہو رہی تھی- سورج آسمان کے عین درمیان تھا اور چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی- مولوی صاحب کے دروازے پر دستک ہوئی- حالانکہ سب لوگ اندر تھے اور دھوپ سے بچاؤ کا بندوبست کیے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود مولوی صاحب نے کسی کو نظرانداز نہیں کیا- مولوی صاحب کی بیگم نے دروازہ کھولا- میں بھی اپنی کمین گاہ سے باہر دیکھ رہا تھا لیکن آنے والے جو اندر آئے تھے' انہیں دیکھ کر میں بھی چونک پڑا اور ان کے آنے کا انداز ایسا تھا کہ مجھے بھی سنبھلنا پڑا- ان میں سب سے آگے وہ کالا ناگ تھا جس کا نام مونگا رام لیا گیا تھا اور جو اس دن راج موہن کی حویلی کے احاطے میں موجود تھا- جب برج موہن سانپ کے کاٹے کا شکار پڑا ہوا تھا اور یہ شخص تھالی بجا رہا تھا- اس کی آمد' خیر ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن جس انداز میں مولوی صاحب کی بیوی کو اندر دھکیل کر وہ آیا تھا' اس سے ذرا چونکا تھا- مولوی صاحب بھی بیساکھی ٹیکتے ہوئے باہر آگئے-

کون ہے حمیدہ' کون ہے' کیا بات ہے؟

حمیدہ کا منہ جو خوف و حیرت سے کھلا ہوا تھا' اسی طرح کھلا رہا- اس کے منہ سے آواز نہیں نکلی- وہ مونگا رام سپیرے کو دیکھ کر ہی دہشت زدہ ہو گئی تھی- مونگا رام کے پیچھے چار اور خطرناک سپیرے اندر داخل ہو گئے لیکن یہ بالکل اجنبی چہرے تھے یعنی ان باقی دو سپیروں میں سے بھی نہیں تھے جو اس دن تھالی بجا رہے تھے- کوئی دلچسپ ہی معاملہ شروع ہو گیا تھا-

سپیرے نے دروازہ بند کر دیا اور ان میں سے دو نے لمبے لمبے چھرے نکال لیے- یہ چھرے دیکھ کر تو مولوی صاحب کی بھی گھگی بندھ گئی اور ان کی بیوی تو بالکل ہی ساکت ہو گئی تھی- کوئی جرم ہونے جا رہا تھا- اب اس میں میرا کیا کردار ہونا چاہیے' اس وقت بڑی بے بسی محسوس کر رہا تھا میں- مولوی صاحب نے خود کو سنبھالا اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولے-

ارے بھائی کیا بات ہے؟ کون ہو تم لوگ؟ شکل و صورت سے تو سپیرے معلوم ہوتے ہو لیکن یہ چھرے' کوئی غلطی ہو گئی ہم سے بھیا؟ ہم تو بڑے بے ضرر لوگ ہیں- نہ کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ ......نہ...... مونگا رام آگے بڑھ آیا اور اس نے مولوی قدرت علی کو گھورتے ہوئے کہا-

بڑے مہاتما ہو مہاراج- بڑے مہان آتما ہو تم- پانی پڑھ کر چھینٹے مارتے ہو' شیش ناگ بلا لیتے ہو- بہت مہاتما ہو تم- چلو ہم نے بھی تمہیں مہاتما مان لیا مگر مہاتما جی ہمارا بھی ایک کام کر دو گے تو اسی میں تمہارا جیون ہے ورنہ تمہیں مرنا پڑے گا' اپنی نام آرزوؤں کے ساتھ جو تمہارے من میں چھپی ہوئی ہیں-

کام بتاؤ بھائی...... کام بتاؤ- ہم نے کب منع کیا ہے' اگر ہمارے بس میں ہوگا تو ضرور کر دیں گے-

پانی پڑھو اور چھینٹے مار کر شیش ناگ کو دوبارہ بلا دو۔

کک......کیا مطلب ہے تمہارا؟

میں سپیرا ہوں۔ مونگا نام ہے میرا اور مجھے شیش ناگ کی ضرورت ہے۔

مگر شیش ناگ ہمارا غلام تو نہیں ہے بھائی۔ وہ ......وہ تمہیں شاید یقین نہ آئے' ہم تو بالکل نہیں جانتے تھے کہ وہ آجائے گا۔ بس ہم نے تو دعا مانگی تھی کہ ہماری لاج رکھ لے ہمارے مولا اور ہمارے مولا نے ہماری لاج رکھ لی۔ ارے اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم شیش ناگ کیا سانپوں کا پورا قبیلہ تمہارے حوالے کر دیتے......

اچانک ہی ایک سپیرے نے کچھ کہا اور مونگا رام چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں ان کی گفتگو پر دھیان لگائے ہوئے تھا۔ مونگا رام نے کہا۔

تجھے یقین ہے دھرمو؟

ہاں مہاراج۔ کیا آپ دھرمو کو اتنا ہی کچا سمجھتے ہیں۔ آپ کا چیلا ہوں' آپ خود سونگھ لیجئے۔ بو آرہی ہے مجھے' باس آرہی ہے مجھے شیش ناگ مہاراج کی۔

مم مگر یہاں......کیا وہ یہاں رہتا ہے؟

مہاراج آپ خود غور کیجئے۔ اسے میں سنبھالے لیتا ہوں۔ سپیرے نے کہا اور مونگا رام ناک اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر سونگنے لگا۔ پھر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے کہا۔

تو ٹھیک کہتا ہے دھرمو' شیش ناگ مہاراج آس پاس ہی کہیں موجود ہیں۔ ہے شیش ناگ مہاراج جیون بھر تمہاری آرزو کرتا رہا ہوں۔ جیون بھر تمہیں حاصل کرنے کے خواب دیکھتا رہا ہوں۔ آج میرا یہ خواب پورا کر دو۔ آجاؤ' میرے سامنے آجاؤ۔

سس......سنو بھائی' کیا بات ہے؟ ہمارا کیا قصور ہے؟ ہمیں تو بتاؤ۔ مولوی قدرت علی نے کہا۔

دیکھ بڈھے چپ چاپ بیٹھ۔ اندر اور کون کون ہے؟'

میاں کوئی نہیں ہے۔ یہ ہماری اہلیہ ہیں۔ دو چار بچے ہیں اور بس۔ ہم تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میں تو ویسے بھی معذور آدمی ہوں۔ تم نے دیکھ لیا۔

جینا چاہتا ہے تو ادھر بیٹھا جا۔ خاموشی سے اس کونے میں ورنہ سب سے پہلے چھرے مار کر تجھے ختم کر دوں گا۔ اس کے بعد تیری بیوی اور بچوں کو۔

نہیں بھائی ہاتھ جوڑتے ہیں۔ یہاں ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے' تم لے جاؤ۔ بس ہمارے بیوی بچوں کو کوئی نقصان مت پہنچانا۔ ہم وہی کریں گے جو تم کہو گے۔

بس تو ادھر بیٹھ جا اور سن اندر سے ان لوگوں کو بھی بلا لے۔ اے عورت تو سن رہی ہے' جا اپنے بچوں کو بلا کر یہاں ہمارے سامنے بٹھا لے۔ خبردار کوئی کسی طرف سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ یہاں اگر سو آدمی بھی آگئے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ دیکھ ہمارے پاس یہ جو پٹارے ہیں ناں' ان میں سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے ہیں۔ اگر ہم نے یہ سانپ چھوڑ دیئے تو پوری بستی خالی ہو جائے گی' کیا سمجھی۔ مونگا رام غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں یہ تمام تماشہ گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور کچھ کچھ اندازہ مجھے ہوتا جا رہا تھا۔ مونگا رام سپیرا غالباً میرے ہی چکر میں یہاں آیا تھا۔ اس نے مجھے شیش ناگ کا نام دیا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی اور سنتھا کی بستی میں مجھے یہ علم ہوا تھا کہ شیش ناگ سپیروں کے لیے بڑی دلکشی کا حامل ہوتا ہے۔ بہرحال میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ خیر بیچارے مولوی صاحب کو جو تکلیف ہو رہی تھی' وہ اپنی جگہ تھی لیکن مونگا رام اپنی شامت خود بلا رہا تھا۔

اس کے ساتھ آئے ہوئے سپیرے ادھر ادھر پھیل گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو گئے تاکہ جب باہر سے کوئی آئے تو اسے بھگایا جا سکے۔ مونگا رام نے ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد اپنے کندھوں سے وہ جھولیاں اتار کر نیچے رکھ دیں جن میں نہ جانے کیا کیا الم بلائیں بھری ہوئی تھیں اور اس کے بعد اس نے ایک بین نکالی اور بین بجانے لگا۔ اس کے ساتھ باقی تین سپیروں نے بھی بین نکال کر بجانا شروع کر دی تھی اور بین کی مدھر آواز فضا میں گونجنے لگی۔ مونگارام شاید بہت اچھی بین بجاتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ بین بجانے سے وہ کیا حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اچانک ہی جب میرے ذہن پر کچھ عجیب سا دباؤ پڑنے لگا تو میں چونک گیا۔ میں نے حیرت سے سوچا کہ یہ بین مجھ پر اثرانداز ہو رہی ہے۔ ہاں ایسا ہی لگ رہا تھا لیکن لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہیے۔ اگر یہ بین میرے ہوش و حواس چھین لے گی تو مونگارام مجھے

آسانی سے گرفتار کر لے گا۔ نہیں یہ خطرناک بات ہوگی۔ میرے لیے ایک انتہائی
مشکل کا باعث۔ میں بھلا' میں بھلا کر سکوں گا اس سلسلے میں لیکن بین کی آواز میرے
حواس چھینے لے رہی تھی۔ بین مدھر آواز میں بج رہی تھی اور تمام سپیرے جھوم جھوم
کر بین بجا رہے تھے۔ اس آواز سے میرے حواس پر ایک نیند سی طاری ہوتی جا رہی
تھی۔ میں نے سوچا کہ فطری طور پر بہرطور میں سانپ جیسی سرشت ہی رکھتا ہوں اور
بین کی آواز میرے حواس کو متاثر کر رہی ہے۔ میرا دل چاہا کہ میں یہاں سے نکل کر
بھاگ جاؤں۔ ہاں ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اس وقت مجھے خطرہ پیش آگیا تھا۔ مونگا رام
میری تلاش میں آیا تھا اور یقینی طور پر وہ سانپ کی حیثیت سے مجھے گرفتار کر لے گا۔
میں نے جلدی سے اپنی جگہ چھوڑی اور درخت کے اس تنے سے اوپر نکل آیا۔ میں
آہستہ آہستہ درخت کی ان شاخوں تک پہنچنا چاہتا تھا جہاں سے دوسری شاخوں تک
پہنچا جا سکے اور اس کے بعد یہاں سے فرار کی کوشش میرے لیے مشکل نہیں ہوگی
لیکن بین کی آواز جیسے میرے حواس پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس
کے سحر میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا اور اس کے بعد میرے ہوش و حواس بالکل ہی معطل
ہونے لگے۔ میں درخت کی شاخوں میں دوسری جانب جانے کی بجائے آہستہ آہستہ
درخت کے تنے سے نیچے اتر آیا اور اس کے بعد مونگا رام کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
ہولے انگ انگ میں نشہ دوڑ رہا تھا۔ ایک ایسی عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہو رہی
تھی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی
تھیں۔ سر بے اختیار جھوم رہا تھا اور جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے بے جان ہو گیا ہو اور
اس میں زندگی کی رمق ہی باقی نہ رہی ہو۔ مونگا رام اور اس کے ساتھی بڑی خوف و
حیرت کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ مونگا رام بڑا مست ہو کر بین جا رہا تھا۔
رفتہ رفتہ میری تمام ذہنی قوتیں سو گئیں۔ میں نہ جانے کس عالم میں پہنچ گیا تھا۔

پھر بین بند ہو گئی اور اچانک ہی جب میرے ہوش و حواس جاگے تو میں نے اپنے
آپ کو ایک بڑی سی مضبوط پٹاری میں بند دیکھا تو میں گرفتار ہو گیا تھا۔ مونگارام
سپیرے نے مجھ پر قابو پا لیا' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

پٹاری اتنی تنگ تھی کہ میرے لیے جنبش کرنا بھی محال تھا۔ بس میں اس میں بری

طرح بھرا ہوا تھا لیکن مجھے اپنا جسم ہلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ
مونگا رام مجھے ساتھ لیے ہوئے سفر کر رہا ہے۔ میں کافی پریشان ہو گیا۔ ایک بار پھر
میرے دل میں چندر بھان کا خیال آیا۔ میں ان لوگوں کو نیست و نابود کر کے پھینک دیتا
لیکن چندر بھان نے میری قوتیں سلب کر لی تھیں اور میں اس تباہ حالی میں تھا۔ اس کی
تمام تر ذمہ داری چندر بھان پر ہی عاید ہوتی تھی۔ کیا کروں اب' کیا کروں لیکن کچھ
نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے وقت کا انتظار کرنے کے۔ چنانچہ بحالت مجبوری مونگا رام
کے شانوں پر سفر کرتا رہا۔ نہ جانے کمبخت مجھے کہاں لیے جا رہا ہے۔ پھر شاید ان
لوگوں نے کہیں قیام کیا۔ بہت سے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ یہ ایک دلچسپ بات
تھی کہ میری سماعت حد سے زیادہ تیز تھی۔ حالانکہ سانپ کے بارے میں روایت ہے
کہ اس کے کان نہیں ہوتے لیکن میں سانپ تھا ہی کب' میں تو انسان تھا اور انسان
بھی وہ جسے عجیب و غریب قوتیں حاصل تھیں۔ خیر اب ان قوتوں کو تو میں مذاق سمجھ
رہا تھا۔ میری اپنی کوشش اس پٹاری کا ڈھکن تک نہیں کھول سکتی تھی۔ اس طرح
میرے اندر طاقت نہیں رہی۔ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا' سوائے کیڑے مکوڑوں کی
طرح زمین پر رینگنے کے۔ ان حالات میں بھلا اپنے طور پر اپنے ہی تحفظ کے لیے کیا
بھی کیا جا سکتا تھا۔ میں دور دور تک کی آوازیں سن رہا تھا۔ پرندوں کے بولنے کی
آوازیں' جانوروں کے دھاڑنے کی آوازیں۔ غالباً مونگا رام کسی جنگل سے گزر رہا
تھا۔

پھر قیام کا احساس ہوا۔ یہ احساس صرف اس طرح ہوا تھا کہ مجھے نیچے رکھ دیا گیا
اور میرا جسم ساکت ہو گیا یعنی وہ جنبش جو ہلنے جلنے سے ہو رہی تھی' بند ہو گئی۔ میں
خاموشی سے دم سادھے پڑا رہا۔ کسی کی آواز سنائی دی۔

مہاراج مونگارام کی جے۔ اب ہمارے مونگارام مہاراج قبیلے کے سردار ہوں
گے۔

ہاں پاپی بھومارام' مجھے دو کوڑی کا سمجھتا تھا۔

بالکل مہاراج بالکل' حالانکہ آپ نے ایسے ایسے خطرناک سانپ پکڑے تھے
جنہیں بھومارام بھی نہیں پکڑ سکتا تھا۔

میرے مقابلے پر وہ ہے کیا...... اور کیا نہیں ہے میرے پاس۔ اس سنسار میں سوائے شیش ناگ کے۔ میرا شریر' میری عقل' میرا مان' میرا گیان سب کو نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ بھورام اپنی موت کے بعد سرداری اس پاپی کو دینا چاہتا تھا۔

کس کو مہاراج؟

اس سنگالی کو۔ سنگالی ابھی سے اپنے آپ کو مہاراج کہنے لگا تھا۔ ارے بڑے زخم ہیں میرے سینے میں۔ بڑے گھاؤ ہیں میرے من کے اندر۔ اب ایک ایک سے بدلہ لوں گا' ایک ایک سے۔

مگر مہاراج آپ کو پورا پورا وشواس ہے کہ یہ شیش ناگ ہی ہے؟

باؤلے کے بچے' میرے گیان کو للکار رہا ہے۔

ارے نہیں مہاراج نہیں۔ بھگوان کی سوگند' میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ میں تو بس اس لیے یہ بات پوچھ رہا تھا کہ آپ کو قبیلے کا سردار بننا ہے' شیش ناگ ہی ہے نا یہ؟

سو فیصد شیش ناگ ہے۔ تجھے اتنی سی بات نہیں معلوم کہ اگر اصلی سانپ مر جائے اور زہر کسی منش کے شریر میں اتر جائے تو دوسرا کوئی سانپ اس زہر کو نہیں چوس سکتا۔

ہاں مہاراج یہ بات تو مجھے معلوم ہے۔

لیکن شیش ناگ .... شیش ناگ تو ہر سانپ کا زہر چوس سکتا ہے کیونکہ وہ ناگوں کا راجہ ہوتا ہے۔ ناگ راجہ کو ہر طرح کی آسانی حاصل ہوتی ہے۔

یہ تو ہے۔

کہیں میں اس لیے اس چکر میں پڑ گیا کہ شیش ناگوں کو میرے قبضے میں آنا چاہیے۔ شیش ناگ نظر کب آتا ہے۔ پوری بستی میں تلاش کرتا پھرا تھا میں اسے اور اگر میرے ناگ میری مدد نہ کرتے اور میرا منتر کام نہ آتا تو میں کبھی اس مولوی کے گھر نہ پہنچ پاتا۔

ہاں مہاراج آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔

بڑی محنت سے پکڑا ہے میں نے اسے۔ سو تو ہے مہاراج۔

سو تو ہے کا بچہ۔ ابھی یہ پوچھ رہا تھا کہ یہ شیش ناگ ہے یا نہیں؟

نہیں مہاراج' اس کی وجہ کچھ ہے؟

کیا وجہ تھی' بول کیا وجہ تھی؟

مہاراج آپ جب قبیلے کے سردار بن جائیں گے تو کیا ہماری بات نہ بڑھ جائے گی۔ ہم تو آپ کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ پھر ہم بڑے فخر سے کہہ سکیں گے کہ ہم قبیلے کے سردار کے دوست ہیں۔

تو پھر......

اس لیے میں ذرا پریشانی سے پوچھ رہا تھا کہ بھگوان کرے یہ شیش ناگ ہی ہو۔

سن یہ شیش ناگ ہی ہے۔ سو فیصد شیش ناگ۔ اب میں اتنا کچا نہیں ہوں کہ اس کے بارے میں نہ جان سکوں۔

مہاراج مزے آگئے۔ اب تو جتنی جلدی ہو سکے' قبیلے میں پہنچ جانا چاہیے۔

پھر کیا کریں گے' کیا مہاراج؟

ہاں یہ بات کی ناں تو نے کام کی۔

تو پھر بتایئے ناں مہاراج۔ ہمیں ہمارا کام بھی تو سمجھا دیجئے۔

ہاں' ہاں سمجھاتا ہوں۔ سن شیش ناگ کو سب سے پہلے سنگارو میں بند کریں گے اور اس کے بعد میں اعلان کروں گا کہ میں نے شیش ناگ پکڑ لیا ہے اور اب قبیلے کی سرداری میرے حوالے کر دی جائے۔ اگر کوئی ایسا نہ کر پائے تو پھر اسے شیش ناگ پکڑ کر دکھانا ہوگا۔ بھورام سارا جیون قبیلے کا سردار رہا ہے' جانتے ہو کس لیے؟

کس لیے مہاراج؟

اس لیے کہ اس کا پتا سردار تھا۔ وہ سرداری اسے تحفے میں دے گیا' حالانکہ سرداری تحفے میں ملنے والی چیز نہیں ہے۔

سو تو ہے۔

پھر وہی سو تو ہے کا بچہ!

ارے ارے مہاراج۔ ہم تو آپ کی خوشی میں خوش ہیں۔

تو پھر سن۔ پہلے اسے سنگارو میں بند کریں گے۔ اس کے بعد اسے بڑے چبوترے پر لے جا کر رکھ دیں گے جہاں شیش ناگ کا بت بنا ہوا ہے۔ پھر ہم پکاریں گے

بھوماراج کو۔ بھوما راج آئیں گے' اول تو شیش ناگ دیکھ کر پہلے ہی ان کے مان مر جائیں گے اور اس کے بعد' اس کے بعد ان کی جو حالت ہوگی' وہ دیکھنے کے قابل ہوگی۔ تجھے پتہ نہیں ہے پاپی' میرے من میں کیا کیا آگ سلگ رہی ہے۔

اب آپ اپنی آگ اپنے من کے اندر ہی رہنے دیتے ہیں مہاراج تو ہم کیا کریں۔

ہم کیا کریں' اونہہ۔ تم لوگوں نے میرے لیے کیا ہی کیا ہے' بولو کبھی کچھ کیا ہے؟

ارے آپ نے ہم سے کبھی کوئی کام ہی نہیں لیا۔

ہاں کام تو لیا تھا' کہا تھا جاؤ شیش ناگ کو تلاش کرو۔ چھ دن تک مارے مارے پھرتے رہے اور آکر ہاتھ پھیلا دیئے۔

مہاراج یہ اتنا آسان کام تو نہیں تھا۔ شیش ناگ کو تو شیش ناگ ہی تلاش کر سکتا ہے۔ مونگا رام کے دوست نے مونگارام کو مکھن لگایا اور مونگا رام کو یہ بات پسند آئی۔ وہ ہنس پڑا۔

یہ بڑی بڑھیا بات کہی تو نے۔ ہاں شیش ناگ کو شیش ناگ ہی تلاش کر سکتا ہے۔ میں سب سے بڑا ناگ ہوں اور ناگوں کو میرے ہی قابو میں آنا چاہیے۔ ابھی تو میں نے شیش ناگ پکڑا ہے لیکن سردار بننے کے بعد میں سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ ناگ رانی کو پکڑوں گا اور اگر شیش ناگ اور ناگ رانی میرے قبضے میں آجائیں تو پھر سنسار میں کون ہے جو میرا مقابلہ کر سکے گا۔

میں وہیں بیٹھا رہا' شاید رات کا وقت تھا کیونکہ تاحد نگاہ سناٹا چھا گیا تھا۔ اب پرندوں کی آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں۔ ہاں کبھی کبھی شیر کی دھاڑ سنائی دے جاتی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ جس علاقے میں مونگارام نے قیام کیا ہے' وہاں جنگلوں میں شیر بھی موجود ہے لیکن ان لوگوں نے اپنے تحفظ کا بندوبست ضرور کر لیا ہوگا۔

پھر صبح کی روشنی ہوگئی۔ ایسی ہی آوازیں آرہی تھیں اور مدھم مدھم اجالا بھی اس پٹاری تک پہنچ رہا تھا جس میں مجھے بند کر دیا گیا تھا۔ غالباً وہ لوگ اپنی ضروریات زندگی سے فارغ ہو رہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے وہاں سے سفر شروع کر دیا۔ ایک بار پھر مجھے سفر کرنا پڑا۔ پورا دن یہ سفر ہوتا رہا تھا۔ دن میں کافی گرمی بھی لگی تھی

مجھے اس پٹاری میں لیکن اب ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو کر وقت گزارنا تھا اور دیکھنا تھا کہ تقدیر نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

پھر شاید مونگارام اپنے قبیلے میں پہنچ گیا۔ بے شمار لوگوں کے بات چیت کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جس وقت وہ قبیلے میں داخل ہوا' رات کا وقت تھا۔ پھر مجھے مونگارام کے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

تو پھر مہاراج ہمارے لیے کیا حکم ہے؟

ابھی کسی کو مت بتانا کہ تم لوگ آگئے ہو۔

ٹھیک ہے مہاراج لیکن آپ کہہ رہے تھے؟

ہاں ہاں تم چنتا مت کرو' اسے سنگارو میں بند کر لوں گا۔

تو پھر سنگارو کو ناگ راج کے چبوترے پر کب پہنچائیں گے؟

صبح کو جب روشنی پھوٹے گی تو سنگارو ناگ راج کے چبوترے پر ہوگا۔

یہ سنگارو ایک عجیب و غریب چوکور بکس تھا جو شیشے کا بنا ہوا تھا اور اس میں ایسے باریک باریک سوراخ کیے گئے تھے جس سے ہوا اور روشنی اندر آسکے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ مونگارام اپنے کام میں ماہر تھا اور اس نے مجھے اس چالاکی سے سنگارو میں منتقل کیا کہ میں خود بھی حیران رہ گیا۔ ایک چھوٹا سا خانہ کھلا تھا اور اس کے ساتھ ہی ٹوکری کا ڈھکن ہلکا سا ہٹا تھا۔ بس میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے پوری قوت سے پھن اٹھا کر دوڑنے کی کوشش کی اور مجھے راستہ مل گیا لیکن یہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ میرے لیے ہی بنایا گیا تھا تاکہ میں اس ڈبے میں داخل ہو جاؤں جو میرے لیے ترتیب دیا گیا ہے اور جیسے ہی میں اس ڈبے میں داخل ہوا' اس کا اگلا سرا پھر سے بند ہوگیا۔ میں نے بری طرح سے پھنکاریں ماریں لیکن ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مونگارام نے نہایت آسانی سے ڈبے کا مضبوط دروازہ اس طرح بند کر دیا کہ میری ساری کوششیں اسے کھولنے میں ناکام رہیں۔ تب مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ سنگارو ہے۔ اب مونگارام میرے سامنے کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ اس کے بھیانک چہرے پر مسکراہٹیں دوڑ رہی تھیں اور میں اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنس کر بولا۔

جے ہو مہاراج شیش ناگ کی۔ بڑی مشکل سے پکڑا ہے آپ کو لیکن مہاراج چنتا نہ کریں۔ ناگ رانی کو حاصل کرنا میرا کام ہے۔ آپ کی جوڑی بناؤں گا۔ یہ مونگارام کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ بس مہاراج مجھے اپنی پناہ میں رکھیں اور ہمیشہ میری سہائتا کریں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بے ایمان تیری سہائتا تو میں ایسی کروں گا کہ دیکھنے والے دیکھیں گے۔ بس ذرا موقع مل جائے۔ ویسے سنگارو نامی ایک چیز کا کچھ اور بھی معاملہ تھا کیونکہ یہ انتہائی عجیب و غریب تھی اور میں اس کی نوعیت کو نہیں جان سکا تھا۔ اس کے اندر میں بالکل مطمئن اور کسی قسم کی تکلیف کا شکار نہیں تھا بلکہ جو تکلیف میں نے اس پٹاری میں اٹھائی تھی' اس میں میرا انگ انگ دکھ گیا تھا۔ اس میں آکر ذرا کشادگی ملی تو میں نے اپنے بدن کو بہت سی انگڑائیاں دیں اور لہریں لینے لگا۔

رات کا وقت تھا اور میں نے اپنے آپ کو ایک جھونپڑی جیسی جگہ پر دیکھا تھا۔ گول قسم کی کشادہ جھونپڑی تھی جو یقینی طور پر مونگارام کا گھر ہی ہوگا۔ بہرحال اس نے اپنا کام مکمل کرلیا تھا اور اس کے بعد مونگارام اپنے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ وہ بھی ساری رات سویا نہیں تھا۔ مجھے بھی نیند نہیں آئی تھی۔ اس قید میں بڑی بے چینی ہو رہی تھی لیکن بالکل مجبور ہوگیا تھا۔ پھر مونگارام نے تیاریاں شروع کردیں۔ سفید لباس پہنا اور پوری طرح تیار ہوگیا۔ صبح ہونے والی تھی۔ بالآخر اس نے سنگارو اٹھایا اور اپنے جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ باہر مدھم مدھم اجالا پھیلا ہوا تھا۔ جھونپڑیوں میں خاموشی طاری تھی۔ چراغ بجھ چکے تھے۔ بستی نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مونگارام مناسب رفتار سے چلتا ہوا کسی خاص سمت جا رہا تھا اور میرا بدن سنگارو میں بل رہا تھا۔ بالآخر میں ایک وسیع و عریض میدان میں پہنچ گیا۔ یہ میدان بستی سے ملحق تھا اور شاید خاص طور پر بنایا گیا تھا۔ چاروں سمت درخت لگے ہوئے تھے۔ درختوں کے درمیان یہ سپاٹ اور صاف ستھرا میدان تھا جس کو آدھا عبور کرنے کے بعد ایک عظیم الشان سنگی چبوترہ نظر آرہا تھا۔ اس چبوترے پر اوپر تک جانے کے لیے تقریباً چوبیس سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیوں کے شروع ہوتے ہی دونوں سمت اونچے اونچے ستون ایستادہ تھے جو پتھر کی چٹانوں ہی سے تراشے گئے تھے۔ سیڑھیوں کی

تراش بھی اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ پہلے یہاں کوئی عظیم الشان پہاڑی سلسلہ ہوگا اور اس میں یہ سیڑھیاں تراش دی گئی ہیں۔ اس کے بعد وسیع چبوترے کا آغاز ہوتا تھا اور اس چبوترے کا اختتام ایک بہت بڑے چٹانی سلسلے پر جاکر ہوتا تھا۔ سیاہ رنگ کے اس چٹانی سلسلے کے عین سامنے سانپ کا ایک بہت بڑا مجسمہ تراشا گیا تھا جو بے پناہ بلند و بالا تھا۔ سانپ کا چوڑا پھن ایک چٹان کی شکل میں سائبان کی طرح پھیلا ہوا تھا اور اس کا سڈول جسم نیچے آکر کنڈلی کی شکل اختیار کرگیا تھا۔ اس کنڈلی کا دائرہ بھی بے حد وسیع تھا۔ چبوترے کے اس حصے پر جہاں سانپ موجود تھا' چھ آدمی گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے' غالباً بیٹھے بیٹھے نیند میں ڈوب گئے تھے۔ مونگارام کے قدموں کی چاپ پر بھی انہوں نے گردنیں نہیں اٹھائی تھیں۔ مونگارام آہستہ آہستہ چلتا ہوا سانپ کے مجسمے کے قریب پہنچا۔ سنگارو کو اس کنڈلی کے درمیان رکھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر گردن جھکا دی۔ چند لمحات وہ اسی طرح بیٹھا رہا اور اس کے بعد رخ بدل کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے اپنا ہاتھ سنگارو پر رکھا ہوا تھا۔ وہ کسی پتھر کے بت کی مانند ہی ساکت ہوگیا تھا اور اجالا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ تب وہ چھ افراد جاگ گئے۔ انہوں نے انگڑائیاں لیں۔ چہروں پر ہاتھ پھیرے' ابھی تک ان کی نگاہیں مونگارام کی جانب نہیں اٹھی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے عقب میں غائب ہوگئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد دوبارہ نمودار ہوئے اور اب انہوں نے مونگارام کی صورت دیکھی تھی۔ سارے کے سارے اچھل پڑے اور تیزی سے چلتے ہوئے مونگارام کے پاس آگئے۔

ارے مونگارام مہاراج! آپ واپس آگئے اور یہ یہ ..... یہ کیا ہے؟

سپیروں کی اولاد ہو' آنکھیں نہیں ہیں تمہاری۔ دیکھ نہیں سکتے کہ یہ کیا ہے؟

کک..... کیا ہے مہاراج؟ انہوں نے جھک کر سنگارو میں جھانکا اور دوسرے لمحے وہ کئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے منہ سے حیرت ناک آوازیں نکلی تھیں۔ شش ..... شش ..... شیش ناگ۔ یہ شیش ناگ ہے۔ ناگ دیوتا کی سوگند' یہ شیش ناگ ہی ہے۔ وہ سب جھک جھک کر مجھے دیکھنے لگے اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر انہوں نے بھی اسی طرح ہاتھ جوڑ دیئے تھے جس طرح مونگارام نے پتھر کے مجسمے کے

سامنے جوڑے تھے۔ پھر وہ سب کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے مونگارام کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے' بستی کی طرف سے بے شمار آدمی آتے ہوئے نظر آئے تھے۔ ان کا رخ اسی چبوترے کی جانب تھا۔ سارے کے سارے انہی مخصوص لباسوں میں تھے۔ ان میں عورتیں' بچے' بوڑھے سب ہی تھے۔ وہ بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ سنگی چبوترے پر پہنچ گئے اور وہ چھ آدمی جو درحقیقت ناگ دیوتا کے پجاری تھے' ان کے سامنے قطار باندھ کر آکھڑے ہوئے۔ انہوں نے چند لمحات کی خاموشی اختیار کی تھی اور پھر ان کے منہ سے آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف کرکے کوئی بھجن گا رہے تھے اور ان کے ساتھ آنے والے بے شمار افراد بھی اس بھجن کی گائیکی میں شریک ہو گئے۔ غالباً وہ عبادت کر رہے تھے لیکن مونگارام ان کے درمیان نہیں پہنچا تھا۔ وہ بدستور سنگارو کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ کافی مغرور آدمی معلوم ہوتا تھا وہ اور اس عبادت میں اس نے حصہ نہیں لیا تھا۔ پھر یہ بھجن ختم ہو گیا اور اس کے بعد پجاریوں نے جو اب تک اپنے آپ کو بمشکل تمام سنبھالے ہوئے تھے' آگے بڑھ کر مونگارام کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

مونگا رام کی پوجا ہونے لگی۔ وہ سب اس طرف متوجہ ہوئے تو میں موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ اب ان لوگوں کے ساتھ رہنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ ویسے بھی مونگا رام کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ بہت دنوں تک میں مارا مارا پھرتا رہا پھر ایک دن پہاڑوں میں مجھے گرو بھگونت مل گیا۔ مجھے اس کے نرم رویے پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ میں آگے بڑھ کر اس کے چرنوں سے لپٹ گیا تو اس نے کہا۔

"تو سوچ رہا ہو گا کہ تو نے مجھے تلاش کر لیا ہے جبکہ بات کچھ اور ہی ہے۔"

"بات کچھ بھی ہو بھگونت پر مجھے میری جیون واپس دیدو۔"

"تاکہ تو مجھے ہی ڈسے۔ کتنی محنت کی ہے میں نے تجھ پر—— خیر—— اب تجھے ایک کام کرنا ہے میرا—— پرشوتما میری شاگرد ہے۔ سنگل پور کی رانی اور اسے ایک راجہ کی ضرورت ہے۔ غور کر لے وہ بھی خون پینے والے قبیلے کی فرد ہے اور خون کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگر تجھے سنگل پور کا راجہ بنا منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ——

میری منظوری پر بھگونت نے مجھے میرا شریر دے دیا اور میں اپنی اصل شکل میں آگیا۔

پرشوتما سے تو خیر مجھے کیا دلچسپی ہوتی لیکن خون پینے والوں کی ریاست سنگل پور کا راجہ بن کر میں نے بڑا اچھا وقت گزارا۔ یہیں میری دوستی موہن اور راموسے ہوئی اور ہم گہرے دوست بن گئے۔ ریاست کے سارے خزانے ہمارے قبضے میں تھے اور میں راجہ بلبیر سنگھ کے نام سے حکومت کر رہا تھا۔ پوری ریاست ایک دوسرے کے خون میں مست تھی۔ بہت دن میں نے پرشوتما کے ساتھ گزارے اور پھر میرا دل اس سے بھر گیا تو میں نے دوسرے جہاں تلاش کر لئے—— کمینی پرشوتما—— منحوس چھپکلی۔

یہاں ڈائری کی کہانی ختم ہو گئی۔ راؤ حیدر شاہ نے صابر شاہ سے کہا۔ "اس منحوس ڈائری کو وہیں محفوظ کر دو جہاں سے تم نے اسے اٹھایا تھا—— ورنہ یہ ہمارے لئے تباہی کا باعث بنے گی۔"

اور چھوٹے سرکار پھر وقت آگے بڑھ گیا۔ حیدر شاہ کے بعد صابر شاہ' غلام شاہ اور اب آپ' آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ ہم آپ کے کتنے پرانے خادم ہیں۔

رامو کی کہانی نے مجھے اس طرح اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا کہ میں ماحول ہی کو بھول گیا تھا۔ مجھے اپنے اطراف میں بلائیں رقص کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کہانی میں اس طرح کھو گیا تھا میں جیسے یہ سب کچھ میرے سامنے ہی پیش آیا ہو۔ ایک ایک منظر فلم کی متحرک تصویروں کی طرح میرے سامنے آیا تھا اور میں خود کو اس کہانی کا کردار سمجھنے لگا تھا۔ میں نے رامو سے کہا:۔

رامو...... تم مجھے موہن کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟

ہاں کیوں نہیں ...... میں تمہیں موہن کے بارے میں ضرور بتاؤں گا۔ اور اس الماری کے بارے میں بھی جس سے ڈر کر تم پیچھے ہٹے تھے۔

"ہاں کیوں نہیں —— سنگل پور کے راجہ بلبیر سنگھ نے پرشوتما کا سارا خزانہ یہاں کے شمشان گھاٹ میں دفن کرا دیا تھا۔ بعد میں حیدر شاہ کو اس خزانے کا علم ہو گیا اور وہ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کیلئے انہوں نے موہن کی مدد حاصل کی تھی۔ وہ یہ بات بالکل نہیں جانتے تھے کہ موہن بھی خون پینے والے قبیلے کا فرد ہے اور صدیوں سے خون پیتا آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹے سرکار —— پرشوتما آج بھی اس حویلی میں آتی ہے۔ کیا آپ اسے دیکھنا چاہیں ہے۔"

"کب —— کہاں —— میں نے بے اختیار پوچھا اور رامو کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں کچھ دیر عجیب سے احساسات کا شکار رہا —— پھر میں نے کہا ——"

تو اس طرح تم نے موہن کے ذریعے میرے خاندان کو بھی امر بنانے کے لیے سوچا؟ میں نے رامو کی کہانی کا تسلسل توڑ دیا اور رامو نے مجھے یوں گھورا جیسے کچا ہی چبا جانا چاہتا ہو۔ پھر اس نے غصیلے انداز میں کہا۔

میری یا موہن کی کیا بساط کہ کسی کو امر بنانے کے بارے میں سوچ سکیں جنہیں خود کسی سے زندگی ملے' وہ بھلا دوسروں کو کیا امر بنائیں گے؟

میں سمجھا نہیں۔

تمہارے سمجھنے کی بات بھی نہیں ہے چھوٹے سرکار...... امر بن جانے کے بعد اس سوال کی گنجائش نہیں رہے گی اور نہ ہی آپ کوئی سوال ہم سے کر سکیں گے۔ رامو کے خاموش ہونے کے بعد میرے اطراف میں گردش کرتی ہوئی سفید کپڑوں میں ملبوس بے سروالی رقاصہ کو دیکھا اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ اس الماری کی جانب بڑھ رہی ہے اور تنہا نہیں ہے۔ پھر وہ جب الماری کی طرف پہنچی تو رامو نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا اور بولا۔

کیا تم یہ آہٹیں سن رہے ہو؟ میں نے چونک کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ پرسکون خاموشی میں اپنے ہی سانسوں کی بازگشت اور دل کی تیز دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔

نہیں...... میں کچھ نہیں سن رہا ہوں۔ میں نے کہا اور رامو اور قریب آ گیا۔

کوشش کرو۔ وہ بولا لیکن مجھے کچھ سنائی نہیں دیا۔ رامو میرے بہت قریب آ گیا تھا اور میں چاہنے کے باوجود پیچھے نہ ہٹ سکا۔ پھر اچانک ہی اس کے دونوں ہاتھ باہر آئے اور اس نے مجھے دبوچ لیا۔ دوسرے لمحے اس کا چہرہ میری گردن پر جھکا اور میری گردن پر سوزش ہونے لگی۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں زبان سے کوئی لفظ ادا نہ کر سکا۔ پھر میرے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے لگے اور مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا ہو۔ قوت مدافعت تو پہلے ہی ختم ہو چکی تھی' آنکھیں بھی کھلی ہونے کے باوجود اپنی بینائی کھوتی جا رہی تھی اور ذہن تاریکی میں ڈوب رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد رامو مجھ سے الگ ہو گیا۔ اب میں صرف اسے دیکھ سکتا تھا' اس نے مجھے فرش پر لٹایا۔ اس کی حرکات سے پتا چل رہا تھا کہ اس کے جسم پر خوف طاری ہے۔ ایک لمحے کے بعد وہ بھی میرے قریب فرش پر لیٹ گیا اور کچھ دیر اسی

طرح گزر گئی۔ پھر اچانک ہی میں نے رامو کی اذیت ناک چیخ سنی اور نجانے کس طرح میں نے اپنے جسم کو جنبش دے کر رامو کو بغور دیکھا اور جو کچھ میں نے دیکھا' اسے دیکھ کر میرے وجود میں لرزشیں پیدا ہو گئیں۔ رامو کی گردن پر چھپکلی چمٹی ہوئی تھی اور رامو کی آنکھوں کی چمک ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے زیادہ دیکھنے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی۔ البتہ دل میں ایک عجیب سی خواہش پیدا ہو گئی تھی اور یہ خواہش تھی کہ میں رامو کے جسم سے اس چھپکلی کو ہٹا کر خود اس کا خون پی جاؤں لیکن جسمانی کمزوری کی وجہ سے میں ایسا نہیں کر سکا تھا۔ پھر مجھ پر بھی غنودگی طاری ہو گئی۔ نجانے کتنا وقت گزر گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو بدن کی تھکن ختم ہو چکی تھی اور میں اٹھ سکتا تھا۔ ایک عجیب سی سرسراہٹ میں اپنے ہونٹوں پر محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے ہونٹ خشک ہو کر سوکھ گئے ہوں۔ بہرحال میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گزرے ہوئے لمحات مجھے یاد آئے اور میں نے رامو کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کیونکہ اب میرے قریب رامو کے بجائے کسی لڑکی کا جسم تھا۔ ایک نوجوان اور حسین لڑکی جو شاید بے ہوش تھی۔ نجانے کیوں میری نگاہ اس کی گردن پر جم گئی۔ اس کی گردن پر دانتوں کے دو سرخ نشان تھے۔ میرے ہونٹوں پر بے اختیار سوزش ہونے لگی اور میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اس کی گردن کے زخم پر اپنی زبان رکھی تو ایک لمحے میں مجھے احساس ہو گیا کہ لڑکی کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے ہی کوئی اس کا سارا خون پی چکا تھا۔ بہرحال میں وہاں سے پیچھے ہٹ گیا۔ میری نگاہوں کے سامنے اب الماریاں تھیں اور میں ان الماریوں کا راز جان لینے کی خواہش دل میں رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے الماری کا ہینڈل پکڑ کر اسے کھینچا۔ یہ وہی الماری تھی جس سے خوف کھا کر رامو پیچھے ہٹا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جو کچھ بھی ہے' اسی الماری میں ہے لیکن ابھی الماری کا پٹ پوری طرح کھل بھی نہیں سکا تھا کہ کوئی شے تیزی سے سرسراتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔ میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور اسے اپنے بدن سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن نظر نہ آنے والی شے مجھے اپنی گرفت میں لیتی چلی گئی۔ الماری کے ہینڈل پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد میں

نے زور لگایا۔ الماری کھل گئی تھی اور اس میں رکھے ہوئے مخمل کے ایک سرخ ڈبے سے ایک سنہرا تاج ہاتھ لگا تھا جس کے سامنے کے سرے پر ایک چمکدار ہیرا جگمگ رہا تھا لیکن اس سے بھی حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے قریب ہی ڈائری کھلی ہوئی رکھی تھی۔ انتہائی تکلیف کے باوجود ڈائری میں نے ہاتھ بڑھا کر اٹھا لی۔ پھر اس سے قبل کہ میں اس خوبصورت تاج کو اپنے قابو میں کرتا' کسی انجانی قوت نے مجھے دھکیل کر فرش پر پٹخ دیا اور میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا۔ نظر نہ آنے والی شے میرے بدن سے علیحدہ ہو گئی اور اب میں رامو کے علاوہ چند اور افراد کو بھی دیکھ رہا تھا جو اس وقت کمرے میں کھڑے ہوئے تھے اور ایک جسم کو گھور رہے تھے۔ یہ جسم اس لڑکی کا بالکل نہیں تھا جسے میں نے رامو کی جگہ پڑے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ اس کی شہ رگ پر ہونٹ رکھ کر اس کے جسم کے خون سے اپنی پیاس بجھا لوں۔ اس وقت جو جسم ان کے سامنے تھا' وہ کسی مرد کا تھا۔ اس جسم کی گردن بری طرح ادھڑی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی بھیڑیئے نے اس گردن کو چبا ڈالا ہو۔ کچھ دیر اسی عالم میں گزر گئی۔ پھر میں نے اچانک ہی رامو کو دیکھا جو میری جانب بڑھ رہا تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور میرے ہاتھ اپنی گردن کی طرف اٹھ گئے۔ رامو آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے قدموں کی دھمک اپنے ذہن پر محسوس کر رہا تھا۔ ......رامو میرے سر پر پہنچ گیا اور اس کے سمجھنے میں بھی دیر نہ لگی اور ایک ہی جھٹکے سے اس نے میری گردن پر رکھے ہوئے دونوں ہاتھوں کو الگ کیا اور پھر رہی سہی ساری کسر پوری ہو گئی۔ میرا تاریکیوں میں ڈوبنے والا ذہن بالکل ہی گم ہو گیا اور نہ جانے کب تک مجھ پر یہ کیفیت سوار رہی۔ پھر اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے زلزلے کے جھٹکے لگ رہے ہوں۔ میں ہوش میں تھا لیکن میری آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ نجانے کتنی دیر تک میں زمین پر پڑا اسی طرح ہلتا رہا۔ رفتہ رفتہ کیفیت بحال ہوئی تو میں نے آنکھیں کھول دیں اور پھر اس جگہ کا جائزہ لیا۔ کچھ ہی لمحوں میں اندازہ ہو گیا کہ میں حویلی کے ہال کے کمرے میں پڑا ہوا ہوں۔ گول میز کے گرد بچھی ہوئی کرسیوں پر بہت سے افراد بیٹھے ہیں۔ کچھ ایسی بھنبھناہٹ کی آواز ابھر رہی تھی جیسے وہ لوگ باتیں کر رہے ہوں۔ جن لوگوں کے چہرے میرے

سامنے تھے' ان میں سے ہی کو پہچان سکا تھا میں۔ اس کے دائیں سمت ایک خوبصورت سی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سارے کے سارے سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ میری نگاہیں ان پر جم گئیں اور میں نے دیکھا کہ خوبصورت عورت کے ہونٹ کچھ کہنے کے انداز میں ہل رہے ہیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ بول رہی ہو اور باقی لوگ خاموشی سے اسے سن رہے ہوں۔ بہرحال دیر تک میں ان کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ اندازہ تو مجھے ہو گیا تھا کہ میں خون آشاموں کے چنگل میں پھنس گیا ہوں اور یہ دیسی ڈریکولا مجھے بھی خون پینے کی عادت ڈال کر مجھے بھی امر کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ میں نے اپنے بدن کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن آدھا بدن اٹھا تھا کہ میں دوبارہ فرش پر جاگرا۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی ان دیکھی قوت مجھ سے ٹکرائی ہو اور مجھے دھکیل دیا ہو۔ سر میں شدید چوٹ آئی تھی اور میں نے برداشت کر لی اور اس وقت جب میں دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو ادھر بیٹھے ہوئے لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے اور جن لوگوں کی پشت میری طرف تھی' جب انہوں نے گردنیں گھمائیں تو میں اپنی اس چیخ کو برداشت نہیں کر سکا۔ میں نے انہیں پہچان لیا تھا۔ یہ تینوں افراد میرے بھائی تھے۔ ہاں ..... میرے گمشدہ بھائی ......جن کی موت میرا دل تسلیم نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت کے ان کے چہرے بڑے عجیب تھے۔ ان کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ چہرے ڈراؤنے اور ستے ہوئے تھے اور وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میری آواز بند ہو گئی تھی' بدن ساکت تھا۔ اس حیرت ناک منظر نے مجھ سے میرے ہوش چھین لیے تھے۔ کچھ لمحے ماحول پر سکوت رہا تو وہ خوبصورت عورت اٹھ کر میری جانب چل پڑی لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہوا میں چل رہی ہو۔ قدم نہیں اٹھا رہی تھی' بس تیرتی ہوئی میرے پاس آ رہی تھی اور کچھ لمحے کے بعد میرے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔

اٹھو.....اب تمہیں اٹھنے سے کوئی طاقت نہیں روک سکے گی۔ اس کی سریلی آواز نے میری سوچ کے تسلسل کو توڑ دیا۔ وہ بے حد پرکشش عورت تھی اور میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

آؤ.....اس نے اپنے سفید لبادے سے اپنے خوبصورت ہاتھ باہر نکالے اور مجھے

سہارا دینے کے لیے بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھوں کے سہارے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عورت مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

تم اب تک میری پہنچ سے باہر رہے ہو' اس کی کیا وجہ ہے؟

میں نہیں سمجھا۔

تم یہ مت سمجھنا کہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو۔ میں خود نہیں چاہتی کہ تمہیں امر بناؤں۔

کیوں نہیں چاہتی تم......؟ میری آواز نکلی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی' اس کے بعد بولی......

اس لیے کہ تم ......تم میرے پتی ہو...... سمجھے ......میرے پتی ہو تم مگر اس شخص نے میری چاہت کا خیال کیے بغیر مجھے مار دیا۔ میرا سر چکرا گیا تھا۔ نجانے کس طرح میری زبان سے نکلا۔

لیکن تم تو زندہ ہو۔

نہیں ......یہ جیون' جیون نہیں ہے۔ تم نہیں سمجھ رہے۔ بڑا فرق ہے اس جیون میں۔

مجھے سمجھاؤ۔

نہیں سمجھ سکتے تم.....کس طرح نہیں سمجھ سکتے۔

کیوں.....؟

اس لیے کہ جس روپ میں ہم جی رہے ہیں' اس کے بعد ہم کبھی نہیں مریں گے اور نہ ہی کوئی اور جنم لے سکیں گے۔ تمہیں شاید اپنی کہانی یاد نہ ہو۔ میں تمہیں سناؤں......

○

راجہ بلیر سنگھ دراصل ہماری ریاست کے دیوان کا لڑکا تھا اور اپنے چار بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے چھوٹا۔ ادھر میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ پتا جی کے مرنے کے بعد ریاست کے بڑوں نے میری تاج پوشی کی لیکن میں نے ہر مخالفت

کے باوجود بلیر سے شادی کر کے اسے راجہ بنا دیا۔ سمجھ رہے ہو ناں تم؟

شاید...... نہیں سمجھ رہا تو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن تم نے ایسا کیوں کیا؟

ہاں...... ٹھیک سوال ہے۔ وہ بولی اور اس نے اپنا لبادہ گردن کے پاس سے ہٹا دیا۔ میں نے دیکھا اس کی خوبصورت صراحی دار گردن پر جوڑ کا نشان ہے۔ نرخرے سے ذرا نیچے ایسا لگتا تھا جیسے اس کی گردن دوبارہ اس کے بدن سے جوڑی گئی ہو۔ وہ کہنے لگی۔

میں اسے چاہتی تھی بچپن سے ہی۔ وہ مجھے اچھا لگتا تھا۔ جب بھی وہ اپنے باپ کے ساتھ محل میں آتا' میں گھنٹوں اسے اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرتی۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ میری محبت بڑھتی چلی گئی۔ وہ بھی مجھے بے پناہ چاہتا تھا لیکن جب میں نے اسے راجہ بنایا تو اچانک ہی اس کی چاہت ختم ہو گئی اور وہ اس خوف کا شکار ہو گیا کہ میں جب بھی چاہوں گی' اس سے اس کا یہ رتبہ چھین لوں گی اور پھر اس نے ایک رات ....ایک رات مجھے ختم کر دیا ...... مجھے ...... ختم کر دیا۔ مجھے ...... سمجھے تم؟

لیکن میں بلیر نہیں ہوں۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

یہ بات میں جانتی ہوں لیکن تم بھی یہ سن لو کہ اگر بلیر کی طرح تم نے بھی مجھ سے بے وفائی کرنے کی کوشش کی تو تمہارا حشر بھی تمہارے بھائیوں سے مختلف نہیں ہوگا۔ میں ہر بات جانتی ہوں۔ تمہارے دل کا حال تمہاری آنکھوں میں جھانک کر پڑھ سکتی ہوں۔ سمجھے.....

بے شک تم میرے دل کا حال جان سکتی ہو مگر تم مجھے ایک بات بتاؤ کہ اس وقت تم نے بلیر کے دل کا حال کیوں نہ جانا جب اس نے تمہیں ریاست کے لالچ میں ختم کر دیا تھا۔

اس وقت مجھے یہ روپ نہیں ملا تھا۔ اگر میں اتنا جانتی تو کم از کم بلیر سنگھ کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتی تھی۔ مجھے اس پر بھرپور اعتماد تھا۔

تو اب مجھ سے کیا چاہتی ہو.......؟

بھرپور چاہت۔ تمہاری ہر سانس صرف میرے لیے ہو اور اگر ہو گیا تو تم یہ سمجھ لو کہ سنسار کے سارے راز تم پر کھل جائیں گے۔ تم اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت

ترین انسان سمجھو گے۔

لیکن آخر کیسے......؟

اس طرح جیسے رات کے بعد دن آتا ہے۔

تم مجھ سے بھرپور چاہت کی تمنا رکھتی ہو؟

ہاں۔

حالانکہ تم جانتی ہو کہ میں اس دنیا کا عام سا آدمی ہوں اور کسی فریب میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کے نتائج پر غور کرنا میری فطرت کا حصہ ہے۔

مگر میں تمہیں امر بنا کر پریم نہیں کر سکتی تم سے۔

اب کس طرح کر رہی ہو؟

اس طرح میں تمہیں چھو سکتی ہوں۔ قریب آ سکتی ہوں اور اس وقت ہم میں شاید کوئی بھی ایسا نہیں جس نے ایک دوسرے کا خون نہ پیا ہو۔ نجانے کس کس کے جسم میں میرا خون موجود ہے۔ ممکن ہے تم بھی میرا خون پی لو اور جب بھی ایسا ہوگا' یقین کرو یہ سارا طلسم ختم ہو جائے گا۔ وہ افسردگی سے خاموش ہو گئی۔

کس طرح.....؟ میں نے اس کی آنکھوں میں معدوم ہوتی چمک کو دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

تم میرے پتی ہو نا؟

ممکن ہے...... لیکن کئی بار میرے بدن سے خون پیا جا چکا ہے۔ کیا اس طرح وہ خون تمہاری رگوں میں نہیں پہنچ گیا ہوگا؟

نہیں...... مگر تمہیں ایک بات بتاؤں۔ تم غلط سمجھ رہے ہو کہ تمہارے بدن کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور یہ مت سمجھ لینا کہ تمہیں امر بنایا جا سکتا ہے۔

کیوں.....؟

اس لیے کہ میں نے تمہاری حفاظت کی ہے۔

تم نے۔

ہاں.....اس نے کہا اور میں اپنے چکراتے ہوئے ذہن سے اسے دیکھنے لگا اور برے دل میں خیال آیا اور میں نے کہا۔

اچھا ایک بات بتاؤ۔

پوچھو۔

راجہ بلیر کے بڑے بھائیوں اور بہنوں کا کیا بنا......؟

تینوں بھائیوں کے بھڑکانے کی وجہ سے بلیر نے مجھ سے بے وفائی کی لیکن تینوں روپوش ہو گئے۔ پر مجھ سے بچ کر کہاں جاتے......میں نے انہیں تلاش کر ہی لیا۔ ادھر دیکھو......اس نے گول میز کی جانب اشارہ کیا اور میں نے گھوم کر دیکھا......وہ میرے تینوں بھائیوں کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ میں نے حیرت سے کہا۔

یہ ......یہ مگر یہ تو میرے بھائی ہیں۔

تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو......کیا تم انکار کر سکتے ہو کہ تم بلیر نہیں ہو؟ اس سے پہلے بھی تم مجھے ملے ہو' جب میں کماری پرشوتی تھی اور تم گرو بھگونت کے چیلے وکرم داس پیاسن' یاد ہے تمہیں؟ یہ الگ بات ہے کہ تم نے اگلے جنم میں صرف نام بدل لیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی اور شاید وہ الفاظ میرے منہ سے نہیں نکلے تھے بلکہ کسی پراسرار قوت نے مجھ سے یہ الفاظ کہلوائے تھے۔

ہاں......میں بلیر ہوں اور تمہیں اس جنم میں دھوکا نہیں دوں گا۔

اب تم مجھے دھوکا دے بھی نہیں سکتے کیونکہ اب مجھے امر شکتی حاصل ہو گئی ہے۔ میں تمہارے ہر جذبے کو پڑھ سکتی ہوں۔ آؤ......میرے نزدیک آجاؤ۔ اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے اور مین آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ بولی۔

میری بانہوں میں سمٹ کر یہ ثابت کر دو کہ تم مجھے کتنا چاہتے ہو۔ وہ نجانے کتنی دیر تک میرے سینے سے لگی کھڑی رہی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی ربڑ کے مجسمے سے لگا کھڑا ہوں کیونکہ اس کے سینے سے سانس لینے کی آواز مجھ تک آ رہی تھی اور نہ ہی اس نے کسی قسم کی حرکت کی تھی۔ پھر اس کی کیفیت اس وقت ختم ہو گئی جب کہیں دور سے بیل گاڑی کی گھنٹیوں کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ ایک دم مجھ سے علیحدہ ہو گئی اور اس بات کی پروا کیے بغیر کہ میں زمین پر گر گیا ہوں' وہ میز کے

قریب جا کر موہن سے کچھ کہنے لگی۔ موہن اپنی جگہ سے اٹھا اور بے آواز چلتا ہوا ہال کے بڑے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے دروازے سے دوسری طرف دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ سورج طلوع ہو چکا ہے اور شام کے سائے تیزی سے گہری تاریکی میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ دروازہ بند ہو گیا' میں نے دوبارہ میز کی طرف دیکھا لیکن اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا لیکن میز پر رکھا لیمپ اب روشن نظر آ رہا تھا۔ سب کچھ ویران ہو گیا تھا اور اس سے پہلے کے سارے منظر نگاہوں سے معدوم ہو گئے تھے۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کیا تھا......؟ آہ کاش ......میں سمجھ سکتا۔

○

ایک پیاس .....ایک شدت کی پیاس میرے سارے وجود میں دوڑ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں صدیوں سے پیاسا ہوں۔ صدیوں کی یہ پیاس نجانے میرے ذہن میں کیسے کیسے خیالات پیدا کرتی رہی۔ پھر اچانک ہی خوبصورت عورت میرے قریب آگئی مگر اس وقت اس کے چہرے پر وہ نکھار نہیں تھا جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ وہ میرے قریب پہنچ کر مجھے دیکھنے لگی اور پھر آہستہ سے بولی۔

تمہیں پیاس لگی ہے ..... نجانے کیوں مجھے اس کی آواز میں وہ خوبصورتی محسوس نہ ہوئی جو اس سے قبل تھی۔

ہاں۔

اٹھو.....وہ بولی اور ایک بار پھر مجھے سہارا دے کر اپنے ساتھ لے کر چل پڑی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم برآمدے میں کھڑے تھے۔

حویلی کا آہنی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کسی بیل گاڑی کے پہیوں کی چرچراہٹ کے ساتھ ہی گھنٹیوں کی آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی مجھے قریب ہی سنائی دے رہی تھی۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ گیٹ سے ایک بیل گاڑی اندر داخل ہوئی۔ اسے ایک مضبوط اور توانا نوجوان چلا رہا تھا۔ بیل گاڑی کے دوسرے سرے پر موہن بیٹھا ہوا تھا اور صاحبان کے پیچھے سے ایک خوبصورت لڑکی کی شکل جھانک رہی تھی۔ لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے وہ ہرگز دیہاتی معلوم نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی ان کے چہروں سے کسی خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس آکر نوجوان نے گاڑی روک دی۔ پھر موہن کے اترتے ہی وہ بھی نیچے اتر آیا۔ سہارا دے کر اس نے اپنی ساتھی لڑکی کو اتارا اور موہن کے پیچھے چلتا ہوا ہمارے قریب آگیا۔

کون ہیں آپ لوگ......؟ میں نے بے اختیار ان سے سوال کیا۔ نجانے کون سی قوت تھی جس نے مجھے بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

مسافر ہیں ....نوجوان نے لڑکی کو دیکھ کر کہا۔

کہاں سے آئے ہیں آپ لوگ.....؟ مجھے ایک دم احساس ہوا تھا جیسے وہ لوگ کہیں باہر کے لوگ ہوں۔ تب اس نوجوان نے کہا۔

سیاحت کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ ادھر تھوڑا پیچھے ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ بیل گاڑی ہم نے کرائے پر لی ہے۔ شہر جا کر ملازم کے ہاتھ اپنی موٹر ٹھیک کروا کر منگوا لیں گے۔

اجنبی ٹھیک کہتا ہے چھوٹے سرکار۔ موہن نے گردن ہلا کر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور مجھے یوں لگا جیسے موہن کی آنکھیں بول رہی ہوں۔ جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے' اسے کرنے دیا جائے۔ اسی میں مصلحت ہے۔ وہ پھر بولا۔

آپ ایک رات اپنی اس حویلی میں انہیں قیام کرنے کی اجازت دے دیں۔ صبح ہوتے ہی یہ لوگ شہر چلے جائیں گے۔

ٹھیک ہے تم انہیں اوپر لے جا کر ٹھہراؤ......میں ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں بلکہ تم خود ہی ان کے کھانے پینے کا بندوبست کر لو۔ میں نے کہا اور موہن کچھ کہے بغیر نوجوان کو اشارہ کر کے اندر چل پڑا۔ نوجوان نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولا۔

تھینک یو سر......تھینک یو ویری مچ...... آؤ ڈارلنگ۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور موہن کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے چاروں طرف سے لوگ نکل آئے ہوں۔ میں نے چونک کر ان لوگوں کو دیکھا تو رامو اور میرے تینوں بھائی باہر آگئے تھے اور پھر وہ جنگلی جانوروں کی طرح اس بیل پر ٹوٹ پڑے جو گاڑی میں جتا ہوا تھا۔ وہ اس کا خون چوس رہے تھے اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی یہ وحشت خیزی دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی میرے قریب کھڑی عورت نے مسکرا کر میرا بازو پکڑا اور بولی۔

کیا تم ان لوگوں کا ساتھ نہیں دو گے؟

نہیں...... ہرگز نہیں۔ میں نے دانتوں کو مضبوطی سے بھینچ کر ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

آخر کیوں نہیں......؟ جبکہ یہ انتظام میں نے صرف تمہارے لیے کیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور مجھے بیل گاڑی کے قریب لے گئی لیکن جیسے ہی ہم بیل گاڑی کے قریب پہنچے بیل کا خون چوسنے والے بیل سے علیحدہ ہو گئے اور بیل زمین پر گر پڑا۔ وہ زمین پر تڑپ رہا تھا اور اس کی گردن پر نظر آنے والے بہت سے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ پھر اس خون کو دیکھ کر نجانے کیوں میرے ذہن میں بھی ایک جھرجھری سی دوڑ گئی۔ میں بے اختیار نیچے جھکا اور میں نے اس کے ایک رستے زخم پر ہونٹ رکھ دیا۔ دوسرے لمحے میرے حلق سے اس کا نمکین خون اتر رہا تھا۔ نجانے کتنی دیر تک اس کی گردن پر منہ رکھے اپنی پیاس بجھاتا رہا۔ پھر اس عورت نے ہی مجھے بیل سے علیحدہ کیا۔ میں ہونٹوں پر زبان پھیر کر اسے دیکھنے لگا تو وہ مسکرائی اور بولی۔

مجھے یقین ہے کہ اب تمہاری پیاس بجھ گئی ہوگی' آؤ میرے ساتھ۔ میں اس طرح اس کے ساتھ چل پڑا جیسے کوئی نشے میں چور ہوتا ہے۔ اوپری منزل کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے کہا۔

اب تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ' ملاقات ہوگی...... مگر ایک بات یاد رکھنا' میرے بغیر کبھی اس کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ مجھ پر تو ایک نشے کی سی کیفیت طاری تھی' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں خاموشی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ وہ دروازے سے واپس چلی گئی تھی اور میں ایک بار پھر واپس آگیا تھا جہاں سے میری بربادی کی ابتداء ہوئی تھی لیکن کمرے میں آنے کے بعد میری ذہنی کیفیت وہ نہ رہی جو پہلے تھی۔ اب مجھے جیسے ایک دم ہوش سا آگیا تھا۔ پھر بیٹھتے ہوئے میں نے اپنی جیبوں کی تلاشی لی اور میرے ہاتھ اس ڈائری سے ٹکرائے جو ان ساری مشکلات کا خزانہ تھی۔ ابھی میں ڈائری کھولنے بھی نہ پایا تھا کہ راہداری میں قدموں کی آواز ابھری۔ ڈائری کے جیب میں مل جانے پر میں حیران تھا۔ قدموں کی آواز سن کر میں ایک دم سنبھل گیا۔ میں نے ڈائری جیب میں رکھ لی اور اٹھ کر دیکھنے لگا کہ کون

ہے۔ تب میں نے موہن کو دیکھا۔ اس کے پیچھے وہی اجنبی نوجوان اور اس کی خوبصورت ساتھی لڑکی ہال کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شاید انہیں میرے برابر کے کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ دونوں قریب آئے تو نوجوان مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

سر...... آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟

نہیں...... میں سرشام کھانے کا عادی ہوں۔ میں نے لڑکی کی حالت دیکھتے ہوئے کہا جو دیوار سے لگ کر نیچے تاریکی میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ موہن ہمیں باتیں کرتے دیکھ کر رک گیا لیکن پلٹا نہیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں نے کہا۔

میں تمہارا ساتھ ضرور دیتا لیکن اس وقت مجبوری ہے۔

کوئی بات نہیں جناب...... نوجوان لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا اور میں دروازے سے ٹک کر لمبی لمبی سانس لینے لگا۔ واقعات کی چرخی میرے ذہن میں چلنے لگی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ زندگی کے کسی حصے میں میں نے کبھی اتنا بھیانک خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ بے سروپا داستان نجانے کیوں مجھ سے منسلک ہو گئی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ میرے ذہن میں ایک شیطانی خیال جنم لینے لگا۔ کیا اس اجنبی جوڑے کو امر نہیں بنایا جا سکتا اور جب یہ یہاں سے امر بن کر جائیں گے تو اپنے علاقہ میں جا کر یہ نجانے کتنے لوگوں کو امر بنائیں گے۔ ممکن ہے کہ یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔ اچانک جیسے میرے کانوں میں گھنٹیاں بج اٹھیں اور ایک آواز ابھری......

اس طرح میں تمہیں چھو سکتی ہوں۔ تمہارے قریب آسکتی ہوں اور اس وقت ہم میں سے شاید کوئی ایسا نہیں جس نے ایک دوسرے کا خون نہ پیا ہو۔ نجانے کس کس کے جسم میں میرا خون موجود ہے۔ ممکن ہے تم بھی میرا خون پی لو اور جس وقت بھی ایسا ہوگیا' یقین کرو یہ سارا طلسم ختم ہو جائے گا...... یقین کرو...... یقین کرو...... یقین کرو...... آواز برابر ابھرنے لگی۔ ممکن ہے تم میرا خون پی لو۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ غیبی آواز میرے کانوں کے پردے پھاڑ دے گی۔ میں نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے لیکن آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر چاروں

طرف دیکھا۔ ایک عفریت کو ختم کرنے کے لیے مجھے بھی عفریت بننا ہی پڑے گا۔ میں نے انتہائی گہرائیوں سے سوچا' پھر میرے کانوں کو ایک آہٹ کا احساس ہوا لیکن میری آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی میرے قریب سے گزرا ہو۔ میں نے چند لمحات کے بعد آنکھیں کھول کر ادھر دیکھا تو رامو سیاہ لباس میں ملبوس تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ میرے منہ سے آواز نکل گئی اور اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا' پھر بولا۔

فرمایئے چھوٹے سرکار۔

یہاں کس لیے آئے ہو رامو......؟

آپ کو اس فریب سے نجات دلانے کے لیے......جس میں ابھی آپ مبتلا تھے۔

کون سا فریب؟

اس سے متعلق جو آپ کو اپنا پتی مانتی ہے۔ وہ بدروح ہے چھوٹے سرکار...... وہ سب کے دلوں میں جھانک کر دیکھ سکتی ہے۔

میں کسی فریب میں مبتلا نہیں ہوں رامو...... لیکن کیا تم مجھے امر نہیں بناؤ گے؟

کاش......میں ایسا کر سکتا چھوٹے سرکار...... لیکن مجبور ہوں۔ وہ جو چاہتی ہے' وہی ہوتا ہے۔ رامو نے مایوسی سے کہا اور میں گردن جھٹک کر خاموش ہو گیا'۔ کچھ نہیں تھا......کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہر سوچ کو ذہن سے نکال کر پھینک دینا ہی میرے لیے فائدہ مند تھا۔ میں مسہری پر لیٹ گیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آہ ......میں کتنا بے بس ہو چکا ہوں۔ کیسی بے بسی طاری ہے مجھ پر......میں نے دل میں سوچا اور مجھے خود سے ہی ہمدردی کا احساس ہونے لگا لیکن ابھی لیٹے ہوئے مجھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک دردناک چیخ نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ چیخ کسی لڑکی کی تھی۔ میرے ذہن میں فوراً یہی خیال آیا کہ ممکن ہے کہ اس اجنبی جوڑے پر موہن نے حملہ کیا ہو۔ عورت کی بات بھول کر کہ کمرے سے باہر مت نکلنا' میں تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور تقریباً بھاگتا ہوا راہداری طے کرنے والی سیڑھیوں تک آگیا۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی مجھے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا۔ گول میز پر کھانا لگا ہوا تھا لیکن اجنبی نوجوان آخری سیڑھی کے دائیں جانب زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے چاروں

طرف زمین خون سے سرخ ہو رہی تھی اور اس کی ساتھی لڑکی اس پر جھکی منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

کیا ہوا......کیا ہو گیا......؟ میں نے وہیں سے پکارا۔ لڑکی نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس وقت لڑکی اور لاش کے علاوہ وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ میں ریلنگ کا سہارا لے کر نیچے اتر آیا۔ نوجوان کے سر میں شدید زخم آئے تھے اور ان زخموں سے اب بھی خون رس رہا تھا۔

بتاتی کیوں نہیں ہو ......کیا ہوا ہے اسے؟ میں نے لڑکی کا شانہ ہلا کر پوچھا لیکن وہ برابر روتی رہی۔ میری نگاہیں کچن میں کھلنے والے دروازے پر جمی ہوئی تھیں جہاں پرسکون خاموشی طاری تھی۔ پھر کچھ لمحے یونہی گزر گئے۔ تب میں جھکا' سہارا دے کر لڑکی کو اٹھایا اور گول میز کے پاس رکھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر بٹھا دیا۔ پھر نوجوان کے قریب آیا' نبض دیکھی۔ اس میں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ پھر میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھایا ہی تھا کہ پٹ کی آواز کے ساتھ ایک چھپکلی اس جگہ گری جہاں نوجوان کا تازہ اور گاڑھا خون پڑا ہوا تھا۔ نجانے کدھر سے میرے کانوں میں آواز ابھری۔

میرے بغیر کبھی کمرے سے نکلنے کی کوشش نہ کرنا.... سمجھے..... میرے بغیر۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک شیطانی خیال ابھرا۔ کیوں نا میں اس وقت اس کا خون پی کر یہ طلسم توڑ دوں لیکن چھپکلی کی طرف سے دیکھ کر ہی مجھے کراہت محسوس ہو رہی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ وہ عورت نہ ہو۔ نجانے کتنی لڑکیاں ان لوگوں کی طرح امر بن چکی ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ نوجوان کو ایک طرف لٹا کر میں لڑکی کے برابر والی کرسی پر جا بیٹھا۔ اتنی دیر میں فرش سے خون صاف ہو چکا تھا اور چھپکلی اب نوجوان کے سر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر لڑکی کی طرف دیکھا لیکن وہ بدستور منہ چھپائے رونے میں مصروف تھی اور میں حالات جاننے کے لیے بے چین تھا۔ پھر میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ لڑکی اس چھپکلی کو دیکھ لے۔ چنانچہ کرسی گھسیٹ کر میں اس کے سامنے آگیا۔ میں نے لڑکی سے کہا۔

مجھے بتاؤ...... معصوم لڑکی تمہارے ساتھ یہ کیا ہوا......؟ میں نے اس کے ہاتھ

پکڑ کر اس کی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ زور زور سے رونے لگی۔ بہت دیر تک میں کوشش کرتا رہا کہ وہ خاموش ہو کر مجھے اس بارے میں بتائے لیکن جب وہ خاموش نہ ہوئی تو میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں بند ہونے لگیں اور جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے اس سے سوال کیا۔

وہ تمہارا کون تھا......؟

وہ میرا شوہر ہے۔

وہ زخمی کس طرح ہوا......؟ وہ کچھ نہیں بولی' پھر چند لمحات خاموش رہ کر اس نے کہا۔

تمہارا ملازم ہمیں یہاں بٹھا کر کھانا لینے چلا گیا۔ پھر جب وہ کھانا لے کر واپس لوٹا تو ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اس طرح جھپٹا۔ نجانے کیوں میرے ساتھی کی گردن پکڑنا چاہتا تھا۔ میرے ساتھی نے جدوجہد کی تو ......تو تمہارا ملازم اسے چھوڑ کر مجھ پر لپکا اور جب اس نے مداخلت کی تو اسے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ ریلنگ کے ستون سے جا ٹکرایا۔ اس کا دماغ پھٹ گیا...... اس کا دماغ پھٹ گیا۔ اس نے روتی ہوئی نگاہوں سے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا لیکن دوسرے لمحے وہ حیران ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ میں نے بھی پلٹ کر دیکھا اور سکتے میں رہ گیا۔ لاش وہاں نہیں تھی' لاش ہی کیا خون کا کوئی دھبہ بھی نظر نہیں آرہا تھا جس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا کہ زخمی کچھ دیر پہلے وہاں پڑا ہوا تھا۔

کہاں گیا تھا وہ ......۔ لڑکی نے اتنا ہی کہا اور میں سمجھ گیا کہ کہاں گیا ہے وہ۔ میں نے اس سے کہا۔

فکر مت کرو۔ ہو سکتا ہے وہ زندہ ہو اور میرے ملازم اس کا علاج کرنے کے لیے اسے لے گئے ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔

کیا ایسا ممکن ہے......؟

ہاں......ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ وہ خاموشی سے اوپر چڑھنے لگی۔ ریلنگ کے ستون کے ساتھ رک کر ایک بار پھر نیچے دیکھا لیکن وہ جگہ صاف تھی۔ میں اسے لے کر اپنے کمرے میں آگیا اور میں نے اس سے کہا۔

تمہارا نام کیا ہے؟

روزی۔

اور تمہارے شوہر کا؟

وہ جان تھا۔

کہاں سے آئے ہو تم لوگ؟

سیاح ہیں اور ملک ملک کی سیر کرتے پھر رہے ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے ہم مصر میں تھے۔

جان کی لاش کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے......؟ بہرحال میں نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں اس سے سوال کیا۔ لڑکی نے شاید میرا سوال نہیں سنا تھا' وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ میں بھی سوچنے لگا کہ وہ لوگ آخر کیا کر رہے ہوں گے...... لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ادھر روزی بیٹھی اپنی کسی سوچ میں غرق تھی۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔

یہاں بڑی گھٹن ہے ......کیا یہ کھڑکیاں بند رہتی ہیں......؟

نہیں......میں نے کہا اور کھڑکی کے قریب پہنچ گیا لیکن اسے کھولنے کی ہمت میرے اندر نہیں پیدا ہو سکی۔ چند لمحے زنگ آلود چٹخنی پر ہاتھ رکھے سوچتا رہا مگر اپنی کمزوری کا اظہار بھی روزی پر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے مڑ کر لیمپ کی زرد روشنی میں اس کا چہرہ دیکھا اور پھر چٹخنی گرا دی۔ دوسرے لمحے ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھڑکی کے دونوں پٹ باہر کی جانب کھل گئے۔ تاحد نظر گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور اندھیرے کی اس دبیز چادر کے اس پار سوائے دریائے سنگل کے شور کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے اندر آرہے تھے اور اسی ہوا سے آتش دان پر رکھا لیمپ بجھ گیا۔ اچانک کمرے میں تاریکی پھیل گئی تو روزی کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی جیسے وہ اس ماحول سے خوفزدہ ہو گئی ہو۔ میں ٹٹولتا ہوا آتش دان کی طرف بڑھا تاکہ لیمپ کو دوبارہ روشن کر دوں کہ اچانک ہی مجھے کسی بڑے سے پرندے کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔ دوسرے لمحے کھڑکی کے راستے وہ عقاب نما پرندہ اندر داخل ہوا اور مجھ پر جھپٹنے کے بجائے

آتش دان کی طرف لپک گیا۔ گہری تاریکی ہونے کے باوجود میں نے اسے لیمپ کے
قریب جاتے ہوئے دیکھا اور چند ہی لمحوں کے بعد لیمپ تیز آواز کے ساتھ زمین پر گر
کر ٹوٹ گیا اور اسی وقت مجھے روزی کی کربناک چیخ سنائی دی۔ جیسے کوئی اس کا گلا
کاٹ رہا ہو۔ میں انجام کی پروا کیے بغیر تیزی سے اس کی طرف جھپٹا تھا۔ عقاب نما
پرندہ میرے قریب سے گزر کر باہر چلا گیا۔ روزی تک پہنچنے سے قبل میں دو دفعہ
ٹکرایا اور ایک دفعہ درمیان میں رکھی گول میز آگئی۔ دوسری طرف پرندہ میرے قریب
سے گزرا تو میں اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور نیچے گر پڑا۔ روزی اب بھی چیخ رہی
تھی۔ میں زمین سے اٹھ کر مسہری کا سہارا لے کر اس کے قریب پہنچا۔ اندھیرے میں
اس کا سفید لباس چمک رہا تھا لیکن روزی کا سفید لباس اتنا چمکدار تو نہیں تھا اور پھر
اچانک ہی میں نے اسے دیکھا' یہ وہی عورت تھی' راجہ بلیر کی رانی ......اس کی خون
پینے والی دھرم پتنی۔ اس کی آواز ابھری۔

ممکن ہے تم میرا خون بھی پی لو اور جس وقت بھی ایسا ہو گیا' یقین کرو یہ سارا
طلسم خودبخود ختم ہو جائے گا۔ آہ .....کیا واقعی ....کیا واقعی ایسا ہوگا۔ میں نے
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا' وہ روزی کی شہ رگ پر دانت جماتے اس کا خون پینے
میں مصروف تھی اور روزی کی بھیانک چیخیں اب معدوم ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر اس
سے پہلے کہ اس عورت کے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک اپنے جسم میں منتقل کر
لیتی' میں نے جھپٹ کر اس عورت پر اپنی گرفت قائم کر لی۔ اس نے کوئی مزاحمت
نہیں کی تھی۔ ممکن ہے روزی کے خون سے پیاس بجھاتے ہوئے اس نے میری گرفت
کو روزی کی جدوجہد سمجھا ہو۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن وہ پوری طرح میری گرفت
میں تھی اور میرا منہ آہستہ آہستہ اس کی گردن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں یقین سے
کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت میری قوت ارادی کو ذرا سا بھی دخل نہیں تھا۔ بس ایسا
ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی مقناطیسی قوت مجھے اس کام پر مجبور کر رہی ہو۔ میرا چہرہ
بتدریج اس کی گردن سے قریب ہوتا رہا اور پھر چند لمحے کے بعد میرے دانت اس کی
جوڑ شدہ گردن میں پیوست ہو گیا اور میں اس کے گرم لہو سے اپنی پیاس بجھانے لگا۔
چند لمحے یونہی گزر گئے' پھر اچانک ہی وہ عورت روزی کے جسم سے علیحدہ ہو گئی اور

میری گرفت کمزور پڑ گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے آپ کو مجھ سے چھڑانے میں
کامیاب ہوتی' میرے بازوؤں کی گرفت میں سختی آگئی اور میرے دانت اس کی گردن
میں انتہائی گہرائی میں اندر گھس گئے۔ مجھے شدید کراہیت کا احساس ہو رہا تھا لیکن اس
کا گرم خون میرے حلق سے نیچے اتر رہا تھا۔ وہ بے شک جدوجہد کر رہی تھی لیکن
میں اس سے زیادہ طاقتور تھا۔ پھر وہ بے جان ہو گئی اور اس کے بدن کا سارا خون
میرے جسم میں منتقل ہو گیا۔ میری زبان بار بار اس کے زخم سے لپٹ کر پیچھے ہٹنے
لگی۔ میں نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار کم کر دیا اور وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر
کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دروازے کی طرف
چھلانگ لگا دی اور انتہائی تیزی سے بھاگتا ہوا راہداری طے کرکے سیڑھیاں اترنے لگا۔
مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی میرے تعاقب میں آرہا ہو۔ ایک بار میں نے پلٹ
کر دیکھا اور لڑکھڑا گیا۔ دو چار سیڑھیاں جو رہ گئی تھیں' انہیں میرے قدموں نے عبور
نہیں کیا۔ میں نیچے گر پڑا تھا۔ ابھی میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے عقاب نما
پرندے کو دوبارہ اپنی جانب آتے دیکھا۔ اس نے نجانے کیوں میرے اوپر جھپٹنے کی
کوشش نہیں کی تھی۔ بس یونہی میرے اوپر منڈلاتا رہا تھا۔ میں حیران رہ گیا اور
انتظار کرتا رہا کہ وہ شاید مجھ پر جھپٹنے کی کوشش کرے لیکن کافی دیر گزرنے کے بعد
اس نے ایسا نہیں کیا تھا اور کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چکراتا رہا
تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹھیک اسی وقت وہ پلٹا اور دروازے سے باہر
نکل کر غائب ہو گیا۔ میرے قدم خودبخود اس کی جانب اٹھ گئے تھے۔

دروازے کے اس پار سٹور کے کھلے ہوئے دروازے کو میں نے دیکھا جس میں
سے ہلکی ہلکی زرد روشنی باہر آرہی تھی۔ میں اس زینے کے پاس آگیا جس کی سیڑھیاں
زمین کے اندر چلی جا رہی تھیں اور جس سے زرد روشنی باہر آرہی تھی۔ اس سٹور
میں میں اس سے پہلے بھی ایک بار میں آچکا تھا لیکن یہ سیڑھیاں مجھے پہلی بار نظر آئی
تھیں' پرندہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ البتہ میرا دل بار بار اس زینے کے راز جاننے پر اکسا
رہا تھا۔ ایک لمحے میں نے اس زینے پر کھڑے ہو کر سوچا۔ پھر انجام کی پروا کیے بغیر
نیچے اترنے لگا۔ میں سیڑھیاں طے کرتا رہا لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں زمین کی

آخری تہہ تک پہنچ رہا ہوں۔ سیڑھیاں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ نجانے کتنی گہرائی میں اتر گیا اور سانس لینے کے لیے رک گیا۔ میں نے اوپر دیکھا تو میرا وجود لرز کر رہ گیا' اوپر تاریکی تھی لیکن وہ زرد روشنی میرے ساتھ سیڑھیاں طے کر رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے حیرانی سے دیکھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بہرحال...... میں آگے بڑھتا رہا' یہاں تک کہ سیڑھیوں کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا او اب میں جس جگہ کھڑا ہوا تھا' وہاں کھنڈرات کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نے وہاں لاتعداد تابوت رکھے ہوئے دیکھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ کیا حویلی کا نچلا حصہ یا کوئی اور جگہ...... کسی اور جگہ کا سوال اس لیے پیدا نہیں ہوتا تھا کہ گھور گھور کر دیکھنے کے باوجود کسی حصے سے مجھے آسمان نظر نہیں آسکا تھا۔ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا' پھر نجانے کیوں میرے قدم ایک تابوت کی جانب اٹھ گئے۔ زرد روشنی بھی اس تابوت تک پہنچ گئی تھی۔ خوبصورت نقش و نگار کے وضع قطع کا یہ تابوت ایک پتھر کی چٹان پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھولنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا لیکن میرا ہاتھ بڑھنے سے پہلے ہی ایک خوفناک آواز کے ساتھ تابوت کا ڈھکنا اٹھتا چلا گیا اور میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تابوت کے اندر اس عورت کی لاش رکھی ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ وہ سو رہی ہے لیکن وہ زندہ نہیں تھی۔ اس کی لاش بالکل ایسے لگ رہی تھی جیسے اٹھ کر باہر آجائے گی۔ میں بڑی حیرت کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ اگر یہ عورت مردہ ہے تو پھر وہ عورت کون تھی جسے میں نے ختم کیا ہے۔ میں اس سے زیادہ نہیں سوچ سکا کیونکہ پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ تابوت سے کچھ فاصلے پر آکر بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی میری نظر اس پر پڑی' اس نے اپنے پر بلند کیے اور تیزی سے اڑتا ہوا تابوت کے دوسری جانب بڑھ گیا۔ اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ زرد روشنی اسی پرندے کے جسم سے خارج ہو رہی تھی۔ بس...... یہ تھا سارا واقعہ' یہ تھی ساری کہانی...... جو آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ میں اس کے بعد کے حالات کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔ یہ سارے کھیل' ساری کہانی خودبخود ختم ہو گئی تھی۔ تابوتوں کے اس شہر میں میں

بہت دیر تک بیٹھا اس ماحول کو دیکھتا رہا تھا اور اس کے بعد مجھے نیند آگئی تھی اور ہوش آیا تو حویلی سے باہر تھا اور اس کے بعد نجانے کیسے کیسے حالات سے گزر کر میں شہر پہنچا تھا اور جب میرے ہوش و حواس جاگے تو میں پولیس سٹیشن میں تھا اور میرے سامنے بیٹھا ہوا عمر رسیدہ انسپکٹر مجھ سے کہہ رہا تھا۔

ہاں ......تو پھر آپ نے وہ تمام تابوت دیکھ ڈالے لیکن آپ کے بھائیوں کی لاشیں ان میں سے کسی تابوت میں نہیں تھیں۔ یہی کہنا چاہتے ہیں ناں آپ؟

ہاں۔

اور اس کے بعد آپ سیدھے یہاں آگئے؟

جی......

اور یہ ڈائری۔ انسپکٹر نے میز سے ڈائری اٹھاتے ہوئے کہا۔ یہ ڈائری اس خزانے کے نقشے کا پتا بتاتی ہے جسے آپ نے حویلی کے تہہ خانے میں دیکھا۔

جی ہاں......میں آپ کو تمام کہانی بتا چکا ہوں۔ میں نے کہا اور انسپکٹر نے ڈائری کھول کر دیکھی۔ وہ صفحے پر صفحہ الٹتا رہا اور میں اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے آثار کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ وہ اس تحریر کو سمجھنے میں ناکام ہو گیا۔ پھر اس نے ڈائری میری طرف بڑھا دی۔

آپ ہی پڑھ لیجئے اسے۔ اس کے لہجے میں مذاق تھا اور میں چونک کر ڈائری کو دیکھنے لگا لیکن دوسرے لمحے میری آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ میں نے ڈائری کا ایک ورق اٹھا کر دیکھ ڈالا لیکن ڈائری کے سارے صفحات سادہ اور بے داغ تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں کبھی کچھ نہ لکھا گیا ہو۔ انسپکٹر کو دیکھ کر میں نے کہا۔

لیکن جناب...... آپ یقین کیجئے۔

کر لوں گا...... کر لوں گا...... ذرا گھر کا پتا بتایئے آپ۔ اس نے کہا اور پھر ایک سپاہی کو تحقیقات کی غرض سے بھیج دیا اور باقی سپاہیوں کو بلا کر کہا۔

ان صاحب کو ذرا اندر پہنچا دو۔ دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔

کیا ہوا ہے ......میں نے کیا کیا ہے۔

بس...... آپ نے جو کیا ہے' وہ آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔ میں حیرانی سے

حوالات میں یہ سوچنے لگا کہ جب میں تابوتوں کو لے کر واپس پہنچا تھا۔ تب بھی اسی عقاب نے میری رہنمائی کی تھی۔ ان تابوتوں میں میں نے نہ صرف رامو' موہن اور ان تمام افراد کو دیکھا تھا جن کو میں کسی نہ کسی طرح حویلی یا بستی میں دیکھ چکا تھا لیکن مجھے میرے تینوں بھائی نظر نہیں آئے تھے۔ حالانکہ میں نے ایک ایک تابوت کو غور سے دیکھا تھا۔ خدا جانے وہ تینوں کہاں چلے گئے تھے۔ نہ ہی وہ غیر ملکی جوڑا مجھے نظر آیا تھا جو اس دن حویلی میں آیا تھا۔ میں اس دن زینے کے راستے حویلی میں واپس آیا۔ میری کوشش یہ تھی کہ میں جلد از جلد شہر پہنچ کر متعلقہ تھانے کو اطلاع دے دوں لیکن مشکل یہ تھی کہ رات اپنے آخری پہر سے گزر رہی تھی۔ کسی گاڑی کا ملنا نہ صرف مشکل تھا بلکہ ناممکن تھا۔ پھر بھی میں تاریکی میں زرد روشنی کے سہارے آگے بڑھتا رہا جو میری رہنمائی کر رہی تھی۔ میرا رخ کس طرف تھا' یہ میں نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے یہ پتا چل سکا کہ میں نے کس طرح اتنا فاصلہ طے کر لیا لیکن صبح کا سورج نکلنے سے پہلے میں نے خود کو اس تھانے میں پایا تھا۔ عقاب یا اس کے جسم سے نکلنے والی روشنی رات کے ساتھ ہی غائب ہو گئی تھی اور پھر میں نے انسپکٹر کو تمام کہانی سناتے ہوئے ڈائری دی تھی اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد انسپکٹر کا بھیجا ہوا سپاہی لوٹ کر آیا تو انسپکٹر نے مجھے بلوایا۔ اب انسپکٹر کا رویہ بدل چکا تھا۔ اس نے کہا۔

جناب! کیا فرماتے ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے؟

فیروز شاہ۔

اور آپ کے پردادا حضور کا نام راؤ حیدر شاہ تھا۔

جی۔

آپ کا کہنا ہے کہ آپ اپنی والدہ کو چھوڑ کر گئے تھے لیکن جناب جو پتا آپ نے بتایا ہے' اس گھر میں مدت ہوئی کوئی نہیں رہتا۔ نہ ہی کسی راؤ حیدر شاہ کا نام کسی کو معلوم ہے۔ اس عمارت میں اب صرف ایک یونیورسٹی ہے اور ماضی میں کہیں بھی کسی جگہ راؤ حیدر شاہ' غلام شاہ یا صابر شاہ کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ نہ ہی جنرل بخت خان کے ساتھ راؤ حیدر شاہ نامی کوئی شخص موجود تھا۔ رہی بات سنگل پور کی ......تو شاید آپ کو یہ بات معلوم نہیں کہ سنگل پور تو بہت پہلے تباہ ہو چکا ہے۔ ہاں ......اس کے

آثار قدیمہ میں کھدائی کے وقت کچھ تابوت ضرور برآمد ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے آپ کو ان کی کہانی معلوم ہو گئی ہو اور آپ نے ہمیں وہی کہانی سنا دی ہو۔ میں شدت حیرت سے انسپکٹر کو دیکھتا رہ گیا اور پھر شاید میں قہقہے لگانے لگا تھا اور اس کے بعد کیا ہوا تھا' یہ مجھے نہیں معلوم...... لیکن آج جب میرے اردگرد ایسے بے شمار لوگ پھیلے ہوئے ہیں جن کا ذہنی توازن درست نہیں ہے تو میں انہیں دیکھ کر حیرت و افسوس کے ساتھ سوچتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی زندگی سے بھی کوئی ایسی ہی کہانی وابستہ ہو لیکن کسی کے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی کسی کو اس حویلی میں دوبارہ ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑے اور کسی طرح میری بے گناہی ثابت ہو۔ فی الحال تو میں ایک پاگل ہوں جس سے آپ پاگل خانے میں ملاقات کر سکتے ہیں لیکن ......ایک راز کی بات بتاؤں ......کسی سے کہیں گے تو نہیں۔ اس پاگل خانے کے تمام پاگل اب ایک دوسرے کا خون پیتے ہیں۔ کسی دن آیئے ہمارے پاس......!

ختم شد